حدیث شریف کے ایک طالب علم کی سرگذشت

داستاں میری

(جلد دوم)

مؤلف
مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

ناشر
مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی
جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ

داستاں میری

(جلد دوم)

جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ أبی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ
کے قیام کی تفصیلات، ہندو بیرون ہند کے اسفار، مختلف کانفرنسوں میں
شرکت کی روداد، چند اہم تقاریر ومقالات اور مشائخ وعلماء اور اہل تعلق
کے انتقال پر لکھے گئے تعزیتی مضامین (وفیات) کا مجموعہ

مؤلف

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

ناشر: مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور اعظم گڑھ (یوپی) انڈیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب: داستاں میری (جلد دوم)
مؤلف: مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی
کمپوزنگ: صلاح الدین ندوی رمشتاق احمد غازیپوری
صفحات: ۶۱۳
ناشر: مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی، مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
سن اشاعت: ۱۴۳۵ھ ۲۰۱۴ء

ملنے کے پتے:
جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ (یوپی)
9450876465

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	تقدیم	۱۵
۲	''داستاں میری'' اول پر ایک قیمتی تبصرہ	۱۸
۳	**پہلا باب** **جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کا قیام** جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ کے قیام کا پس منظر، اغراض و مقاصد، مرحلہ واران کی ترقی کی تفصیلات، جامعہ کے اجلاس اور مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے علمی مذاکروں اور سمیناروں کی روداد	۲۵
۴	جامعہ اسلامیہ مظفر پور کا قیام	۲۵
۵	عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی کا مکتوب گرامی	۲۶

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۶	جامعہ کا سنگ بنیاد	۲۹
۷	جامعہ اسلامیہ ترقی کے مراحل میں	۳۱
۸	مجلّہ الشارق کا اجراء	۳۴
۹	جامعہ کا پہلا اجلاس	۳۴
۱۰	جامعہ کا دوسرا اہم اجلاس	۳۴
۱۱	تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا اجلاس	۳۵
۱۲	مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی للبحوث و الدراسات الإسلامیۃ کا قیام	۳۶
۱۳	جامعہ اسلامیہ میں مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی کے زیر اہتمام دو بڑے سیمینار	۳۸
۱۴	پہلا سیمینار بعنوان: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ	۳۸
۱۵	دوسرا سیمینار بعنوان: ''تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث''	۵۱

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۵۹	**دوسرا باب** **عالم عربی کے اسفار**	۱۶
۶۱	کچھ اسفار سے متعلق	۱۷
۶۲	**مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف** کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سہ روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی بعنوان: ''**عناية المملكة العربية السعودية بالسنة والسيرة النبوية**'' میں شرکت	۱۸
۶۶	سہ روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی بعنوان: ''الحدیث الشریف وتحدیات العصر'' میں شرکت	۱۹
۶۹	عمرہ کا سفر اور عرب علماء سے ملاقات	۲۰
۷۲	جامعۃ الشارقہ متحدہ عرب امارات کی ایک اہم کانفرنس میں شرکت	۲۱
۷۴	سفرِ عمرہ اور ڈاکٹر عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی سے ملاقات	۲۲
۷۶	رمضان المبارک میں عمرہ کا سفر اور کبار علماء سے ملاقات	۲۳

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۲۴	دبئی کا ایک تعزیتی سفر	۷۹
۲۵	سفر حجاز	۸۱
۲۶	العین سے حرمین تک	۸۵
۲۷	مکہ مکرمہ میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس بعنوان: ''العالم الإسلامي: المشكلات والحلول'' میں شرکت	۹۰
۲۸	حرمین شریفین کا سفر	۹۵
۲۹	ایک عالمی کانفرنس بعنوان: ظاہرة التکفیر، الاسباب- الآثار- العلاج میں شرکت	۹۸
۳۰	رمضان المبارک میں عمرہ اور مقامات مقدسہ کی زیارت	۱۰۲
۳۱	رابطہ عالم اسلامی کی بین الاقوامی کانفرنس ''التضامن الإسلامي''، میں شرکت	۱۰۸
۳۲	حرمین شریفین کا ایک اور سفر	۱۱۳

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۱۲۱	**تیسرا باب** **یورپ وافریقہ کے اسفار**	۳۳
۱۲۳	برطانیہ کا ’’علی میاں ندویؒ سیمینار‘‘ میں شرکت	۳۴
۱۳۶	چند ایام ماریشس اور ری یونین کے جزیرہ میں	۳۵
۱۴۷	ختم بخاری کے لئے برطانیہ کا سفر	۳۶
۱۵۷	**چوتھا باب: اسفار ہند**	۳۷
۱۵۹	جمبوسر گجرات کا ایک یادگار سفر	۳۸
۱۶۲	رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام بنگلور کے سمینار میں شرکت	۳۹
۱۶۷	گجرات کا ایک یادگار سفر	۴۰
۱۷۴	اے کے کالسیکر اسپتال ممبرا کوسہ ممبئی کی تقریب سنگ بنیاد میں شرکت	۴۱
۱۷۶	سفر دیوبند	۴۲
۱۸۹	سفر سہارنپور اور جامعہ مظاہر علوم میں اوائل صحاح کا درس	۴۳

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۴۴	جنوبی ہند(بھٹکل)کا ایک سفر	۱۹۴
۴۵	سفر سہارنپور	۲۰۰
۴۶	دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک یادگار مجلس حدیث	۲۰۳
۴۷	رائے بریلی کا سفر	۲۰۶
۴۸	دہلی سے مظفر پور تک	۲۰۸
۴۹	دارالعلوم دیوبند کا ایک اہم سفر	۲۱۳
۵۰	گجرات کا ایک علمی سفر	۲۲۳
۵۱	دہلی کا سفر برائے شاہ ولی اللہ ایوارڈ	۲۳۴
۵۲	سفر الہ آباد اور خصوصی ایوارڈ	۲۵۸
۵۳	دہلی، بنگلور، لکھنؤ کے علمی ودعوتی اسفار	۲۷۱
۵۴	سمینار ’’علمائے فرنگی محل کی علمی خدمات‘‘ میں شرکت	۲۷۹
۵۵	بھٹکل، لکھنؤ، مرادآباد اور رائے بریلی کا ایک علمی تاریخی سفر	۲۸۶
۵۶	ایک یادگار علمی ودعوتی سفر	۲۹۱
۵۷	مدرسہ مظاہر علوم ودارالعلوم دیوبند کی ایک اور زیارت	۲۹۷

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۳۰۷	**پانچواں باب** **چند اہم تقاریر**	۵۸
۳۰۹	تدوین حدیث اور اس کی حفاظت کے غیبی انتظامات	۵۹
۳۲۵	طلبائے دار العلوم دیوبند سے ایک خطاب	۶۰
۳۳۳	ایمانی زندگی کے لیے محاسبۂ نفس کی ضرورت ہے	۶۱
۳۴۵	دار المصنفین اعظم گڑھ میں چند مفید باتیں	۶۲
۳۵۰	ابوظبی میں شیخ زاید کی مسجد کبیر میں ایک تاریخی درس بخاری	۶۳
۳۵۶	معوذتین کی اہمیت	۶۴
۳۶۳	برصغیر میں اسلام کی بقاء وتحفظ کے لیے مدارس اسلامیہ کا کردار اور ان کے فضلاء کے کارنامے ایک مختصر جائزہ	۶۵
۳۷۱	سچا طالب علم بننے کی ضرورت ہے	۶۶
۳۷۸	ایک اہم درس حدیث	۶۷
۳۸۶	ابوظبی میں ایک یادگار درس	۶۸
۳۸۹	شارجہ یونیورسٹی میں حدیث شریف کے عنوان پر ایک تقریر	۶۹

نمبرشمار	عناوین	صفحہ
۷۰	شارجہ یونیورسٹی کے علماء وطلباء کی ایک مفید علمی مجلس العین میں	۳۹۱
۷۱	مسلمانان عالم کی پریشانیوں کا حل صبر وتقویٰ ،حسنِ اخلاق،حسنِ معاشرت،حسنِ معاملہ	۳۹۴
۷۲	**چھٹا باب** **چند اہم مقالات**	۴۰۱
۷۳	عرب وہند کے تعلقات میں علم حدیث کا کردار	۴۰۳
۷۴	علامہ محدث محمد بن طاہر پٹنی اوران کی علمی خدمات	۴۱۰
۷۵	اسلام،اعتدال اور صحیح فکر کی تعلیم دیتا ہے	۴۲۰
۷۶	**ساتواں باب** **چند اہم شخصیات کے انتقال پر** **تأثراتی مضامین** **(وفیات)**	۴۲۵

صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۴۴۷	حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ	۷۷
۴۵۷	حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ ارتحال	۷۸
۴۶۷	(۱) دین ودانش کا مہر انور	۷۹
۴۷۴	(۲) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا سانحۂ ارتحال	۸۰
۴۸۰	شاہ معین الدین احمد ندویؒ	۸۱
۴۸۴	حضرت عبدالرب صاحب علیہ الرحمہ نقوش وتأثرات	۸۲
۴۸۸	مولانا محمد الحسنی	۸۳
۴۹۷	آہ! مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم	۸۴
۵۰۲	والدہ صاحبہ کا سانحہ ارتحال	۸۵
۵۰۶	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نقوش وتأثرات	۸۶
۵۱۴	حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی کا سانحۂ ارتحال	۸۷
۵۱۹	مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کچھ یادیں اور کچھ باتیں	۸۸
۵۳۸	مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ کا عالمی ایوارڈ کی مناسبت سے دبئی کا سفر	۸۹

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۹۰	آہ! حضرت بقیۃ السلف اور یادگار حضرت حکیم الامت تھانویؒ مولانا شاہ ابرار الحقؒ - نقوش وتأثرات	۵۴۷
۹۱	حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نقوش وتأثرات	۵۵۴
۹۲	محترم مولانا معین اللہ ندوی کا سانحہ ارتحال	۵۶۲
۹۳	حضرت قاری امیر الحسن صاحب کا سانحۂ ارتحال	۵۷۲
۹۴	آہ! حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رحمہ اللہ	۵۷۵
۹۵	محترم مولانا محمد طاہر صاحب منصور پوری کا سانحۂ ارتحال	۵۷۸
۹۶	آہ! مولانا قاضی مجاہد الاسلام مرحوم	۵۸۲
۹۷	آہ! مولوی مسعود خاں مرحوم	۵۸۵
۹۸	ایک مخلص بندہ کی یاد (حاجی علاؤالدین مرحوم اور کچھ یادیں)	۵۹۰
۹۹	مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم	۵۹۶
۱۰۰	عالم مکۃ المکرّمہ شیخ علوی مالکیؒ کا سانحۂ ارتحال	۵۹۸
۱۰۱	عزیز گرامی مولانا قاری اختر عالم مظاہری کا حادثۂ ارتحال	۶۰۱
۱۰۲	آہ ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی	۶۰۶

صفحہ	عناوین	نمبرشمار
۶۰۸	ایک بندۂ خدا کا سانحۂ ارتحال	۱۰۳
۶۱۰	میری اہلیہ محترمہ کا سانحۂ ارتحال	۱۰۴
۶۱۵	عالم ربّانی مولانا عبدالرحیم متالا کا سانحۂ ارتحال	۱۰۵
۶۲۲	آہ! مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی مرحوم	۱۰۶
۶۲۷	**آٹھواں باب** **چند اہم تعزیتی خطوط**	۱۰۷
۶۲۹	حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے انتقال پر پیغام تعزیت	۱۰۸
۶۳۱	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر پیغام تعزیت	۱۰۹
۶۳۴	مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے سانحۂ انتقال پر نامۂ تعزیت	۱۱۰
۶۳۶	حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے سانحۂ ارتحال پر تعزیت نامہ	۱۱۱
۶۳۸	مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ کے سانحۂ ارتحال پر تعزیت نامہ	۱۱۲

تقدیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على محمد وآله وصحبه أجمعين .

امابعد!

الحمد للہ ’’داستاں میری‘‘ کی پہلی جلد کو اللہ تعالی نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی، تھوڑے عرصہ میں اس کی بڑی مقدار نکل گئی ہے، اب اس کی دوسری جلد ناظرین کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اس کتاب کا مقصد اپنے معاصر علماء کے درمیان اپنی بڑائی اور فضیلت کا اظہار مقصود نہیں ہے، اللہ تعالی کبر وتکبر کے مرض سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین، بلکہ اس ناچیز کا اپنے اکابر سے جو تعلق رہا ہے جس کی بنا پر ان کے مکاتیب کا بڑا مجموعہ اس ناچیز کے پاس محفوظ تھا، اس میں ان خطوط کی اشاعت مقصود ہے جس سے طالبعلم اور قاری کتاب کو نفع اور فائدہ پہونچے، ان بزرگوں نے بالخصوص ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے اس ناچیز کی کس طرح تربیت فرمائی، گرچہ اپنی نااہلیت کی وجہ سے کچھ نہ ہوسکا، لیکن بقول کسے:

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

پیوستگی تو بہت بڑی چیز ہے وابستگی بھی اپنے اندر ایک خاص تاثیر رکھتی ہے، اوراسی کا ثمرہ ہے کہ جس نے اعظم گڑھ کے ایک دیہات کے ایک معمولی طالب علم کو علمی ودینی کاموں کا موقع فراہم کیا، ہندوستان کے عالمی شہرت یافتہ مدارس میں شیخ الحدیث کے درجہ پر پہونچایا اورعرب ممالک میں ایک منصب رفیع (جج) کے درجہ تک، اور شرعی کورٹ کے مستشار وایڈوائزر اور اس سے آگے بڑھ کر ایک بڑی یونیورسیٹی (متحدہ عرب امارات یونیورسیٹی) میں پروفیسر کے درجہ تک پہونچایا، جس کی وجہ سے ہندوبیرون ہند میں شاگردوں کی اچھی خاصی تعداد ہے،عرب ممالک میں تو یہ تعداد تین ہزار سے متجاوز ہے، جن میں بعض وزارت کے عہدہ پر ہیں، اسی طرح عرب ملکوں میں مجازین فی الحدیث کی تعداد سینکڑوں ہے اوراس میں اضافہ ہی ہورہا ہے، اس کے علاوہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اوربعض دیگرعرب یونیورسیٹیوں میں بھی تدریس کے لئے بلایا گیا تھا،"**وأما بنعمة ربک فحدث**".

اپنے بزرگوں خاص طور سے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی دعا کی برکت نے متحدہ عرب امارات کے قیام کو حدیث پاک کی خدمت کا ذریعہ بنادیا، تحقیق وتعلیق کرنے کا موقع فراہم ہوا، بالخصوص ہندوستان کے علماء ومحدثین کے اس حدیثی سرمایہ کوجس کی تمنا کی جارہی تھی کہ عالم عربی واسلامی میں پھیل جائے اوران اکابر کی کتابوں کا فیض عام ہو، الحمدللہ دنیا کے سارے کتب خانوں اورعلمی ودینی مراکز میں ان کتابوں کوجگہ ملتی جارہی ہے، اورعرب علماء نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے اوردیکھ

رہے ہیں، اوران میں سے بعض کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ''**التعلیق الممجد**'' تو آٹھ مرتبہ شائع ہوچکی ہے، اور میرے رسالہ ''امام بخاری'' کوتو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی، اب تک یہ کتاب بیس ہزار کی تعداد میں چھپ چکی ہے، اسی طرح دوسری کتابیں اہل علم کے درمیان قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں۔

ناچیز نے یہ سب اس لئے ذکر کردیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ یہ محض اللہ رب العزت کا فضل اور توفیق ہے، اور اسی کی توفیق نے اور بزرگوں کی دعاؤں نے ان علمی وتحقیقی کاموں کے ساتھ ساتھ جامعہ اسلامیہ اور مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی جیسے دو عظیم اداروں کی تاسیس کا موقع دیا، جامعہ اسلامیہ کے گیٹ پر یہ شعر آویزاں ہے جو بالکل حقیقت پر مبنی ہے:

فیوض حضرت شیخ زکریا کا ہے یہ مخزن
دعاء حضرت احمد سے ہے شاداب یہ گلشن

بہرحال اس کتاب کی دوسری جلد ناظرین کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اس ناچیز نے عزیز گرامی مولانا فیروز اختر صاحب ندوی سلمہ کواس کتاب پر نظر ثانی اور تصحیح کا ذمہ دار بنایا تھا، الحمدللہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا، اللہ تعالی انھیں جزائے خیر دے، آمین، اوراس کتاب کو مقبول ونافع بنائے، **وما ذلک علی اللہ بعزیز.**

والسلام

تقی الدین ندوی

بروز جمعہ ۲۸/جولائی ۲۰۱۴ء

’’داستاں میری‘‘ اول پر ایک قیمتی تبصرہ

بقلم: حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی
ناظم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ العالی کی خودنوشت ’’داستاں میری‘‘ سوانحی سوانحات میں منفرد مقام رکھتی ہے، یہ کتاب حدیث شریف کے ایک طالب علم کی سرگذشت حیات ہی نہیں، وقت کے مشائخ اور علماء کے بیش قیمت خطوط اور ان کی قیمتی نصائح کا بھی مجموعہ ہے جس سے اہل علم اور اصحاب ذوق بہت ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا نے اپنی ابتدائی طالب علمی کے جو حالات قلم بند فرمائے ہیں وہ خصوصی طور پر طالب علموں کو پڑھنا چاہئے، علم کے حصول میں یتیمی اور مسکینی مانع نہیں ہو سکتی، اگر آدمی مضبوط ارادہ کے ساتھ کام میں لگا رہے۔

حضرت مولانا کا تعلق اپنے وقت کے اکابر کے ساتھ بہت گہرا رہا ہے، جن میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ، قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ طریقت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی میاں کے تعلق نے مولانا میں فکری بلندی اور وسعت ذہنی پیدا کی، شیخ الحدیثؒ نے حدیث پاک کا خصوصی ذوق اور طہارت باطنی پیدا کیا اور مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ نے عشق الٰہی اور عشق محمدی کی آگ کو مزید بھڑکایا۔

انہیں اللہ والوں کی خصوصی دعاؤں اور توجہات عالیہ نے مولانا مدظلہ سے اشاعت حدیث اور تدریس حدیث کا عظیم کام کروایا۔

مولانا مدظلہ نے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے درس حدیث کی خصوصیات، بہترین انداز میں تحریر فرمائی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ کے اسباق کو خاص توجہ سے سنا ہے اور اس کو محفوظ کرنے کی سعی کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی دعاؤں اور خصوصی توجہ نے مولانا مدظلہ کو علم حدیث کی خدمات میں مقام رفیع تک پہنچادیا، اور آپ نے اپنے اکابر کی کتابوں کی تحقیق و تعلیقات اور اس کو جدید طباعت کے ساتھ شائع کر کے پورے عالم عرب و اسلامی دنیا کے کونے کونے میں پہنچادیا ہے، **فجزاهم الله عن جميع أهل العلم خير الجزاء**۔

اس کتاب میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ، مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ، مولانا عمران خان بھوپالیؒ کے مکتوبات میں بہت قیمتی مشورے اور نصائح ہیں جو ہر ایک طالب علم کے لیے مفید اور حرز جاں بنانے کے قابل ہیں، صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”احمق و پاگل ہیں وہ بے وقوف جو علم دین کو معاشی حالت درست کرنے کے لیے پڑھتے ہیں، اس کا موضوع تو معادی حالت درست کرنا ہے، کسی چیز سے اس کے موضوع کے خلاف کی توقع ہی لغو ہے، یہ سوچنے کی چیز ہے کہ موت ہے جو بہر حال آنی

ہے، کسی حالت میں ٹلنے والی نہیں اور معادی حالت اگر خراب ہوگئی تو اس کی ہلاکت اور بربادی دائمی ہے جس کا نہ کوئی حل ہے اور نہ منتہا، درحقیقت ہم لوگوں کو عموماً یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم ان پاگلوں کی نگاہ میں ذلیل ہونے کو اہم سمجھنے لگتے ہیں جن کی نگاہ میں ذلت و عزت کا مدار دنیوی ترقی اور فراغ ہے، حالاں کہ اللہ جل شانہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے تو ہم اس دنیا میں منہمک لوگوں کو اس سے زیادہ ذلیل سمجھنے لگیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں۔

لوگ سمجھیں ہمیں محروم وقار و تمکیں وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا"

مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

"تدریس میں پوری محنت اور عالی ہمت سے کام کیجئے، مدرس کا جو ابتدائی نقش اور اثر طلبہ اور منتظمین پر قائم ہوتا ہے وہ آخر تک قائم رہتا ہے، یہ سب مطالعہ اور محنت پر منحصر ہے، پیدائشی مدرس کوئی نہیں ہوتا، اس لیے محنت کیجئے اور وقار قائم کیجئے"۔

یہ صرف دو نمونے ذکر کر دیئے ہیں اس طرح کی بہت قیمتی نصائح سے استفادہ کر سکتے ہیں، حضرت مولانا مدظلہ کا تقریباً ۴ سال دارالعلوم فلاح دارین میں قیام رہا، اور علم حدیث کی سب سے اہم کتاب بخاری شریف کا درس آپ ہی نے شروع فرمایا تھا، ترکیسر کے قیام میں کئی مفید کتابیں بھی مولانا کے قلم سے تیار ہو کر طبع ہوئیں جس کی تفصیل کتاب میں موجود ہے۔

بہر حال اس کتاب کے ذریعہ حضرت مولانا مدظلہ کی اہم خدمات کا بہت اچھا تعارف ہو گیا ہے، خدا کرے کہ جلد ثانی بھی جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے پاس پہنچ جائے، اس دور میں جب کہ اہل علم میں علمائے سلف جیسی محنت ومشقت کا جذبہ مفقود ہو رہا ہے، حضرت مولانا مدظلہ کے علمی کاموں میں انہماک اور ہر طرح کی مشقت برداشت

کرنے کی داستان پڑھ کر بہت سے کسل مندوں کو بھی کام کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ کی وسیع ظرفی ہے کہ انہوں نے اپنے خردوں، دوستوں کا بہت بہتر انداز میں ذکر فرمایا ہے، اس کتاب کے ذریعہ مولانا مدظلہ کی تالیفات اور مقالات کی بھی تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں جو شائقین علم طلبۂ کرام کے لیے بہت مفید ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس کتاب کو سب کے لیے نافع بنائے اور دوسروں کو بھی دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے، اگر چند نفوس بھی ایسی علمی خدمات کے لیے تیار ہو گئے تو مولانا مدظلہ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

ہم دست بہ دعا ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا مدظلہ کی عمر میں عافیت وسلامتی کے ساتھ برکت عطا فرمائے اور ان کی عظیم خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین، **وقل اعملوا فسيرى الله عملكم.**

اللهم وفقنا لما تحب وترضىٰ واجعل آخرتنا خيراً من الأولىٰ، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

پہلا باب

جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کا قیام

جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ کے قیام کا پس منظر، اغراض ومقاصد، مرحلہ واران کی ترقی کی تفصیلات، جامعہ کے اجلاس اور مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کے زیراہتمام منعقد ہونے والے علمی مذاکروں اور سمیناروں کی روداد

پہلا باب:
جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کا قیام

جامعہ اسلامیہ ومرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ کے قیام کا پس منظر، اغراض ومقاصد، مرحلہ واران کی ترقی کی تفصیلات، جامعہ کے اجلاس اور مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے علمی مذاکروں اور سمیناروں کی روداد

جامعہ اسلامیہ مظفر پور کا قیام:

اس ناچیز کا مختلف مدارس ومراکز سے تعلق رہا ہے جس کا ذکر اس کتاب کی پہلی جلد میں آچکا ہے، ۱۹۸۸ء میں اس ناچیز نے جب علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی کتاب ''التعلیق الممجد'' پر کام شروع کیا تو کام کے دوران اور اختتام کے بعد شدت سے ضرورت محسوس کی کہ کوئی فاضل نوجوان ایسا مل جاتا جس سے کتاب کے مقابلے میں سہولت حاصل ہوتی مگر کسی ادارے سے اس سلسلہ میں کوئی تعاون نہ مل سکا، اس سے دل پر ایک چوٹ لگی کہ کاش ہماری نگرانی میں کوئی علمی ادارہ ہوتا تو یہ دشواری نہ پیش آتی، اسی زمانہ میں ابوظبی ہمارے نام حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کا گرامی نامی پہونچا جس میں تین اہم باتیں تحریر فرمائی تھیں، یہاں اس کا ذکر کرنا

ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا قاری صاحب کے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ نور اللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اس ناچیز کے اساتذہ میں رہے ہیں، ان کی خاص شفقتیں اس ناچیز پر بھی تھیں، اس لئے بھی اور اس کے علاوہ اس ناچیز کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ سے تلمذ اور حضرت شیخ کا اعتماد جس کی بنا پر ''بذل المجہود'' و ''اوجز المسالک'' کی خدمت کا مکلّف بنایا تھا، اس کی وجہ سے حضرت قاری صاحب باندویؒ اس ناچیز سے بے حد محبت فرماتے، انہوں نے ایک مختصر خط اس ناچیز کے نام تحریر فرمایا۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی کا مکتوب گرامی:

مکرم بندہ زید کرمکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے خیریت ہو، مفتی عبید اللہ جب واپس آئے اس وقت بمبئی سے رقم لائے ہیں، اس وجہ سے رسید بھیجنے میں تاخیر ہوئی، مقدمہ کا کیا حال ہے اللہ پاک غیب سے مدد فرمائیں، اللہ پاک تمام پریشانیاں دور فرمائیں، بمبئی میں جو پلاٹ لیا گیا ہے اس کی مکمل رجسٹری ہوگئی، بات آپ جلد ہی کر لیں، قیمت روز بروز بڑھتی جارہی ہے، کہیں مالک مکان کی نیت نہ خراب ہو جائے، آپ اپنی نگرانی میں کوئی ادارہ قائم کرلیں جس میں تعلیم بھی اور تربیت بھی ہو، مدرسین کی تربیت بہت ضروری ہے، تصنیف وتالیف کا شعبہ بھی آپ کی نگرانی میں ہو تو ان شاء اللہ زیادہ نفع ہوگا، وہاں کی ملازمت کا کوئی اعتبار

نہیں، آپ یہاں ذریعہ معاش کے لیے کوئی ایسی صورت بمبئ میں نکال لیں جس میں زیادہ مشغولی نہ ہو، دین کے کاموں میں ہر طرح اطمینان ہو، تاکہ سکون کے ساتھ کام کرسکیں، اس ادارے میں کوئی دوسرا دخیل نہ ہو، اس میں کام نہیں ہوتا، میرے لیے، اولاد کے لیے، مدرسہ کے لیے دعا کرتے رہیں۔

احقر صدیق احمد

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ

حضرت قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا گرامی نامہ اس کے بعد آیا جس میں تین باتیں تحریر فرمائی تھیں، (۱) آپ کی ضرورت ہندوستان میں ہے (۲) یہاں آنے سے پہلے معاش کے لیے کوئی صورت ممبئ وغیرہ میں نکال لیں۔ (۳) اپنی نگرانی میں ایک بڑا ادارہ قائم کریں۔

اس کا جواب اس ناچیز نے یہ تحریر کیا کہ حضرت یہاں قیام میں بہت سے دینی کام حتی کہ حدیث شریف کے اہم کام رک جائیں گے، اس لئے دعا فرمائیں کہ یہاں خیر وعافیت سے قیام رہے، اس خط کے آنے کے بعد غیبی طور سے مسجد ومدرسہ کا انتظام ہوگیا۔

حضرت قاری صاحبؒ کے اس خط کے علاوہ ہمارے شیخ استاد حضرت مولانا محمد زکریا کاندہلویؒ نے عرصہ ہوا اپنے ایک گرامی نامہ میں جو اس ناچیز کے خط کے جواب میں ہے تحریر فرمایا تھا کہ ''دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کے یہاں کے مکتب کو ایک بڑے مدرسے کی شکل میں تبدیل کردے'' یہ خط کا جواب اس پس منظر میں تھا کہ ہمارا گاؤں، مظفر پور اعظم گڑھ ایک چھوٹی مسلم آبادی پر مشتمل ہے، لوگوں کی

مالی حالت ایسی خستہ تھی کہ ایک مدرس کی تنخواہ دے کر مکتب چلانا مشکل ہورہا تھا، دومرتبہ ایسا ہوا کہ یہ ناچیز ندوۃ العلماء سے ابتدائی مدرسی میں چھٹی کے وقت گھر پہونچا معلوم ہوا کہ کوئی نماز جنازہ پڑھانے والانہیں ہے، قریبی گاؤں میں آدمی میاں صاحب کو بلانے گیا ہے کہ نماز جنازہ پڑھا دیں، بہرحال حضرت شیخ الحدیثؒ کی دعا حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ کی دعا واصراراور اپنے علمی حالات نے دل میں داعیہ پیدا کیا کہ یہاں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جائے اوراپنے اس خیال کا کئی دوستوں سے ذکرکیا، انہوں نے بھی اصرار وتاکید کی اوراللہ کے فضل سے مولانا باندویؒ کے خط کے بعد میرے ایک دوست نے مجھ سے مسجد ومدرسہ قائم کرنے کے لئے ایک رقم فراہم کردی، لیکن اس کی جگہ کے انتخاب میں بڑی دشواری پیش آئی، مگر بعض دوستوں وبزرگوں بالخصوص حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کا مشورہ یہ تھا کہ ادارہ بڑی وسیع زمین پرقائم کرنا چاہئے، ہمارے ضلع اعظم گڑھ جوکبھی جونپور کا حصہ تھا زمانہ ماضی سے علماء وفضلاء کا مرکز رہاہے، کبھی شاہ جہاں نے ''شیراز ما'' کا لقب دیا تھا، علماء وبزرگان دین کی برکت سے یہاں بڑے بڑے مدارس قائم ہیں، ان میں سے اکثر کا اس ناچیز سے تعلق قائم ہے، وسط شہر میں دارالمصنفین جیسا ادارہ قائم ہے، جس کا یہ ناچیز ۴۰؍سال سے ممبر ہے، اس ناچیز کا تعلیم وتدریس کا ایک بڑا زمانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گزرا ہے، اس لئے اسی کے طرز ومنہج پر مدرسے کو قائم کرنے کا خیال ہوا، اس کا تذکرہ جب حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے کیا تو حضرت مولانا نے نہایت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں، لیکن اس سلسلے میں زیادہ مشورہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء سے کرتا رہا۔

جامعہ کا سنگ بنیاد:

جامعہ کے قیام کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ نے باصرار یہ فرمایا کہ وہ جگہ آبادی سے دور ہونی چاہئے اور کشادہ جگہ کی ضرورت ہے، بہت غور وفکر کے بعد اس ناچیز نے اپنی زمین جو نہایت وسیع کشادہ ہے، جو مجھے وراثت میں ملی ہے، اس کو جامعہ پر وقف کی نیت کرلی اور اس پر جامعہ کی تعمیر کا ارادہ ہوا، یہ جگہ عام سڑک سے 5.50 میٹر دور ہے، درمیان میں نہر تھی، اس کو پار کرنا پڑتا تھا، سب سے پہلے چہار دیواری کی تعمیر کا خیال ہوا، اس کے لئے اپنے چچا محترم جناب حاجی عبدالرشید صاحب نور اللہ مرقدہ جو صالحین میں تھے، ان کے دست مبارک سے یوم چہارشنبہ ۷ار جولائی ۱۹۸۹ء کو ۱۱ربجے بنیاد رکھوائی، اپنے متعلقین کے علاوہ مرحوم قاری اختر عالم صاحب بھی موجود تھے، اس کی قبولیت کے لئے نہایت ہی آہ وزاری سے دعا کرائی گئی۔

دوسرے دن ہمارے قریبی گاؤں منگراواں جہاں پر مدرسہ قاسم العلوم، نسواں کالج، انٹر کالج اور اب تو ڈگری کالج بھی ہوگیا ہے، مولوی مسعود خان کی کوششوں سے ترقی کی راہ پر گامزن تھا، انہوں نے اس ناچیز کو وہاں کی محی الدین ایجوکیشنل سوسائٹی کا صدر بنا رکھا ہے، اور ان کے کاموں میں اس ناچیز کا تعاون رہا ہے، سب سے پہلی مسجد بھی اس ناچیز کے ذریعہ وہیں تعمیر ہوئی تھی، اس زمانے میں بہت خوبصورت تصور کی گئی تھی، اس لئے منگراواں سے کوئی ۴۰، ۵۰ر آدمیوں کا ایک وفد آیا اور ان کا کہنا تھا کہ آپ ان سب اداروں کے سرپرست ہیں، یہاں یہ نیا ادارہ کیوں تعمیر کر رہے ہیں، اس ناچیز نے شرح کی اور بتلایا کہ اس ادارہ سے ان سب

اداروں میں قوت پیدا ہوگی، اس پر سب لوگ مطمئن ہوکر واپس لوٹ گئے، بہر حال پہلے دیوار ایک جانب تعمیر ہوئی اس کے بعد جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس کے لئے اس ناچیز نے اپنے شیخ ثانی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھیؒ کو دعوت دی تھی، مگر حضرت والا اپنی علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے، البتہ حضرت کی طرف سے جناب مولانا عمار احمد صاحب اور کامل چائلی صاحب وغیرہ، اس ناچیز کے پاس معذرت لے کر آئے، اس موقع پر کامل چائلی صاحب نے ایک نظم لکھی تھی۔

بہر حال عمارت کی بنیاد اس ناچیز نے رکھی، اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہ تشریف لائے، انہوں نے اس کی تجدید کی اور طویل دعا فرمائی۔

اس ناچیز کو تعمیر وغیرہ کا تجربہ نہیں تھا، ہمارے علاقہ کے حاجی فاروق صاحب جو موضع پھریہا کے رہنے والے ہیں، ایک تجربہ کار آدمی ہیں، ان کو تعمیر کا نگراں بنایا، انہوں نے پہلی عمارت جس میں دو درسگاہیں ہیں اس کا کام شروع کرایا، بہت حکمت اور دانائی کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جب چند کمرے تیار ہوگئے تو خیال ہوا کہ قرآن پاک کے حفظ کا آغاز کردیا جائے، چنانچہ پہلے مدرس حافظ اعجاز احمد جو آج بھی موجود ہیں اور ان کے ساتھ دوسرے مدرس کی تقرری عمل میں آئی، ۱۹۹۰ء سے تعلیم کا اور مطبخ کا آغاز ہوگیا، قریباً ۲۵، ۳۰ ؍لڑکے جمع ہوئے، اس سال عزیزی ولی الدین سلمہ نے ۲؍مئی ۱۹۹۰ء کو ایک جلسہ عام کیا، جس میں مولانا قاری اختر عالم مرحوم اور مقررین نے تقریریں کیں، قرب وجوار کے اچھے خاصے لوگ آگئے، اس کے لئے اخبارات وغیرہ کے ذریعہ

اعلان کیا گیا کہ آئندہ سال درجہ چہارم عربی تک یہاں تعلیم کا انتظام کیا جارہا ہے، چنانچہ شوال ۱۴۱۱ھ میں ۱۲۵ر طلبہ درجہ حفظ ودرجات عربی چہارم تک آگئے، یہاں تک کہ ہمارے پاس مدرس کا انتظام کرنا مشکل ہورہا تھا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے مولانا اعجاز احمد ندوی اور مولانا اخلاق احمد ندوی جو رائے بریلی میں تھے دونوں کو بھیجا، عزیزی حبیب الرحمٰن قاسمی جو قاری اختر عالم مرحوم کے داماد و بھانجے ہیں اور مولانا نسیم الدین ندوی وغیرہ بھی آگئے، اس طرح تعلیم کا نظم الحمدللہ ہوگیا، اس کے ساتھ ساتھ تعمیری سلسلہ جاری رہا، مسجد کی بنیاد رکھی گئی، الحمدللہ مسجد تہہ خانہ کے ساتھ تیار ہوگئی، ہم نے مسجد کا تہہ خانہ کشادہ رکھا کہ جلسہ وغیرہ بھی ہوسکے، بعد میں مسجد کی اوپر کی منزل بھی تیار کردی گئی، اس طرح الحمدللہ سنگ مرمر سے مسجد کے فرش و دیوار کو تیار کیا گیا، اور نہایت ہی خوبصورت بن گئی۔

جامعہ اسلامیہ ترقی کے مراحل میں:

پہلے سال یعنی (۱۴۱۱ھ) میں طلبہ کی تعداد ۳۵ر تھی اور صرف درجۂ حفظ کی تعلیم ہورہی تھی، ۱۴۱۲ھ میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۲۵ر ہوئی اور عربی چہارم تک تعلیم ہونے لگی، اس سال عربی چہارم میں کل چھ لڑکے تھے، چھ میں سے پانچ نے سالانہ امتحان ندوۃ العلماء میں دیا اور اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل کی، دوسرے سال طلبہ کی تعداد ۱۳۴ر ہوگئی، ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا ''یہاں اس مدرسہ میں حاضر ہوا، جس کی ابتدا اسی سال ہوئی ہے، مجھے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ آغاز ہی

میں اس مدرسہ نے جو شکل اختیار کر لی ہے، اس سے اس کی ترقی کے آثار نمایاں ہیں، اس سے زبردست توقعات قائم ہوتی ہیں، مجھے امید ہے کہ یہ مدرسہ دینی تعلیم کا ایک بڑا مرکز بنے گا'' پہلے ہی سال ''النادی العربی'' و''الاصلاح'' کے دونوں شعبے قائم کر دیئے گئے تھے اور کتب خانہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔

مدرسین میں اس سال مولانا اعجاز احمد صاحب ندوی، مولانا نسیم الدین صاحب ندوی، مولانا اخلاق احمد صاحب ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی، حافظ جمیل احمد صاحب مظاہری، مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی (مہتمم جامعہ)، مولانا مسعود احمد صاحب ندوی، ماسٹر غلام صابر صاحب کی تقرری عمل میں آئی، پھر ۱۴۱۳ھ میں طلبہ کی تعداد ۲۷۲ر ہوئی اور اس سال منشی ضمیر الحسن صاحب کی تقرری بحیثیت منشی و منصرم عمل میں آئی، ۱۴۱۴ھ میں یہاں درجہ عربی پنجم قائم ہوا اور اس سال طلبہ کی تعداد ۳۰۲ر رہی، مولانا خطیب الرحمٰن ندوی کی تقرری عمل میں آئی، پھر ۱۴۱۵ھ میں درجہ عربی ششم قائم ہوا اور مشکاۃ شریف اول کا آغاز ہوا، اس سال طلبہ کی مجموعی تعداد ۴۴۸ر رہی اور پانچ سال تک طلبہ عربی ششم کا سالانہ امتحان دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دیتے رہے اور وہاں داخل ہوتے رہے، ان پانچ سالوں میں مختلف مدرسین کی تقرری عمل میں آئی جن میں مولانا شبیہ الحسن صاحب ندوی، مولانا انوار احمد صاحب قاسمی، مولانا محمد ساجد صاحب ندوی، مولانا محمد خالد صاحب قاسمی، مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی اور منشی شکیل احمد صاحب کی تقرری بحیثیت منشی مطبخ عمل میں آئی اور ۱۴۲۰ھ میں طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۱۰ر رہی، اس سال درجہ عربی ہفتم قائم ہوا۔

پھر ۱۴۲۱ھ میں یہاں درجہ عربی ہشتم (عالمیت) قائم ہوا، اس سال طلبہ کی

مجموعی تعداد ۶۵۰ تھی اور جناب مولانا لیاقت حسین قاسمی، مولانا سید جاوید احمد ندوی کا تقرر عمل میں آیا، اسی سال مولوی صلاح الدین ندوی پرتا پگڑھی کی تقرری شعبۂ نشر و اشاعت میں ہوئی، ۱۴۲۲ھ سے لے کر ۱۴۳۳ھ تک متعدد مدرسین کی تقرری عمل میں آئی جن میں مولانا فیروز اختر صاحب ندوی، مولانا ظفر احمد صاحب قاسمی، مولانا شمس الرحمٰن صاحب قاسمی، مولانا حسان اختر صاحب ندوی، مولانا ابوثاقب ندوی، مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی، ماسٹر امتیاز احمد صاحب، مولانا رفیق المنان صاحب قاسمی، مولانا جمیل احمد ندوی وغیرہم ہیں، درجۂ عربی ہشتم کے طلبہ سالانہ امتحان دار العلوم ندوۃ العلماء میں جا کر دیتے ہیں اور الحمد للہ اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے ہیں، ۱۴۳۲ھ میں ایک طالب علم نے پورے ندوۃ العلماء میں دوسری پوزیشن حاصل کی ہے، ۱۴۳۳ھ میں ۲۵/طلبہ نے درجہ عالمیت کا امتحان دیا ۲۴/لڑکوں نے امتیازی نمبرات حاصل کیے، ندوۃ العلماء کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی (جے۔این۔یو) نے اس کی سند کو انٹر کے مساوی تسلیم کیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ کے اول ناظم جناب حضرت مولانا قاری اختر عالم صاحب مظاہری (وفات ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء) کے بعد عزیزی ڈاکٹر ولی الدین ندوی کو ناظم بنایا گیا ہے، اللہ تعالی نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، ان کے دور میں جامعہ تعلیم و تربیت اور تعمیر و ترقی کے میدان میں خوب سے خوب تر کی راہ پر گامزن ہے۔

مجلّہ الشارق کا اجراء:

جامعہ اسلامیہ کا ترجمان ''الشارق'' سہ ماہی اردو مجلّہ ۱۹۹۷ء سے شائع ہو رہا ہے، (جنوری ۲۰۰۷ء سے دو ماہی ہو گیا ہے) جو عوام وخواص میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے اور اپنے تحقیقی وحدیثی، دینی اور دعوتی مضامین کے لحاظ سے اس کا ایک بلند معیار ہے جس کی داد ملک کے ممتاز اہل نظر علماء وفضلاء نے دی ہے۔

جامعہ کا پہلا اجلاس:

جامعہ کا پہلا اجلاس ۱۶/ اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز سنیچر منعقد ہوا، اس جلسہ میں شرکت کے لیے حضرت مولانا علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا عبدالحلیم جونپوریؒ، حضرت مولانا قاری محمد صدیق باندویؒ اور دیگر حضرات شریک ہوئے، یہ سب حضرات جامعہ اسلامیہ کی ترقی دیکھ کر خوش ہوئے اور مزید ترقی کے لیے دعائیں کیں، حاضرین کا اندازہ آٹھ ہزار لگایا گیا تھا، یہ بھی بہت خوش آئند بات تھی۔

جامعہ کا دوسرا اہم اجلاس:

۹/ نومبر بروز جمعرات ۱۹۹۵ء میں اس اجلاس میں ملک کے مشہور ومعروف علماء وصلحاء ومفکرین شریک ہوئے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، ان کے ہمراہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ودیگر حضرات تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری، حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی اور حضرت مولانا محمد سالم القاسمی کے علاوہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی، حضرت مولانا عمار احمد صاحب وجناب کامل چائلی صاحب وغیرہ تشریف لائے، یہ معلوم ہوا تھا کہ

حضرت مولانا ابرارالحق نوراللہ مرقدہ مدرسہ بیت العلوم سرائے میر تشریف لائے ہیں، قاری اختر عالم مظاہریؒ اور دیگر حضرات کو بیت العلوم بھیج کر یہاں کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی، چنانچہ حضرت والا عصر کی نماز میں تشریف لائے، نماز کے بعد مسجد ہی میں مختصر وعظ فرمایا اور فوراً بیت العلوم واپسی ہوئی، چائے نوش فرمانے پر بھی تیار نہیں ہوئے، ناچیز نے قاری اختر عالم صاحب مرحوم کو ایک لفافہ کے ساتھ حضرت والا کے ہمراہ بیت العلوم بھیجا، وہاں پہونچ کر وہ لفافہ پیش کیا گیا جس کو قبول فرمالیا اور بہت دعائیں دیں۔

قرب وجوار کے علماء وطلباء کی خاصی تعداد اس جلسہ میں شریک ہوئی، مجمع کا اندازہ تقریباً دس ہزار لگایا گیا تھا، مقامی اخبارات نے اس جلسہ کو بڑی اہمیت دی، اس چھوٹی سی جگہ پر ایک غیر معمولی بھیڑ ہوگئی، اس سے جامعہ کے تعارف میں کافی مدد ملی اور سبھی حضرات نے جامعہ کی ترقی دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا، مزید ترقی کی دعا فرمائی، اس سال شوال میں طلباء کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔

تیسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا اجلاس:

تیسرا اجلاس ۱۳/مارچ ۱۹۹۶ء کو، چوتھا اجلاس ۲۵/مارچ ۲۰۰۴ء کو، پانچواں اجلاس ۲۲/ مارچ ۲۰۰۷ء کو اور چھٹا اجلاس ۲۹/ مارچ ۲۰۱۲ء کو ہوا، چوتھے اور پانچویں اجلاس میں حاضرین کی تعداد کا ایک لاکھ سے بھی زیادہ کا اندازہ لگایا گیا، غیر معمولی منظر تھا، اور چھٹے اجلاس میں ۲۵/ سے ۳۰/ ہزار کا مجمع تھا۔

مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الإسلامیة کا قیام:

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی جو شفقت اس ناچیز پر رہی ہے اس کا تقاضا تھا کہ ان کی یادگار جامعہ اسلامیہ میں قائم کی جائے، حضرت مولاناؒ اس جامعہ میں تقریباً دس مرتبہ تشریف لا چکے ہیں اور کبھی کبھی چند روز قیام فرمایا ہے، اسی طرح ان کے قائم مقام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ مع محترم مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اور رفقاء کے بار بار تشریف لاتے رہے ہیں، اس بنا پر یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان کے نام نامی سے اس مرکز کو منسوب کیا جائے جو جامعہ اسلامیہ کے تحت ۱۴۲۵ھ میں قائم کیا گیا جس کے مقاصد حسب ذیل تجویز کیے گیے ہیں۔

(۱) ایک عظیم الشان علمی، تاریخی، ادبی اور ثقافتی مکتبہ کا قیام۔

(۲) علماء ہند کی علوم حدیث پر وہ کتابیں جو اب تک عالم عرب میں نئے اسلوب و فہارس کے ساتھ نہیں آسکی ہیں ان کو تیار کرنا اور اس قابل بنانا کہ عرب ممالک میں جدید علمی و تحقیقی معیار پر شائع کرائی جا سکیں۔

(۳) اس عظیم کام کے لئے ان علماء و مراکز سے تعاون حاصل کرنا جن سے بسہولت مدد مل سکے۔

(۴) بہت سی اہم کتابیں جو علوم حدیث یا دیگر علوم اسلامیہ پر لکھی گئی ہیں ان کا اردو میں ترجمہ کرانا یا جو کتابیں ہندوستانی علماء نے تصنیف کی ہیں ان کو عربی میں منتقل کرانا۔

(۵) علماء و باحثین سے روابط پیدا کرنا اور ان سے استفادہ کی راہ ہموار کرنا۔

مرکزی کتب خانہ:

ماشاءاللہ مرکز کی پُرشکوہ بلندوبالاجلیل وجمیل تین منزلہ شاندار بیضوی عمارت ہے جس میں ایک شاندار کتب خانہ ہے جس میں تقریباً اسی (۸۰) ہزار کتابیں باحثین ومحققین اوراستفادہ کرنے والوں کے لیے دستیاب ہیں، مرکز کے آئندہ پروگرام اور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے بجاطور پرامید کی جارہی ہے کہ مستقبل میں یہ مرکز نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے اہم اورممتاز مراکز میں شمار کیا جائے گا، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

شعبۂ مخطوطات:

اس شعبہ کا مقصد نادرمخطوطات کوجمع کرنا اورمفیدمخطوطات کی اعلی معیاری تحقیق کر کےان کواشاعت کے قابل بنانا تاکہ علماء اسلام کی تحریروں سےموجودہ دنیا فائدہ اٹھاسکے، الحمدللہ تقریباًایک ہزارقلمی کتابیں اور چار ہزار سے زیادہ قلمی کتابوں کی سی ڈی اس میں دستیاب ہے۔

گوشۂ مفکراسلام:

اس گوشہ میں مفکراسلام حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ سے متعلق تمام دستاویزی معلومات اکٹھاکرنا اور حضرت کی تصنیفات، تحریکات اور خیالات سے آئندہ نسلوں کوروشناس کرانامقصود ہے، حضرت کے متعلق یہ ایک جامع میوزیم ہے، جہاں سے حضرت مولاناسے متعلق ہرطرح کی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

شعبۂ بحث وتحقیق:

اس شعبہ کا مقصد ملک کی مشہوراعلیٰ دانشگاہوں کے فضلاء کے ذریعہ علوم

اسلامیہ خصوصاً فن حدیث سے متعلق اعلی معیاری بحث وتحقیق کا نمونہ قائم کرکے اور عملی طور پر ہندوستانی فضلاء کے علوم کی تحقیق کرکے ان کو اس قابل بنانا کہ جدید علمی و تحقیقی معیار پر ان کو شائع کرایا جاسکے۔

جامعہ اسلامیہ میں مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی کے زیر اہتمام دو بڑے سمینار:

جامعہ اسلامیہ میں مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی کے زیر اہتمام دو بڑے سمینار منعقد ہوئے، پہلا سمینار ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی'' کے عنوان سے ۲۴،۲۵ / مارچ ۲۰۰۴ء مطابق ۲،۳ / صفر ۱۴۲۵ھ کو منعقد ہوا، آخری دن رات میں اجلاس عام ہوا، اس کی پوری تفصیل جناب مولانا عمیر الصدیق ندوی کے قلم سے حسب ذیل ہے۔

پہلا سیمینار بعنوان: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ:

حضرت شیخ الحدیثؒ سمینار اور ''مرکز الشیخ أبی الحسن الندویؒ للبحوث والدراسات الإسلامیة'' کے افتتاح کی تاریخوں کے تعین کے بعد سے ہی ملک اور بیرون ملک میں ان جلیل القدر ہستیوں کے عقیدت مندوں اور شیدائیوں کو ۲۴،۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء مطابق ۲،۳ / صفر ۱۴۲۵ھ کا شدت اور بے صبری سے انتظار تھا، جامعہ اسلامیہ اور بانئ جامعہ کے لئے تو گویا ہر آنے والا دن بلکہ ہر آئندہ ساعت، فکر اور شوق کے جذبات میں اضافہ کرتی جاتی تھی، حضرت شیخ الحدیثؒ اور مفکر

اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے انتساب اور مناسبت، مہمانوں اور میز بانوں دونوں کے ذوق وشوق کو ظاہر ہے تیز تر کرنے والی تھی، مہمانوں کے استقبال، ان کے آرام وراحت، شرکاء کی سہولت اور خاطر خواہ انتظامات کی فکر وسعی، جامعہ کے ہر شخص بلکہ مظفر پور اور اعظم گڑھ کے ان تمام لوگوں کو قدرتی طور پر دامن گیر تھی جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں بانئ جامعہ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری و جامعہ اسلامیہ اور خود حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مفکر اسلامؒ سے تھا، چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی اور ان کے بعض سرگرم رفقاء اور خود بانئ جامعہ ابوظبی سے قریب ڈیڑھ مہینے قبل تشریف لائے اور واپس جاکر بھی برابر بلکہ روزانہ فون کے ذریعہ ہدایات دیتے رہے، اس عرصے میں جامعہ اسلامیہ نے معزز مہمانوں کی آمد اور قیام کے لئے ہر ممکن کوشش اور تیاری میں خود کو مصروف رکھا، عمارتیں نئے رنگ و روغن سے آراستہ ہوئیں، چمن زاروں کو قدرت نے نئے برگ وبار اور پھولوں اور کلیوں سے سجانے میں بھی کمی نہ کی، مرکز الشیخ أبی الحسن کی نئی عمارت گل رعنا کی شکل میں حسن، دلکشی اور جاذبیت کے ایسے معیاروں سے روشناس ہوئی اور صاحب نسبت کی خوبیوں سے اس طرح نکھری کہ نظریں یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ ؎

اللہ رے حسن یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

مسجد، کتب خانہ، میوزیم، کمپیوٹر روم اور تمام عمارتیں اور چمن کا ہر گوشہ اور ہر روش اس طرح آراستہ ہوئی کہ دامن قلب ونظر ہر گام پر ان کی کشش سے کھنچتا رہا اور احساس یہ

کہتا رہا کہ جا ایں جاست۔

۲۴، ۲۵؍مارچ کی منتظر تاریخوں کے آتے آتے اعظم گڑھ سے بنارس تک شاہ راہوں پر بلند و بالا استقبالی دروازے اپنے مہمانوں کی ترحیب کے لئے صف بہ صف استادہ ہوکر اپنے دامن کو چھوکر گزرنے والے ہر شخص کو یہ احساس اور پیغام دینے لگے کہ ۲۴، ۲۵؍مارچ کو مظفر پور کی یہ دور افتادہ، خاموش اور پُرسکون بستی، علم و عمل کی ہر دو برگزیدہ اور گذشتہ صدی میں ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی نمایاں ترین شخصیتوں کے مبارک ذکر اور معطر یادوں سے آباد، سرسبز اور شاد ہوگی، شیراز مشرق کی یہ سرزمین ایک بار پھر ایسے نفوس قدسیہ کے وجود اور ان کے مبارک سانسوں سے زندگی، حرکت اور سرشاری کی نعمتوں سے مالا مال ہوگی جو بے شبہ اس وقت عالم اسلام کی مذہبی و روحانی اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے مرکز، آبرو اور سرمایہ کی حیثیت کے حامل ہیں، ایک وقت میں ایک جگہ اتنی تعداد میں اہل علم و فضل کا یہ اجتماع اس خطے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں کا ایسا مظہر ہوگا جو جامعہ، بانیٔ جامعہ اور اس خطہ کے تمام باشندوں کے لئے صرف یادگار ہی نہیں بلکہ حمد و شکر کا سزاوار بھی ہوگا۔

۲۴، ۲۵؍مارچ سے قریب ایک عشرہ قبل حضرت بانیٔ جامعہ ابوظبی سے تشریف لائے اور مذاکرہ علمیہ کے انعقاد کی نوک پلک درست کرنے کا عمل بھی تیز تر ہوگیا، اعظم گڑھ اور اطراف و جوانب کے معززوں، ضلع انتظامیہ کے ذمہ داروں، صحافت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندوں، سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، تعاون کے لئے یہ سب حاضر اور مستعد تھے، صاف ظاہر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو مقبول بندوں سے انتساب اور بانیٔ جامعہ کے اخلاص کو قبولیت کا

شرف بخش کر اپنی عنایتوں کا باب کرم وا کر دیا تھا۔

۲۳؍مارچ کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کے درمیان جامعہ اسلامیہ کے نہایت خوبصورت اور پُر وقار احاطہ میں چہل پہل شروع ہوگئی اور شام ہوتے ہوتے مولانا عبداللہ کاپودروی اور مولانا شبیر صاحب سالوجی کی آمد سے محسوس ہوا کہ جامعہ کے افق پر علم وتقوی کے ستارے طلوع ہونے لگے اور جب ۲۴؍تاریخ کا خورشید جہاں تاب روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ علم وفضل کے سیاروں اور ستاروں سے جامعہ کی زمین رشک فلک بنی ہوئی ہے اور شیدائی اور عقیدت مند جگہ جگہ ہالے بنائے ہوئے اپنے اپنے ستاروں کے محور پر گردش کر رہے ہیں۔

مذاکرہ علمی کا خوبصورت پنڈال اور شاندار اسٹیج یادگار تقریبات کے لئے تیار ہو چکا تھا اور علماء وفضلاء کی دید وشنید کے لئے لوگ پروانوں کی طرح وقت سے پہلے ہی وہاں جمع ہو چکے تھے، قریب دس بجے مرکز الشیخ کی افتتاحی مجلس کی مسند صدارت پر جناب مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد دارالعلوم ندوۃ العلماء رونق افروز ہوئے، موصوف صرف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہی معتمد نہیں بلکہ ان کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بھی اعتماد کامل حاصل رہا، حضرت مولانا ندویؒ اور ندوۃ العلماء کی دعوت وفکر کے بزرگ ترین سفیر کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے، ان کے ساتھ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اور بانئ جامعہ مولانا تقی الدین صاحب ندوی اور جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے بھی شہ نشین کرسیوں کو رونق بخشی، اس افتتاحی جلسہ کی نظامت نوجوان صالح مولانا فیروز اختر ندوی مدیر مرکز الشیخ الندوی کے سپرد کی گئی جنہوں نے تلاوت قرآن

مجید کے لئے جامعہ کے استاد قاری مسعود احمد کو دعوت دی اور اس طرح کلام ربانی سے اس مجلس عرفانی کا بابرکت آغاز ہوا اس کے بعد جناب منشی شکیل احمد صاحب نے مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کی کی دردوسوز میں ڈوبی ہوئی ایک نظم پیش کی، پھر تین طالب علموں سرفراز احمد (متعلم ثانویہ خامسہ) محمد شعیب (متعلم ثانویہ ثانیہ) اور جمشید احمد (متعلم ثانویہ اولیٰ) کے مجموعہ نے جامعہ کا ترانہ اس طرح پیش کیا کہ ایک سماں بندھ گیا، خطبہ استقبالیہ بانیٔ جامعہ نے پیش کیا، لیکن لکھے ہوئے خطبے سے زیادہ مولانا نے زبانی اپنے جذبات کا اظہار کیا، حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی محبتوں اور عنایتوں کے بیان میں ان کی آنکھیں نم ہوگئیں، پلکوں پر یہ ستارے قریب پچاس سال کی یادوں کو منور کر گئے، انہوں نے اس سمینار کے انعقاد کی غرض و غایت بیان کرنے کے ساتھ اعظم گڑھ اور بیرون اعظم گڑھ کے ہر مخلص معاون کے لئے جذبات تشکر کا اظہار کیا، وقت کی تنگی نے اختصار کے لئے مجبور ضرور کیا لیکن ؎

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

نے اس اختصار کو بھی اثر اور جامعیت کے لحاظ سے بڑی کیفیت بخش دی، خطبۂ استقبالیہ کے بعد ناظم جامعہ اور ''الولد سر لابیہ'' کے حقیقی مصداق ڈاکٹر ولی الدین ندوی استاذ حدیث جامعہ دبئی نے جامعہ کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع روداد پیش کی، وہ ایک روز قبل ہی ابوظبی سے آئے اور بجائے گھر جانے کے سیدھے جامعہ پہونچے اور پھر ہمہ تن عمل ہوگئے، ان کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے تقدیمی کلمات ادا کئے، مولانا مدظلہ کی تقریر بھی مختصر اور سادہ تھی لیکن حضرت کی سادہ شخصیت کی طرح ان کی تقریر کے متعلق یہی تأثر برحق ہے کہ ؎

بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق

مولانا عبداللہ عباس ندوی کے صدارتی کلمات کی اثر انگیزی بتا رہی تھی کہ ملت کے دو انتہائی قابل احترام بزرگوں کی روحانی توجہات کا آغاز ہو چکا ہے اور ان کے معتقدین کی زبانوں پر بے اختیار ایسے مضامین جاری ہو رہے ہیں جن کا سرچشمہ محض عالم غیب ہے، اسے القاء کہئے یا الہام، بات یہی تھی کہ ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

یہ ساری باتیں ان شاء اللہ حرفاً حرفاً شائع ہوں گی، اس روداد کا اختصار ان کی تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا، بانیٔ جامعہ کے اظہار تشکر کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے اپنے دست مبارک سے مرکز الشیخ کی عمارت کا صدر دروازہ کھول کر افتتاح فرمایا، اس طرح مرکز الشیخ کی اس افتتاحی تقریب کی تکمیل ہوئی، شرکاء جلسہ نے اس موقع پر مرکز کی شاندار عمارت اور اس کے وسیع وعریض کتب خانے کی زیارت کی، اور ایک مختصر چائے کے وقفہ کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی سمینار کی افتتاحی نشست کا باقاعدہ آغاز حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت اور جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نظامت میں ہوا، قاری محمد عامر صاحب کی تلاوت کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کتاب ''أوجز المسالک'' کا اجراء فرمایا، جو اٹھارہ جلدوں میں بانیٔ جامعہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے، اس کے بعد بزرگ شاعر اور جامعہ اور ''الشارق'' کے خاص قدرداں جناب فاخر جلال پوری کے کلام کے بعد بانیٔ جامعہ

مولانا ندوی مظاہری مدظلہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا، اوراس موقع پر بھی تحریر سے زیادہ ان کی گفتگو مؤثر رہی، جس میں حضرت شیخ کی عنایات وتوجہات کا ذکر محبت وعقیدت کے ایسے لہجہ میں تھا کہ سننے والوں کی تمنا تھی کہ کاش یہ لمحات درازتر ہوتے جائیں، مولانا مدظلہ نے اس موقع پر اپنے مرشد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، اور حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کا ذکر بھی کیا، بعض کبار علمائے ہند کے ساتھ شیخ محمد علوی مالکی، ڈاکٹر نورالدین عتر استاد حدیث دمشق یونیورسٹی، شیخ محمد عوامہ، مولانا یوسف متالا خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ لندن کے خطوط، مقالات اور پیغامات کا ذکر کرکے ان کا شکریہ ادا کیا، اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی اوران کے ممتاز متوسلین اور صاحبان اجازت وخلافت کا تعارف بھی پیش کیا، ان میں شیخ محمد اسماعیل بدات مدینہ منورہ، مولانا شبیر صاحب سالوجی جنوبی افریقہ اور مولانا عبداللہ کاپودروی کناڈا، شیخ مفتی محمد اسماعیل کچھولوی لندن جیسی شخصیتیں شامل تھیں، ان حضرات نے بھی اس موقع پر اپنے جذبات واحساسات کے اظہار سے گریز نہیں فرمایا، اخلاص وللّٰہیت اور علم حدیث سے نسبت عالیہ اور فنائیت فی الشیخ کے لحاظ سے یہ حضرات جس مقام بلند پر فائز ہیں، اس کا ایک ہلکا اندازہ ان کے کلمات مبارکہ سے کیا جاسکتا ہے، ان حضرات کی گفتگو اور صاحب معرفت وطریقت مولانا قمرالزماں الہ آبادی کی اس موقع پر مختصر تقریر بھی ان شاء اللہ پردۂ تحریر پر ظاہر ہوگی، صدر نشست اور بانئ جامعہ کے شکریے اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعا پر یہ نشست اختتام کو پہونچی۔

اسی ۲۴ تاریخ کو عصر کی نماز کے بعد طلبائے جامعہ کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں کی ایک مختصر اور دلچسپ جھلک پیش کی گئی، مسجد کے زیر سایہ وسیع سبزہ زار پر عامر وصاف نے اردو اور صفی اللہ نے عربی میں تقریریں کیں اور ایک دلچسپ عربی مکالمہ ''**السنة النبوية و حجيتها في الإسلام**'' کے موضوع پر ہوا، جس میں سید جمشید احمد (متعلم عالیہ ثالثہ شریعہ) نواب عالم (متعلم عالیہ ثانیہ شریعہ) احتشام الحق (متعلم عالیہ اولیٰ شریعہ) زاہد اختر (متعلم عالیہ اولیٰ شریعہ) اور بانیٔ جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کے ہونہار حفید فرید الدین (متعلم ثانویہ خامسہ) نے برجستہ بحث و مباحثہ میں عربی زبان میں خیالات کا اظہار بڑے سلیقہ سے کیا، مولانا سید محمد رابع ندوی اور مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اس موقع پر بچوں کو نصیحتوں سے سرفراز فرمایا۔

مغرب کی نماز کے بعد سمیناری مقالات کی نشست حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص وفعال عقیدت مند مولانا عبداللہ کاپودری کی صدارت میں ہوئی، مولانا کاپودروی کا ذکر آچکا ہے، ان کی شخصیت کی سادگی، دلنوازی بجائے خود بڑی دلکش ہے، اس سمینار کے اکثر حاضرین کو پہلی بار ان کی زیارت کی سعادت حاصل ہورہی تھی، سمینار کے برکات میں یہ زیارت کچھ کم نہیں، نظامت جامعہ ملیہ دہلی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی کے حصہ میں آئی، اس نشست میں کل سات مقالات پیش کئے گئے، ہر مقالہ پُر مغز اور پُر از معلومات، سامعین کی محویت اور استغراق کا یہ عالم کہ ایک لفظ کا چھوٹنا بھی جیسے گوارہ نہیں تھا، ان مقالات سے اب استفادہ ان کے چھپنے پر ہوگا[1]، تاہم یہ احساس عام تھا کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم گہربار نے حضرت

---

[1] الحمدللہ ''ذکر زکریا'' کے نام سے مقالات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

شیخ اور عامۃ المسلمین کے موضوع کو عجب تب وتاب بخش دیا، حضرت شیخ کی شخصیت اور کوثر وتسنیم سے دھلے الفاظ میں ان کا ذکر سننے والوں کو عرصے تک لطف ولذت سے سرشار کرتا رہے گا، مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس نے تو مقالہ ہی نہیں پیش کیا، بلکہ انہوں نے بنارس میں سمینار کے مہمانوں کے استقبال اور راحت کی ذمہ داری جس اپنائیت سے پوری کی اس کا اجر اللہ تعالی ہی دے گا، بنارس کی ساری ذمہ داریوں کو انہوں نے اپنے سر لے کر ذمہ داران جامعہ کو گویا فارغ البال کر دیا، اس نشست میں بلکہ ہر نشست میں اگر چہ شہ نشیں سے ایک شخصیت طبیعت کی سادگی اور نمود وظہور سے نفور کی وجہ سے دور رہی تاہم ایک گوشہ میں خاموش اور سر جھکا کر بیٹھنے کی ادا کی وجہ سے وہ ہزاروں نگاہوں کا مرکز رہی، یہ شخصیت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی خلف الرشید حضرت شیخ الحدیثؒ کی تھی، ان کے اس فقیرانہ جمال کا اثر ان کے خاص ہم نشینوں مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری کی شخصیتوں میں محسوس کیا جارہا تھا، مولانا کاندھلوی مدظلہ کی دعا اور مؤذن کی اذان عشاء پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

۲۵ مارچ، سمینار کا دوسرا اور آخری دن تھا، ۱۰ ربجے مذاکرہ کی دوسری نشست شروع ہوئی، مسندِ صدارت پر مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی اور کرسی نظامت پر مولوی سید جاوید احمد ندوی متمکن ہوئے، مولوی ابرار حسن کی تلاوت کلام پاک سے کاروائی کی ابتدا ہوئی اور مقالات سے پہلے جناب مولانا احمد دیولا ناظم مدرسہ جامعہ علوم القرآن نے جو جمبوسر گجرات سے آئے تھے، مختصر لفظوں میں حضرت شیخ، بانیٔ جامعہ اور جامعہ کے تعلق سے اظہار خیال کیا، نشست میں کل ۹ مقالات پڑھے گئے۔

یہ نشست بھی بڑی مفید اور بیش بہا معلومات سے پُر رہی، جناب مولانا برہان الدین سنبھلی، ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی ندوی، مولانا عبید اللہ اسعدی وغیرہ کسی بھی سمینار کے وقیع اور کامیاب ہونے کے ضامن ہیں، پنڈال حسب معمول سامعین سے معمور تھا، ہمہ تن گوش مجمع کی محویت کو چائے کے وقفہ نے توڑا اور معاً بعد آخری نشست کے آغاز کا اعلان کیا گیا جس کی مسند صدارت کو مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے زینت بخشی، شہ نشیں پر مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند اور بانئ جامعہ بھی جلوہ افروز تھے، نظامت کے فرائض کی ذمہ داری مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی نے سنبھالی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کے کلمات نصائح کے بعد مقالات پیش کئے گئے، یہ کل ۱۰ تھے **تلک عشرۃ کاملۃ**، ہر مقالہ خوب سے خوب تر تھا، جناب مولانا عبدالقدوس رومی مفتی شہر آگرہ کا مقالہ ان کی موجودگی میں ان کے صاحبزادے مولانا مجد القدوس رومی اور جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی کا مقالہ مولانا عبداللہ صاحب معروفی نے پیش کیا، جناب مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے تأثراتی مضمون نے تو الگ ہی سماں باندھا، جناب مولانا واضح رشید ندوی کا مقالہ عربی زبان میں تھا جس کو مولوی فیروز اختر ندوی نے پیش کیا، صدر نشست مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے پہلے تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے بارے میں اپنے تعلق اور واقعات کا اظہار کیا پھر اپنے مقالہ کے جستہ جستہ مقامات بھی سنائے، مولانا اعظمی ندوی کا تأثر دوسرے اصحاب کے بارے میں یہ تھا کہ حضرت شیخ کی برکت سے کہنے والوں کے الفاظ میں الہامی تاثیر پیدا ہوگئی تھی، خود ان کے تأثرات کے متعلق بھی اسی کیفیت کو محسوس کیا

گیا، آخر میں ناظم جامعہ اسلامیہ ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور ضیافت کی راہ میں آنے والی ہر تکلیف کے لئے معذرت کا اظہار کیا، انہوں نے سمینار میں پیش کئے گئے خیالات کی روشنی میں واضح کیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتابوں اوران کے غیر مطبوعہ کاموں کو اعلیٰ معیار کے ساتھ ''مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی'' کی جانب سے شائع کیا جائے گا، حضرت شیخ کی عدیم المثال مذہبی و علمی خدمات کے فروغ کے لئے انہوں نے اس توقع کا بھی اظہار کیا کہ اس قسم کی علمی مجالس کا سلسلہ جاری رہے گا، مندوبین کی جانب سے ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے، جامعہ، بانیٔ جامعہ اور تمام منتظمین کے شکریہ کا فریضہ انجام دیا اور بجا طور پر اظہار فرمایا کہ مہمانوں کو ادنی سی تکلیف کا احساس نہ ہونے دینے میں یہ سمینار عدیم المثال رہا۔

پروگرام کے مطابق مغرب کی نماز کے بعد اجلاس عام ہونا تھا، اس کے لئے جامعہ سے متصل، جامعہ کے ایک وسیع قطعہ آراضی پر ایک نہایت شاندار شامیانہ سایہ فگن تھا، جس میں تقریباً ساٹھ ہزار افراد کی نشست کی گنجائش تھی، یہ پنڈال بھی اس قدر آرام دہ اور خوبصورت تھا کہ کہنے والوں کے مطابق اعظم گڑھ میں اس سے پہلے کبھی اس شان کا پنڈال آراستہ نہیں کیا گیا تھا، مغرب کی نماز سے پہلے ہی لوگوں کی آمد کا تانتا بندھنے لگا، ''من کل فج عمیق'' کی عملی تفسیر سامنے تھی اور جب جلسہ شروع ہوا تو عالم یہ تھا کہ سامعین کی تعداد لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی، حد نظر تک بس ایک خلقت تھی جو ٹوٹی پڑ رہی تھی، سارے اندازوں کے برخلاف وہ بے مثال مجمع بس یہی ثابت کر رہا تھا کہ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی پاکیزہ نسبتوں

اور داعیان جلسہ کی پاک صاف نیت کی برکت اور عند اللہ مقبولیت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، اعظم گڑھ، مئو، مبارکپور کو تو قرب کی سہولت تھی لیکن گونڈہ، بستی، گورکھپور، پرتاپ گڑھ، الہ آباد، سلطان پور، جونپور، غازی پور اور بنارس سے آنے والے محبت و عقیدت کی ایک نئی داستاں رقم کر گئے، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے اس سمینار اور جلسہ کو عدیم المثال قرار دیا، اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی زبان سے بے اختیار یہ سچی بات نکلی کہ یہ جلسہ تاریخی بھی ہے اور تاریخ ساز بھی، الحمدللہ اس مرجعیت ومقبولیت کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا سجاد نعمانی اور مولانا سلمان حسینی کی زبانوں سے معرفت وحقیقت کے چشمے رواں ہو گئے، ایسی طاقتور، پُر اثر تقریریں کم کی جاتی اور کم سنی جاتی ہیں، مولانا محمد ولی رحمانی کی صدارت اور مولانا رئیس الشاکرین ندوی اور مولانا سید جاوید احمد ندوی استاد جامعہ اسلامیہ کی نظامت میں یہ جلسہ تاریخ ساز کامیابی کی ایک نئی تاریخ لکھ کر ختم ہوا، جس کی یاد ہی مدت تک باقی نہ رہے گی بلکہ یقین ہے کہ اس کے مبارک اثرات بھی دیر پا ثابت ہوں گے، علوم دینیہ سے اشتغال، معاشرے کی اصلاح اور خود اپنی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دینے اور خیر امت کا مثالی کردار نبھانے کی ترغیب اس جلسہ کی روح تھی، امید ہے یہ روح زندہ اور تابندہ ہو کر اس علاقہ میں خاص طور پر اور امت مسلمہ میں عام طور پر احیائے اسلام، تعمیر انسانیت کے لئے سرگرم عمل ہوگی، جلسہ کا اصل مقصد بھی یہی تھا اور جن بزرگان گرامی سے اس کی نسبت تھی ان کی زندگی کی اصل کہانی بھی بس یہی تھی، سمینار اور جلسہ ختم ہوا، مندوبین اور شرکاء کے کچھ نام اس داستان میں آ گئے لیکن ایسے مندوبین بھی تھے جن کے مقالات وقت کی قلت کی

وجہ سے پیش نہیں کئے جا سکے، دار المصنفین ، دار العلوم دیو بند، دار العلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح ، جامعۃ الفلاح ، جامعہ مظہر العلوم ، احیاء العلوم ، مدرسہ بیت العلوم ، دار العلوم الاسلامیہ بستی وغیرہ تو چند نام ہیں، ورنہ قرب وجوار خصوصاً مئو، مبارکپور کے تمام مدارس اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ،شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ جیسے اہم تعلیمی مراکز کے نمائندے کثرت سے موجود تھے۔

بہت سے ایسے اسمائے گرامی ہیں جن کے ذکر سے ذہول عین ممکن ہے مولانا عبداللہ حسنی صاحب ندوی، مفتی محمد ظہور ندوی، مولانا محمود الازہار ندوی، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، ڈاکٹر نفیس احمد چیف پراکٹر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر جاوید عثمانی علی گڑھ، حکیم اسلام اللہ علی گڑھ، ڈاکٹر مسیح الرحمٰن، ڈاکٹر اظفر فیضان، وکیل وصی الدین تو چند نام ہیں، حیدرآباد سے پروفیسر محسن عثمانی ندوی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور دہلی سے پروفیسر اختر الواسع کا انتظار تھا اول وآخر الذکر کے مقالات دوروز بعد آ گئے اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب اپنے مقالہ کے ساتھ ۳۰/ مارچ کو تشریف لائے ، ذکر تو ان کا بھی ضروری ہے جن کی دن رات کی محنت سے یہ سمینار کامیاب ہو سکا، ضلع کی انتظامیہ ہو، اعظم گڑھ کے میئر بلدیہ ہوں، ممبران اسمبلی ہوں، صحافت اور ذرائع ابلاغ کے نمائندے ہوں، سماجی کارکن ہوں، اساتذہ جامعہ ہوں، طلبہ ہوں، مطبخ کے منتظمین ہوں، ان سب کے نام یقیناً لوح دل پر نقش ہیں، ان کے مفصل ذکر کا شاید کاغذ متحمل نہ ہو سکے، لیکن یہ یقین ہے کہ اس سمینار کی برکتوں میں ان سب کا حصہ کم نہ ہوگا اور اصل اجر تو اسی کا ہے جس کے خزانے میں کسی کے لئے کوئی کمی نہیں، قبولیت اور اندراج بس اسی کے دربار کا مطلوب ومقصود ہونا چاہئے۔

دوسرا سیمینار بعنوان: ’’تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث‘‘:

دوسرا سیمینار ’’تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم حدیث‘‘ کے عنوان سے ۲۲/۲۱ / مارچ ۲۰۰۷ء کو منعقد ہوا، آخری دن رات میں اجلاس عام تھا اس کی تفصیل بھی جناب مولانا عمیر الصدیق ندوی کے قلم سے حسب ذیل ہے:

’’تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں، ہندوستان میں علم حدیث‘‘ کے موضوع پر دوروزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی کی تاریخیں ایک بار ٹل چکی تھیں اور جب یہ فیصلہ ہوا کہ اب ۲۲/۲۱ / مارچ ۲۰۰۷ء کو ان شاء اللہ یہ سیمینار ہوگا تو پورے ملک اور خاص طور پر ان علماء و محققین کا جن کا علم حدیث کے مطالعہ سے تعلق ہے، جذبۂ شوق اپنی انتہا کو پہنچنے لگا، آخر شوق کے یہ مرحلے طے ہونے لگے، فاصلے سمٹتے گئے اور منزل کے نشان ظاہر ہونے لگے، کاروانِ شوق کی نظر میں وہ نقوش بھی تھے جو ٹھیک تین سال پہلے ۲۵/۲۴ / مارچ ۲۰۰۴ء کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سمینار کی راہ میں ثبت ہوئے تھے اور جنہوں نے ایک دور افتادہ چھوٹے سے گاؤں مظفر پور میں محبت و عقیدت کی نئی شمعیں فروزاں کی تھیں، تین سال پہلے ایک فرد واحد کی عظیم الشان محدثانہ خدمات کا مطالعہ و تجزیہ، استیعاب و استقصاء مقصود تھا تو اب تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے ہندوستانی علمائے حدیث کی ان خدمات کا احاطہ و مطالعہ پیش نظر تھا جن کی دوسوسالہ خدمات اپنے تنوع، گہرائی اور گیرائی کے لحاظ سے گویا حضرات محدثین کے بارہ سوسالہ کارناموں کا عطر کہی جاسکتی ہیں، اس عطر کی کشید میں

جہاں بعض نام اور کام واضح اور نمایاں تھے وہیں کچھ شخصیتیں اور خدمات ایسی بھی تھیں کہ وقت کی گردش نے اور کچھ تساہل وغفلت نے ان کو گم نامی اور کم نامی کے غبار سے آلودہ کر دیا تھا، نام نیک رفتگاں ضایع مکن کی نصیحت اپنی جگہ برحق، لیکن اس پر عمل کرنے کی ہمت جیسے مردہ اور بے روح تھی، برصغیر میں گذشتہ دوسوسالوں میں درس و تدریس اور تصنیف وتالیف اور وعظ وتقریر کے ذریعہ علوم اسلامیہ پر توجہ واعتناء میں علم حدیث کو ہمیشہ نمایاں حیثیت حاصل رہی، لیکن دوسوسال گزرجانے کے بعد علوم نبوت کے ان شیدائیوں کے نام سے بھی اکثر طالبان حدیث ناواقف ہوتے جارہے تھے، یہی احساس تھا جس نے موجودہ صدی کے ایک اللہ کے بندے کو مضطرب کیا، اور وہ جو خود دور حاضر میں گلستانِ حدیث میں اپنی گل کاری سے تازہ اور مشک بار گلوں کے ذریعہ عطر بیزی اور مشک ریزی میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مشغول ہے، اس کے ذہن رسا نے اس گلستاں میں ان پھولوں کو جمع کرنے کی آرزو کی جن کے وجود سے خود ان کے لگانے والوں کے وجود کی خوشبو محسوس کی جاتی ہے، حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ کا یہی جذبہ تھا جس نے نقش اول کی شکل میں حضرت شیخ الحدیث سمینار کو تاریخی حیثیت عطا کی اور یہی جذبہ اب اس سمینار کو غیر معمولی اور مثالی بنانے کے لیے بے تاب تھا، بے تابی تو اسی وقت سے روز افزوں ہوتی گئی جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی دامت برکاتہم نے اور ان کے رفقائے کرام نے اس جذبہ کی تائید فرمائی اور پھر مسلسل حوصلہ افزائی ہوتی رہی اور اسی کے نتیجے میں علماء ومحققین حضرات سے براہ راست تعلق رکھا گیا، عنوانات کی مناسبتیں تلاش کی جاتی رہیں اور ان ساری کاوشوں سے یہ توقعات بھی قوی تر ہوتی گئیں کہ ان شاء اللہ

موضوع اور اس کی نسبت والا شان کی برکت کا ظہور ہو کر رہے گا اور بانیٔ جامعہ اور داعیٔ مذاکرہ حضرت مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ کی تڑپ اور لگن رنگ لاکر رہے گی۔

۲۱/مارچ کو سمینار کا افتتاح ہونا تھا لیکن اس سے کئی دن پہلے ہی مظفر پور بلکہ اعظم گڑھ کی تمام شاہراہیں اس مبارک سمینار کے لیے فرش راہ بنی ہوئی تھیں، علم حدیث کی عظمت اور خود سمینار کے موضوع کی جلالت قدر کے پیش نظر ہر اہم موڑ پر بلند و بالا آراستہ و پیراستہ استقبالی دروازے، حاملین علوم نبوت کے خیر مقدم کے لیے صف بہ صف استادہ تھے اور پُر وقار انداز میں گویا یہ پیغام دے رہے تھے کہ دنیا اور دنیا کے طالبوں کے لیے بھی دروازے اور دوّار سجتے اور سجائے جاتے ہیں لیکن علم حدیث کے خادموں کی ترحیب کا انداز کچھ اور ہی ہے، ان کے لیے تو فرشتے راستے پر پر بچھاتے ہیں اور عرش کا سایہ ان پر دراز رہتا ہے، یہ جہاں جمع ہوں وہی جلوہ گہِ جبرئیل ہے، اعظم گڑھ کے اس خطہ اور قدیم شیراز مشرق کے اس حصہ کی یہ سرزمین مظفر پور عن قریب ایسے پاک نفس اور پاک طینت نفوس سے معمور ہوگی جو اس وقت ہندوستان ہی نہیں، ایک عالم کی مذہبی وروحانی اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کی آبرو کے مترادف ہیں جو کلام سرور کائناتؐ کی لذتوں اور برکتوں سے آشنا ہیں، جو وحی متلو کے ربانی کلام کے اسرار ورموز کی تلاش میں وحی غیر متلو کی شاہ کلید کے حامل و بردار ہیں، حق تھا کہ علم حقیقی کے ان طالبین اور مدرسہ صفہ کے ان جانشین وارثوں کے لیے چشم شوق کی ایک ایک لرزش نچھاور کر دی جائے، مہمان جس درجے کے بھی ہوں، ان کی ضیافت بھی ایک ہنر ہے، اور اس ہنر کا حق یہ ہے کہ دیدۂ و دل سب مہمانوں کی راہ اور راحت میں بچھا دیئے جائیں، حق یہ ہے کہ اس ہنر سے بانیٔ جامعہ بھی خوب واقف ہیں اور اس خوبی کا

اثر ان کے زیر سایہ جامعہ اسلامیہ میں بھی سرایت کر چکا ہے، اس کا اظہار واعتراف تین سال پہلے کے سمینار میں کیا گیا تھا اور اب وقت تھا کہ نقش ثانی، نقش اول سے بہتر ثابت ہو، پنڈال، شامیانوں اور ان کے لوازم کی ذمہ داری انہیں کے سپرد تھی جنہوں نے تین سال پہلے اپنے کام سے میز بانوں اور مہمانوں کو متأثر اور مطمئن کیا تھا اور حق یہ ہے کہ ان کا نقش ثانی، نفاست اور خوش سلیقگی میں خوب سے خوب تر ثابت ہوا، حسن معنی کے ساتھ حسن ظاہر کا اہتمام، ہر ایک کے بس کی بات نہیں، یہ محض ذوق کے معیار کی بات ہے، یہ نہ ہو تو شاہجہانی اور عالمگیری مزاجوں کا فرق بھی نہ ہو، بانئ جامعہ کو اس باب میں بھی قدرت نے خصوصی فیاضی سے نوازا ہے۔

۲۰/مارچ کی تاریخ آئی اور یہ خوش خبری لائی کہ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا سید واضح رشید ندوی مدظلہما اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، آفتاب نصف النہار پر تھا کہ اس کاروان اہل صفا کے وجود سے جامعہ اسلامیہ کے درو دیوار تابندہ تر ہو گئے، عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ نے جامعہ اسلامیہ میں رابطہ ادب اسلامی کی مشرقی یوپی کی شاخ کا باقاعدہ افتتاح فرمایا، جامعہ اسلامیہ کی کلاہِ فخر و امتیاز میں یہ ایک اور اضافہ تھا، بانئ جامعہ جن کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ہر یادگار سے عقیدت ہے، مولاناؒ کی اس یادگار کو بھی جامعہ اسلامیہ کے وجود کا ایک حصہ بنا دیا، باقاعدہ ایک کشادہ کمرہ، رابطہ ادب اسلامی کے دفتر کی حیثیت سے خاص کر دیا گیا کہ تعلیم و تدریس و تحقیق کے ساتھ ادب اسلامی کے فروغ کا سرچشمہ بھی اس خطہ و دیار میں، جامعہ اسلامیہ ہی کے نصیب میں آئے، اس موقع پر جناب حکیم ظل الرحمٰن، ڈاکٹر عتیق الرحمٰن، مولوی محمود حسن حسنی اور صوفی عبدالرزاق

صاحب بھی موجود تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی کی دعاؤں سے رابطہ ادب اسلامی کی اس مشرقی یوپی شاخ کے نہال اور برگ وثمر آور ہونے کی توقع ،حق اور بجا ہے،اسی تقریب میں بانیٔ جامعہ نے بخاری شریف کا وہ نادر مخطوطہ بھی دکھایا جس کی تحقیق وتعلیق اب ان کے شب وروز کا حاصل ہےاور شایدان کی اب تک کی تمام علمی و تحقیقی کاوشوں میں سب سے اہم اورسب سے ممتاز ہے،اس کی تفصیلات پھر کبھی۔

۲۰؍مارچ کو قافلۂ حسنی کی آمد سے جیسے مہمانوں کی آمد کا بھی افتتاح ہوگیا، ڈاکٹر ولی الدین ندوی ناظم جامعہ اسلامیہ، مولانا ابوسعد ندوی رکن مجلس ادارت الشارق کومیزبان تھےلیکن اسی روز وہ ابوظبی سےتشریف لائے ،اس سمینار کے ایک مہمان خصوصی متحدہ عرب امارات کےنوجوان صالح ڈاکٹر شیخ احمد الخزرجی تھے جو اپنے نامور والداور یواےای کے سابق وزیر قانون واوقاف اور بانیٔ جامعہ کےمحبّ کریم اوران کی علمی فتوحات کے قدرداں ڈاکٹر شیخ محمد الخزرجی کی محبتوں کے امین اورسفیر کی حیثیت سے اس سمینار میں شرکت کے لیے بے قرار تھے، ان کی آمد کی خبر ملی کہ وہ بنارس تشریف لا چکے ہیں۔

۲۱؍مارچ کی صبح ہوئی تو محسوس ہوا کہ نسیم صبح آج عجب انداز میں مشک بار ہی نہیں بےقرار بھی ہے، مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھااور نو بجے تک عالم یہ تھا کہ گلشن علم نبوت کے خوشہ چینوں کی خوشبواوران کی تب وتاب سے جامعہ اسلامیہ کی فضائیں معطرومنور ہورہی تھیں، مرکز الشیخ ابی الحسن کےٹھیک سامنےعظیم الشان پنڈال اپنے مہمانوں کی راحت وسہولت کی خاطر اپنی آغوش وا کیے ہوئے تھا،نہایت وسیع و عریض اور بلند و بالا ہونے کے باوجود، حضور رسالت مآب ﷺ کے علوم کے شیدائی

اس کثرت سے اور پروانہ وار جمع ہو رہے تھے کہ اندیشہ ہوا کہ یہ شامیانہ بھی محبت و عقیدت کے اس جوش و وفور کے سامنے بے بضاعت نہ ثابت ہو، ہوا بھی یہی، جتنے کرسی نشین تھے، شامیانے کے اطراف میں شاید اتنے ہی اور سامعین تھے۔

آخر وہ وقت آ ہی گیا، افتتاحی جلسے کے لیے پُر وقار شہ نشیں تیار تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی نے صدارت کی مسند کو سرفراز فرمایا، ایک جانب سمینار کے داعی مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور دوسری جانب ڈاکٹر شیخ احمد بن محمد الخزرجی رونق افروز تھے، جلسے کے ناظم مولانا فیروز اختر ندوی نے تلاوت آیات کے لیے قاری مسعود احمد کو دعوت دی اور اس طرح کلام ربانی سے حدیث نبویؐ کی اس تاریخی تقریب کا آغاز ہوا، مندوبین اور سامعین کے استقبال کے لیے گو داعیٔ بزم کا خطبۂ استقبالیہ مطبوع تھا جس میں انہوں نے اس مذاکرۂ علمی کی غرض و غایت کو واضح فرمایا تھا، لیکن لکھے چھپے الفاظ میں جذبات کا سیلاب کہاں سما سکتا ہے، مولانا ندوی مظاہری نے اپنی برجستہ تقریر میں صاف فرمایا کہ ہندوستان کے علمائے حدیث نے گذشتہ دو صدیوں میں جو خدمات انجام دی ہیں ان میں سے کچھ تو عالم اسلام کے سامنے ہیں لیکن ایک بڑا حصہ آج بھی اس کا منتظر ہے کہ اس کو شایان شان طریقے سے عالم اسلام سے روشناس کرایا جائے اور خود ہندوستان میں ان بیش قیمت مضامین کا احیاء ہو، آج ہندوستانی مسلمانوں کو ہی نہیں، دنیا کے ہر باشندے کو سرور دو عالم ﷺ اور نبی رحمت للعالمینؐ کے ہر قول و عمل اور چشم و ابرو کے ہر اشارے کی دولت سے مالا مال کیا جائے، ہندوستان سے باہر علمائے ہند کی یہ خدمات، اسلامی ہند کے وقار میں اضافہ کا باعث تو ہیں ہی، یہ موجودہ ہندوستان کی وقعت میں اضافے کی مبارک سفیر بھی ہیں، اس طرح

مولانا نے موجودہ ہندوستانی حکومتوں کو یہ پیغام بھی دے دیا کہ ہندوستان کے عربی و اسلامی مدارس اپنے طور پر ملک کی نیک نامی کا ذریعہ ہیں، ان کے وجود کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے والوں کو حقیقت پر نظر رکھنی چاہئے اور برادران وطن میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں، اسی لیے انہوں نے اعظم گڑھ کے سیاسی رہنماؤں اور انتظامیہ کا خوش دلی سے ذکر کیا کہ مختلف سیاسی پارٹیوں سے تعلق کے باوجود یہ تمام سیاسی قائدین، جامعہ اسلامیہ سے تعاون میں دریغ نہیں کرتے اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ ہو یا دیگر دینی ادارے اور مدارس ہوں، یہ معاشرے کو پاکیزہ اور ماحول کو امن وسلامتی میں بدلنے کے بے غرض ذرائع ہیں، مولانا کے یہ مختصر استقبالی کلمات اس درجہ مؤثر تھے کہ پورے پنڈال میں خاموشی تھی اور ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ گویا یہ اسی کے دل کی آواز ہے، مولانا کے ان کلمات کے بعد ان کے لائق صاحبزادے اور جامعہ اسلامیہ کے ناظم مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی نے جامعہ اسلامیہ کا ایک جامع تعارف اور اس کی کارکردگی کی روداد پیش کی، تعارف کے بعد ناظم جلسہ نے نوجوان شیخ احمد بن محمد الخزرجی کو تأثرات پیش کرنے کی دعوت دی، فصیح و بلیغ عربی زبان میں ان کے تأثرات ان سامعین کے دلوں میں بھی اتر گئے جو عربی زبان نہیں سمجھتے تھے، انہوں نے مولانا مدظلہ سے اپنے رشتۂ تلمذ کو پُرفخر انداز میں بیان کیا، ہندوستان کے علمائے حدیث کی مساعی کی زندہ تصویر، انہوں نے مولانا کی شکل میں دیکھی، اسی لیے ان کے کلمات وتعبیرات کو صداقت اور واقعیت نے اور پختگی وتوانائی بخش دی۔

جب رات آئی تو حسبِ روایت جامعہ اسلامیہ کے ایک وسیع میدان میں اور نہایت پُرشوکت وسطوت پنڈال میں جیسے ایک جہاں کی مخلوق امڈ آئی، لاکھوں کی

تعداد میں محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو سننے اور جاننے کے لیے جو لوگ اعظم گڑھ ہی نہیں، اطراف کے ضلعوں اور بستیوں سے جمع ہوئے ان کے اجر میں کسے شبہ ہے، اس جلسۂ عام کا مقصد بھی یہی تھا کہ قرآن وحدیث کے علمی و تحقیقی مطالعوں اور تجزیوں کی اہمیت اپنی جگہ پر، لیکن اصل مقصد یہی ہے کہ پوری امت بلکہ پوری انسانیت، انسانِ کامل ؐ کی حیاتِ طیبہ کی ایک ایک ادا سے اس طرح واقف ہو کہ خود اس کے ہر عمل سے اس کا اظہار بھی ہو، اس جلسے میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اور مولانا محمد خالد غازیپوری کی خطابت، اور مولانا تقی الدین ندوی اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریروں نے یہی پیغام دیا کہ خیر امت ہونے کا شرف ہے تو یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی تقلید واتباع سے ہے، اسی پیغام اور اسی روح کے ساتھ لاکھوں کا یہ مجمع مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ کی دعاؤں میں شریک ہو کر بلکہ سرشار ہو کر جب واپس ہوا تو کون انکار کر سکتا ہے کہ چند ساعتوں کے بعد نمودار ہونے والی صبح اس مجمع کا نئی برکتوں اور نئی امیدوں سے استقبال کرتی ہوئی نئی روشنیوں سے ہم کنار کر رہی تھی۔

دوسرا باب

عالم عربی کے اسفار

کچھ اسفار سے متعلق

علمی وتحقیقی کاموں کے لیے جس یکسوئی کی ضرورت ہے، سفر سے اس میں فرق آجاتا ہے، اس لئے ناچیز سفر سے حتی المقدور گریز کرتا ہے، لیکن دوستوں کا اصرار جب غالب آجاتا ہے اور علمی ودینی تقاضے مجبور کردیتے ہیں تو سفر پر آمادہ ہونا ہی پڑتا ہے، اس طرح طبعی مناسبت نہ ہونے کے باوجود ناچیز کے اسفار کثرت سے ہوئے، ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ افریقہ اور یورپ کا بھی سفر ہوا، عرب ممالک خصوصا سعودی عرب میں منعقد ہونے والی مختلف کانفرنسوں میں شرکت اور حج وعمرہ کے اسفار نسبتاً زیادہ ہیں۔

ان اسفار کی روداد اور تفصیلات میرے لڑکے مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی، پوتے فرید الدین ندوی (جو ادھر چند سالوں سے حج وعمرہ کے اسفار میں میرے ساتھ رہا کرتے ہیں)، نواسے مولوی اسعد عالم ندوی، الشارق کے معاون مدیر مولانا خطیب الرحمٰن ندوی، صلاح الدین ندوی اور مولانا حسان اختر ندوی وغیرہم کے قلم سے جامعہ اسلامیہ سے شائع ہونے والے علمی رسالہ ''الشارق'' میں شائع ہوتی رہیں، ''داستاں میری'' کے اس حصہ میں اسفار کی تفصیلات از سر نو قلمبند کرنے کے بجائے ان ہی مذکورہ افراد کی مرتب کردہ روداد معمولی حذف واضافہ کے ساتھ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا، جو آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں گے۔

مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشریف

کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے

سہ روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی

بعنوان: "عنایة المملکة العربیة السعودیة بالسنة والسیرة النبویة"

میں شرکت

بقلم: مولوی حسان اختر ندوی

"مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشریف" مدینہ منورہ ایک عظیم الشان علمی و دینی ادارہ ہے جس میں تقریباً دو ہزار علماء وفضلاء اور متخصصین و ملازمین کام کرتے ہیں، اس ادارہ نے قرآن مجید کے نسخے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن شریف کے معتبر ترجمے شائع کر کے تقسیم کیا ہے اور کر رہا ہے، اس کے نگران اعلیٰ سعودی عرب کے وزیر اوقاف ہیں، ادارہ نے اس سے قبل دو سمینار بین الاقوامی پیمانہ پر کیا ہے، پہلا سمینار رجب ۱۴۲۱ھ میں بعنوان "القرآن الکریم وعلومہ" اور دوسرا سمینار صفر ۱۴۲۳ھ میں "ترجمة معانی القرآن الکریم" کے عنوان پر منعقد کیا تھا، اب یہ تیسرا عالمی سمینار بعنوان "عنایة المملکة العربیة السعودیة بالسنة و السیرة

النبویة'' مورخہ ۱۵، ۱۶، ۱۷، ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مدینہ منورہ میں منعقد کیا۔

اس سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ حدیث وسیرت کے ممتاز متخصصین وباحثین، علماء وفضلاء کے نام جاری کیا گیا تھا، عالم عربی واسلامی کی اکثر جامعات کے نام یہ دعوت نامے مناسب عناوین کے ساتھ بھیجے گئے تھے، چنانچہ یہ دعوت نامہ حضرت سرپرست محترم اور العین یونیورسٹی کے پروفیسر کے نام بھی آیا تھا اور حضرت سے خاص طور پر یہ خواہش کی گئی تھی کہ آپ کی بحث کا موضوع ہندوستان میں سیرت وسنت کے تعلق سے رہے تو زیادہ بہتر ہے، لہذا حضرت نے اپنے مقالہ کا عنوان ''**كتاب سيرة النبي ﷺ للعلامة شبلي النعماني و تكملته للعلامة السيد سليمان الندوي عرض وتحليل**'' تجویز کیا، اور اس موضوع پر ایک بسیط، تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا، جس میں پہلے مختصراً سیرت کے موضوع پر جو کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اس عظیم الشان کتاب یعنی سیرۃ النبیؐ کا تفصیل کے ساتھ تعارف کرایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ملحدین و مستشرقین کے رد میں بھی یہ کتاب نادر المثال ہے، بلکہ سیرت کے موضوع پر اس کی حیثیت انسائیکلو پیڈیا کی ہے، بعض زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ عربی زبان میں علماء ومتخصصین کی نگرانی میں اس کا عربی ترجمہ وتحقیق کرا کے شائع کرایا جائے، جو ادارہ بھی یہ خدمت انجام دے گا، یہ اس کا عظیم کارنامہ ہوگا[۱]۔

مقالہ کی تیاری کے بعد متعینہ تاریخوں میں شرکت کے لئے حضرت سرپرست محترم اپنی قیام گاہ العین سے ایک وفد کے ہمراہ ریاض کے راستہ سے

۱؎ قاہرہ سے ۷؍جلدوں میں اس کا عربی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کی صبح مدینہ منورہ حاضر ہوئے، مجمع الملک کی طرف سے موصوف کا پُر جوش استقبال کیا گیا، وہ دن صرف زیارت کے لئے فارغ رکھا گیا تھا، چنانچہ مسجد نبویؐ میں حاضری ہوئی، ڈاکٹر عامر صبری (جوالعین یونیورسٹی کے رئیس قسم ہیں) کے ہمراہ مدینہ یونیورسٹی کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، وہاں سب سے پہلے شعبۂ مخطوطات کے ذمہ داروں کے ساتھ مخطوطات کا معائنہ کیا، حضرت کو بعض مخطوطات کی ضرورت تھی، اس شعبہ کے مدیر محترم نے اس سلسلہ میں مدد کی اور بہت سی کتابیں اور سیڈیاں ہدیۂ پیش کیں، پھر مختلف شعبوں کی زیارت کے بعد ظہر سے قبل حرم مدنیؐ میں حاضری ہوئی، بعد نماز ظہر ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صاحب اعظمی اور دیگر حضرات ملاقات کے لئے آئے اور مختلف وفود سے ملاقات ہوئی اور اس بات سے حضرت کو بے حد مسرت ہوئی کہ ان کی تصانیف اور تحقیق وتعلیق سے شائع ہونے والی کتابیں خصوصاً التعلیق الممجد، اوجز المسالک اور الامام البخاری وغیرہ سے یہ فضلاء واقف ہیں اور ان کتابوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کو اس بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح امیر مدینہ کی سرپرستی میں ہوا، افتتاح وزیر اوقاف نے کیا، اس کے بعد انٹرنیٹ کے موقع کا مشاہدہ کرایا گیا، حضرت نے وزیر اوقاف کی خدمت میں اپنی کتابیں ہدیۂ پیش کیں، جس پر انہوں نے بے حد خوشی کا اظہار کیا، اس کے بعد سیمینار کا آغاز ہوا، اس سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار میں سولہ نشستیں منعقد ہوئیں، اکثر نشستوں میں حضرت نے شرکت کی اور نہایت ہی تکریم واجلال کے ساتھ بالکل سامنے کی نشست گاہ پر ان کو بٹھایا گیا، تیرہویں نشست میں حضرت کو اپنا مقالہ پیش کرنا تھا، حضرت نے اپنا مقالہ اختصار کے

ساتھ پیش کیا، ۱۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ بروز جمعرات دس بجے سیمینار کا اختتام ہوا، جمعہ کے دن مدینہ میں قیام کر کے شام کے وقت جدہ کے راستے سے مکہ معظّمہ تشریف آوری ہوئی، اور عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر ۹؍مئی کو اپنے مستقر العین بخیر وعافیت واپسی ہوئی، یہ سیمینار ہر طرح سے کامیاب اور نافع رہا، حضرت کے لئے سب سے اہم بات یہ رہی کہ عالم اسلامی وعربی کے نامور علماء وفضلائے حدیث سے تعارف حاصل ہوا، شیخ ابوغدہؒ کے تلامذہ، شیخ عوامہ اور دوسرے بڑے علماء حضرت سے ملنے آئے اوران کی ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی۔

سہ روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی

بعنوان: ''الحدیث الشریف وتحدیات العصر''

میں شرکت

بقلم: مولانا خطیب الرحمٰن ندوی

''کلیۃ الدراسات الاسلامیہ والعربیۃ'' دبئ کا ایک مؤقر تعلیمی ادارہ ہے، ١٩٨٦ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، شیخ جمعہ ماجد حفظہ اللہ اس کے سرپرست وذمہ دار اعلیٰ ہیں، قلیل مدت میں اس ادارہ نے بڑی ترقی کی ہے، تقریباً چار ہزار طلباء و طالبات اس سے فیض حاصل کررہے ہیں، جامعہ کے ناظم جناب ڈاکٹر مولانا ولی الدین صاحب ندوی حفظہ اللہ اس کلیہ میں استاذ حدیث کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، مدیر کلیہ حضرت سرپرست محترم مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری کے شاگرد ہیں۔

اس ادارہ کے مقاصد میں یہ ہے کہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جن کو علوم اسلامیہ پر دسترس حاصل ہو اور عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت اور دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دے سکیں، اس کا نصاب تعلیم جامعہ ازہر کے مطابق اور اس سے تسلیم شدہ بھی ہے۔

کلیہ نے ۱۷ تا ۱۹ /صفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۸ تا ۳۰ /مارچ ۲۰۰۵ء کو سہ روزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی کا انعقاد کیا، جس کا موضوع ''الحدیث الشریف وتحدیات العصر'' تھا۔

اس مذاکرہ میں ملک وبیرون ملک کے ممتاز باحثین ومحققین اور علماء وفضلاء کو دعوت دی گئی تھی، حضرت سرپرست محترم اور ناظم جامعہ کو بھی مقالہ کے ساتھ شرکت کی دعوت ملی، حضرت سرپرست محترم نے اپنی گوناگوں علمی وتحقیقی وتالیفی مشغولیتوں کی وجہ سے مقالہ لکھنے سے تو معذرت کرلی، البتہ مولانا ولی الدین صاحب ندوی حفظہ اللہ نے ''أضواء علی الدراسات الحدیثیة فی الهند'' کے عنوان سے ایک وقیع مقالہ تحریر فرمایا، اس مذاکرۂ علمی کی چھ نشستیں منعقد ہوئیں، حضرت سرپرست محترم مدظلہ نے افتتاحی نشست میں شرکت کی، جس میں تلاوت کلام پاک کے بعد کلیہ کے رئیس اعلیٰ محترم شیخ جمعہ ماجد مدظلہ نے افتتاحی تقریر کی اور شیخ عصام بشیر وزیر اوقاف سوڈان نے کلیدی خطبہ پیش کیا، ساڑھے ۱۲ بجے یہ افتتاحی نشست اختتام پذیر ہوئی، حضرت سرپرست محترم تو اپنے مقر ''العین'' واپس ہوئے مگر محترم مولانا ولی الدین صاحب ندوی حفظہ اللہ نے بعد کی نشستوں میں بھی شرکت کی اور آخری نشست میں اپنا مقالہ پیش کیا۔

اسی طرح ''المجمع الفقهی جده'' کا ایک عظیم الشان سمینار ۵ تا ۹ /اپریل ۲۰۰۵ء کی تاریخوں میں دبئ کے نائب حاکم سمو الشیخ حمدان بن راشد آل مکتوم کی سرپرستی میں دبئ میں منعقد ہوا، اس سمینار میں عالم اسلام کے ۱۶۰ علماء وفضلاء نے شرکت کی، منتظمین مذاکرہ نے بہت اصرار کے ساتھ حضرت سرپرست محترم کو

شرکت کی دعوت دی، لیکن ہندوستان کے سفر کی وجہ سے شرکت سے معذرت کرنی پڑی، البتہ سمینار کی طرف سے تمام علماء و باحثین کو ''اوجز المسالک شرح موطا مالک'' کا ایک ایک نسخہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا، اس طرح عالم اسلام کے ان تمام علماء کے ہاتھوں میں یہ اہم کتاب پہونچ گئی، جو حضرت سرپرست محترم کی تحقیق و تعلیق سے طبع ہوئی ہے۔

عمرہ کا سفر

اور

عرب علماء سے ملاقات

از: ادارہ ''الشارق''

بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم اپنے نواسے مولوی اسعد عالم مظاہری ندوی کے ہمراہ ابوظبی سے بغرض عمرہ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ کو مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے ،وہاں کے روحانی اور ایمان افروز ماحول میں پانچ روز تک آپ کا قیام رہا، دورانِ قیام بہت سے دکاترہ اور اہلِ علم سے ملاقاتیں رہیں، بعض اہلِ علم باقاعدہ قصد کرکے ڈاکٹر ندوی سے ملاقات کے لیے ہوٹل تشریف لائے اور ''بذل المجہود فی حل سنن أبي داود'' کے بارے میں اپنے شوق کا اظہار کیا، اس کا ایک نسخہ ہوٹل میں ڈاکٹر ندوی کے پاس موجود تھا، ان اہلِ علم فضلاء نے بار بار اس کی زیارت کی، ۲۱ر رمضان المبارک کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی، وہاں حرم مدنی میں تراویح کے بعد بہت سے اہلِ علم سے ڈاکٹر ندوی کی ملاقاتیں رہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر خلیل ملاّ خاطر

استاذ حدیث جامعہ طیبہ نے ڈاکٹر ندوی کو مدعو کیا، اور اپنی قیمتی تصنیفات جامعہ اسلامیہ کے نام ہدیہ کیا، اور ''بذل المجہود'' کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔

شیخ محمد عوامہ جو علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ کے شاگرد رشید اور جانشیں ہیں، اپنے صاحبزادوں کے ہمراہ حرم مدنی میں تشریف لائے، دونوں بزرگوں کے درمیان کچھ دیر علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی جس میں انہوں نے اپنی تحقیق سے شائع ہونے والی کتاب ''مصنف ابن أبی شیبہ'' کا ایک نسخہ ہدیہ کیا، جب انہیں معلوم ہوا کہ ''بذل المجہود'' کا ایک نسخہ یہاں موجود ہے تو اس کی زیارت کی اور اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

ان کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ کے طلبہ کا سالانہ عربی میگزین ''النادی العربی'' ہدیۃً پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور استعجاب کے ساتھ اپنے گراں قدر تأثرات کا ان لفظوں میں اظہار کیا:

''الحمد للہ الفتاح الوھاب، والصلاۃ والسلام علی سید الرسل والأنبیاء وإمام العلماء والأتقیاء وعلی آلہ وأصحابہ والتابعین بإحسان، أما بعد!

جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ (ہند) کے طلبہ کی عربی انجمن کی جانب سے شائع ہونے والا سالانہ عربی مجلّہ ''النادی العربی'' نظر نواز ہوا، ماشاء اللہ یہ شمارہ (جلد دوم بابت ۱۴۲۷ھ) بڑا ہی جاذب نظر اور قابل دید ہے، ہر مضمون کے تحت مضمون نگار طالب علم کا نام اور اس کا تعلیمی سال درج ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عربی زبان وادب کا جو معیار اس میں قائم ہے اور جو علمی ودعوتی مضامین ومقالات زینت رسالہ ہیں انہیں دیکھ کر قطعاً یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ انہیں متعلقہ تعلیمی سالوں اور درجات کے طلبہ کی ذہنی، فکری اور علمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

بلاشبہ آج بھی عرب وعجم ہر جگہ علم نبوت کے حقیقی قدرداں اور جویانِ حق موجود ہیں جن کی ذات سے علم وفن کی آبرو قائم ہے، خدائے ذوالجلال سے ہماری دعا ہے کہ ہم ان نو خیز و باحوصلہ نوجوانوں کو آسمانِ علم وتحقیق پر بدر کامل بن کر چمکتا دیکھیں، اور خود یہ جامعہ اسلامیہ (جس کے طلبہ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے) صحیح معنوں میں علم وعمل اور دعوتِ اسلامی کا ایک اہم مرکز ہے، اس کا قیام حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم کے ہاتھوں عمل میں آیا، ڈاکٹر ندوی کی ذات بابرکات کے ذریعہ عالم اسلامی کو جو گراں قدر علمی تحفہ ملا ہے وہ اظہر من الشّمس ہے، چند ہی سال قبل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''أوجز المسالک إلی موطأ مالک'' کی تحقیق وتعلیق اور جدید طرز کے مطابق نہایت ہی اعلیٰ معیار پر اس کی طباعت آپ کے ہاتھوں انجام پائی ہے، اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب ''بذل المجھود فی حل سنن أبی داود'' بھی آپ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ منصۂ شہود پر آگئی ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ڈاکٹر ندوی اور آپ کے جملہ رفقاء ومعاونین کو خدمت علم ودین کی مزید توفیق عطا فرمائے اور ان تمام لوگوں کو توفیق مزید بخشے جو کسی بھی ناحیہ سے اسلام کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ اسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کرے اور کامل طریقہ پر برگ وبار لائے۔

وآخردعوانا أن الحمد لله رب العالمين .

محمد عوامہ / مدینہ منورہ

۹/۲۵ / ۱۴۲۷ھ ''

جامعۃ الشارقہ متحدہ عرب امارات کی ایک اہم کانفرنس میں شرکت

بقلم: مولوی اسعد عالم مظاہری ندوی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور ضلع اعظم گڑھ کے مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے دوروزہ مذاکرۂ علمی سے فارغ ہونے کے بعد نانا جان محترم حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری حفظہ اللہ، مؤرخہ ۸/اپریل ۲۰۰۷ء کو ہندوستان سے اپنے مستقر ابوظبی تشریف لائے تھے کہ یہاں امارات کی اہم یونیورسٹی ''جامعۃ الشارقہ'' کی طرف سے ''الحوار مع الآخر فی الفکر الإسلامی'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی مؤتمر میں شرکت کا خصوصی دعوت نامہ موصول ہوا، اس مؤتمر میں عالم عربی واسلامی کے تین سو علماء ومندوبین کو دعوت دی گئی تھی۔

اس مؤتمر کا آغاز پروفیسر اسماعیل محمد بشری ڈائرکٹر جامعۃ الشارقہ کے افتتاحی کلمات سے ہوا جب کہ مدیر عام اوقاف شارقہ اور عمید کلیۃ الشریعۃ و الدراسات نے کلمات ترحیب پیش کئے، بعدازاں عالی مرتبت جناب ڈاکٹر عبداللہ ابن عبدالمحسن الترکی (جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی) نے موضوع کی مناسبت سے حوار کی اہمیت اوراس کے فوائد پر ایک اہم علمی ومدلل تقریر فرمائی، محترم ڈاکٹر ترکی کی

معلوماتی تقریر کے بعد افتتاحی جلسہ کا اختتام ہوگیا۔

اس موقع پر حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی حفظہ اللہ سے نانا جان کی ملاقات ہوئی، جس پر انہوں نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور دیوان شیخ سلطان بن زاید کی جانب سے ڈاکٹر عبداللہ الترکی اور دیگر اہل علم کو 'بذل المجھود' ہدیۃً پیش کی گئی، سبھی اہل علم نے اس عظیم کارنامہ پر نانا جان مدظلہ کو مبارکباد پیش کیا اور مسرت کا اظہار کیا، ڈاکٹر عبداللہ ترکی کے علاوہ الجزائر اور تونس وغیرہ یونیورسیٹیوں کے اہل علم اور دکاترہ نے بھی بذل المجھود اور اوجز المسالک کی عالمانہ تحقیق وتعلیق پر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

دوسرے روز کے جلسے میں شرکت وزیارت اور ملاقات کے بعد العین کے لئے واپسی فرمائی اور بخیر وعافیت اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔

سفرِ عمرہ

اور

ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی سے ملاقات

بقلم: مولانا اسعد عالم مظاہری ندوی

نانا جان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ العالی کا رمضان المبارک میں عمرہ اور حرمین شریفین کی زیارت کا معمول ہے، راقم کو بھی رفاقت کی سعادت حاصل رہتی ہے، چنانچہ اس سال بھی حسب معمول ۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۶؍ستمبر ۲۰۰۷ء کو ابوظبی سے جدہ کے لئے روانگی ہوئی، اور وہاں سے مکہ مکرمہ رات میں حاضری ہوئی، رات ہی میں عمرہ سے فارغ ہوگئے، وہاں چند روز قیام رہا، مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران بعض اہل علم وفضل سے ملاقاتیں بھی رہیں جن میں خصوصیت سے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے حدیث شریف کے بڑے اور اہم استاذ ڈاکٹر سعد الہاشمی قابل ذکر ہیں جو نانا جان سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے، ان سے حدیث شریف کے مخطوطات کے سلسلہ میں گفتگو رہی، انہوں نے نانا جان سے خواہش ظاہر کی کہ نواب صدیق حسن صاحب کی کتاب ''حجج الکرامۃ فی آثار یوم القیامۃ'' (جو فارسی زبان میں ہے) کا عربی میں ترجمہ کرادیں۔

نیز مکہ مکرمہ کے قیام میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ملاقات کی دعوت دی تھی، ۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ کو رابطہ کے نائب امین عام شیخ محمد ناصر العبودی سے ملاقات ہوئی، شیخ عبودی نے نانا جان کی جدید تحقیق و تعلیق شدہ تالیفات اوجز و بذل وغیرہ کو دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور نانا جان سے ذکر کیا کہ میں نے چند مشہور علمائے اعلام کے حالات پر مشتمل ایک مجموعہ تیار کیا ہے اس میں آپ کے سلسلے میں ایک تعارفی مقالہ تیار کر رہا ہوں، بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ مقالہ مکمل کر لیا ہے اور اب وہ شائع ہونے والا ہے (نوٹ: یہ مقالہ شائع ہوگیا اور اردو میں ترجمہ ہوکر محدثین عظام کے شروع میں شامل کر دیا گیا ہے)۔

ڈاکٹر عبداللہ الترکی حفظہ اللہ سے تفصیلی ملاقات ہوئی، وہ نانا جان سے بار بار فرماتے رہے کہ حدیث شریف کی خدمت کے سلسلے میں رابطہ عالم اسلامی کو آپ کے تعاون کی ضرورت ہے، اس کی بنا پر گذارش ہے کہ آپ اپنے علمی کاموں اور خاکوں کی تفصیلات سے تحریری طور پر آگاہ کریں، ڈاکٹر ترکی موصوف نے اپنے دولت کدہ پر افطار کی دعوت بھی دی لیکن حرم شریف کی مشغولیت کی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا، تاہم رابطہ کے لئے انہوں نے اپنا خصوصی نمبر نانا جان کو عنایت فرمایا۔

رمضان المبارک

میں

عمرہ کا سفر اور کبار علماء سے ملاقات

بقلم: مولوی فرید الدین ندوی

کئی برسوں سے دادا جان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ العالی کا معمول ہے کہ رمضان شریف کے مہینے میں عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے جایا کرتے ہیں، اس سال ان کی رفاقت کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی، ۱۳/رمضان کو ابوظبی سے سعودیہ ایرلائنس سے روانہ ہوکر ۱۲/بجے کے قریب مکہ معظّمہ پہونچے، قیام فندق ابراج مکہ میں تھا، سامان وغیرہ رکھنے کے بعد ڈھائی بجے کے قریب حرم شریف میں حاضری ہوئی اور نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد طواف وسعی کر کے عمرہ کے ارکان مکمل کئے، ۲۰/رمضان المبارک تک وہاں قیام رہا، اس دوران کئی اہم علماء دادا جان سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے جن میں جامعہ ام القریٰ کے استاذ حدیث محترم سعد ہاشمی قابل ذکر ہیں، ان سے حدیث کے موضوع پر اور بعض مخطوطات کے بارے میں گفتگو ہوئی، نیز حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم جو کہ دادا جان کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے ان سے

بھی ملاقات ہوئی اور دینی موضوعات پر گفتگو رہی، اور ان کے صاحبزادے نے اپنی ڈائری پیش کی کہ کچھ نصیحت فرمادیں تو داداجان نے فرمایا کہ ’’جو بھی کام کریں آخرت کو پیش نظر رکھیں‘‘ اور فرمایا کہ یہ وہ نصیحت ہے جو ہمارے شیخ و استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے رخصت کرنے کے وقت مجھ سے کی تھی، اسی طرح بحرین کے ایک مشہور عالم شیخ یعقوب نظامی جو ابوظبی میں اسلامی بینک کے ممبر ہیں انہوں نے بحرین ہی سے فون کر کے وقت لے لیا تھا اور ملاقات و زیارت کے بہت ہی خواہش مند تھے کہ صحاح ستہ کے اوائل پڑھ کر اجازت لیں، چنانچہ وہ آئے اور اوائل پڑھ کر اجازت لی۔

ان کے ہمراہ جامعہ ام القریٰ کے ایک اور استاذ بھی تھے، اسی طرح ان کے بعد یکے بعد دیگرے کئی علماء تشریف لائے اور اوائل پڑھ کر اجازت لی، تھوڑی دیر کے لیے رابطہ عالم اسلامی کے دفتر میں جانے کا اتفاق بھی ہوا اور ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن حفظہ اللہ سے فون پر گفتگو ہوئی، ان کے ایک عزیز کی طبیعت ناساز تھی ان کی عیادت کے لیے وہ تشریف لے گئے تھے، انہوں نے عدم ملاقات کا فون پر بہت افسوس ظاہر کیا۔

۲۰ر رمضان المبارک کو بذریعہ ہوائی جہاز جدہ سے مدینہ کے لیے روانگی ہوئی، وہاں فندق میں سامان وغیرہ رکھنے کے بعد مسجد نبویؐ میں حاضری ہوئی اور عشاء کی نماز ادا کی گئی، نماز کے بعد اپنی مقررہ جگہ پر آئے، جگہ پر پہونچتے ہی لوگوں کی آمد شروع ہوگئی، کیوں کہ داداجان کی کئی سالوں سے یہ مقررہ جگہ تھی، اس کے بعد روضۂ پاک پر حاضری ہوئی، داداجان کا معمول یہ رہا ہے کہ روضۂ پاک پر حاضری اکثر عشاء

کے بعد دیا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ احقر کی رعایت کی غرض سے عصر کے بعد وہاں تشریف لے گئے اور مسجد نبویؐ کی پُرانی حدود اور ستونوں سے واقف کرایا، تیسرے روز جنت البقیع کی زیارت سے مشرف ہوئے، یہ سعادت بھی احقر کو حاصل ہوئی کہ دادا جان سے صحاح ستہ پڑھ کر حدیث شریف کی اجازت حاصل ہوئی، صفۂ نبویؐ کے سامنے بیٹھ کر حضرت مولانا مفتی یونس صاحب کی موجودگی میں مجھے یہ دوسری مرتبہ اجازت ملی، پہلی مرتبہ مکہ معظّمہ میں جب بحرین کے مشہور عالم شیخ یعقوبی کو اجازت دے رہے تھے تو یہ ناچیز بھی اس وقت وہاں موجود تھا، اس طرح دادا جان سے مجھے یہ اجازت ثانیہ کی سعادت ملی اور جبل احد کی بھی زیارت نصیب ہوئی، ابوظہی واپسی سے ایک روز قبل قبا کی زیارت حاصل ہوئی، وہاں دو رکعت نماز ادا کی گئی اور بہت سے آثار قدیمہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

۲۸/رمضان المبارک کو فجر کے بعد مدینہ ائیر پورٹ سے جدہ آنا ہوا اور اپنے ایک رشتہ دار جناب جاوید صاحب کے یہاں آرام فرمایا اور تین بجے کے قریب جدہ ائیر پورٹ آئے اور ابوظہی واپسی ہوئی۔

دبئ کا ایک تعزیتی سفر

سموالشیخ محمد بن حمدان آل نہیان جوصدر دولت امارات مرحوم سموالشیخ زاید ابن سلطان آل نہیان کے قریبی عزیز اور داماد ہیں، دعوت وتبلیغ سے ان کا بڑا گہرا تعلق ہے، ان کی والدہ مرحومہ کا اس وقت انتقال ہوا جب میں ہندوستان میں تھا، انہوں نے فون سے اطلاع دی اور ایصال ثواب کی درخواست کی، اس لیے ۱۴/ مارچ کو ہندوستان سے واپسی کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ ان سے ملاقات کر کے تعزیت پیش کی جائے، چنانچہ ۲۳/ مارچ کو عزیزان ڈاکٹر ولی الدین ندوی ومولوی اسعد عالم ندوی کے ہمراہ ان کے یہاں دبئ میں حاضری ہوئی، نماز عشاء کا وقت ہو چکا تھا اس لیے پہلے مسجد میں جا کر نماز ادا کی گئی، معلوم ہوا کہ یہاں ایک تبلیغی اجتماع ہے۔

تبلیغی اجتماع میں ایک اہم بیان:

اس لیے اس مناسبت سے شیخ محمد حمدان نے بیان پر اصرار فرمایا، چنانچہ ادع إلى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة الخ پڑھ کر یہ بتایا گیا کہ تبلیغی جماعت کے اصول، کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور یہ اصول نہایت ہی حکیمانہ اور داعیانہ اصول ہیں، ان پر پابندی کرنے سے زندگی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد الیاس

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد لکھنؤ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پہلے تبلیغی اجتماع کا ذکر کیا گیا، وہاں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی پہلی تقریر پر سو(۱۰۰) نام آئے جو بہت بڑی تعداد سمجھی گئی، ان میں ایک آزاد صاحب شاعر بھی تھے جن کو تبلیغی جماعت والے مشکل سے اجتماع میں لائے تھے، انہوں نے مولانا کی تقریر سن کر ایک چلہ پٹنہ کی جماعت میں لکھوایا اور جماعت میں چل پڑے، اور آئندہ چل کر ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خاص خدام میں ہو گئے، ہر وقت ذاکر رہتے، ان پر ذکر کی ایک خاص کیفیت طاری رہتی جس کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

درحقیقت یہ تبلیغی نظام، غیبی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے کچھ وقت نکال کر ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے وقت گذارنا چاہئے، اس سے ایمان کی حلاوت اور ذکر کی لذت نصیب ہوتی ہے، تلاوت اور دعا میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور زندگی ایمانی زندگی بن جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

دعاء پر بیان ختم ہوا اور عشائیہ سے فراغت کے بعد ''العین'' واپسی ہوئی۔

سفرحجاز

(۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء)

بقلم: فریدالدین فہیم الدین ندوی

ہر سال رمضان المبارک میں دادا جان (حضرت مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ) کا معمول رہا ہے کہ حرمین شریفین کی زیارت میں دوسرا و تیسرا عشرہ گزارتے ہیں، چنانچہ حسب معمول اس سال بھی ۱۳ر رمضان کو بعد نماز عصر چچا ناصر الدین اور برادر محترم مولانا اسعد عالم ندوی صاحب کی معیت میں ابوظبی ایرپورٹ سے روانہ ہوئے، ایرپورٹ کے باہر افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی اور عمرے کی دوگانہ پڑھ کر عمرہ کی نیت کی اور ساڑھے نو بجے خطوط سعودیہ ایرلائن سے جدہ پہونچے، ایرپورٹ پر دیکھا تو بڑی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں لیکن دادا جان نے ایک آفیسر سے بات کی اور اس نے فوراً امیگریشن کرادیا اور ہم مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوگئے، جدہ سے مکہ مکرمہ کی دوری تقریباً دو گھنٹے کی ہے، اتنی جلدی کرنے کے باوجود بھی ہم فجر کے وقت مکہ مکرمہ پہونچے، کیوں کہ اول تو پرواز میں تاخیر ہوگئی تھی دوسرے یہ براہ راست نہیں تھی، اس لیے فجر کے وقت ہم لوگ مکہ مکرمہ پہونچے اور فجر کی نماز حرم کے اندرونی حصے میں ادا کی اور سورۂ کہف اور مختلف سورتوں کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد

عمرہ کے ارکان ادا کیئے، سعی دادا جان (وھیل چیئر) پر بیٹھ کر کرتے ہیں لیکن باقی تمام عبادات کھڑے ہوکر ہی ادا کرتے ہیں۔

جمعرات اور جمعہ کے دن زائرین اور مقامی عمرہ کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، چوں کہ یہ چھٹیوں کا زمانہ بھی ہے اس لیے اژدحام کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر ہم نماز کے لیے ایک گھنٹہ پہلے نہ جائیں تو جگہ مشکل سے ملتی ہے اور جمعہ کے لیے تو دو گھنٹے پہلے نکلنا ہوتا ہے، خیر عصر کی نماز فندق زمزم کی مسجد میں ادا کی اور افطار بھی وہیں کیا جو حرم سے بالکل متصل ہے، پھر عشاء کی نماز اور تراویح مسجد حرام کے اندرونی حصے میں ادا کی، عام طور سے باب ملک عبدالعزیز سے داخل ہوتے ہیں، مجھے چوں کہ نیچے جگہ نہیں ملی تھی اس لیے میں ۹۲ نمبر ملک فہد اسکلیئر سے بالائی حصے میں چڑھا تو میری نگاہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی صاحب پر پڑی جو قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے، میں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کرادیا تو فوراً پہچان گئے کیوں کہ یہ میری دوسری ملاقات تھی، انہوں نے دادا کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ نماز کے بعد میں یہیں پر انتظار کروں گا، لیکن نماز کے بعد بھیڑ زیادہ ہوگئی اور دادا جان کا اوپر چڑھنا دشوار ہوگیا تو وہ خود نیچے آئے اور ساتھ ساتھ چل کر کمرے آئے اور بہت ہی اہم اور علمی موضوعات پر گفتگو فرمائی اور خاص قسم کی شوگر فری ہدیہ میں دی جوان کے ایک شاگرد نے بنائی تھی اور بتایا کہ اب تک اس میں کوئی مضر کیمیکل نہیں پایا گیا، کیوں کہ اب تک جتنی بھی دوائیں آئیں ہیں وہ ضرر رساں ہیں۔

ایک ہفتے کے قیام کے بعد ۹ رستمبر کو صبح دس بجے ایرپورٹ نکلے اور عصر کی نماز

کے وقت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام، فندق دارالتقویٰ پہونچے جوحرم سے بہت قریب ہے، عصر کی نماز حرم میں ادا کی اور حرم میں باب جبریل سے قریب خاص جگہ پر حاضر ہوئے، جو دادا جان کی پرانی جگہ ہے، وہ بیشتر نمازوں کے علاوہ خاص طور سے تراویح کی نماز اور افطار وغیرہ یہیں کرتے ہیں۔

تراویح کی نماز کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری ہوئی اور صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا، اکیسویں رات جو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شب قدر مانی جاتی ہے، جس رات کے بارے میں ہے کہ **کان رسول اللہ ﷺ یجتهد فیه مالا یجتهد فی غیرہ من اللیالی**، دادا جان بھی پوری رات ذکر وتلاوت میں مشغول رہے، اس مبارک رات میں دادا میاں کا معمول رہا ہے کہ قبا ضرور تشریف لے جاتے ہیں، ہم بھی قبا گئے اور راستے میں مسجد القبلتین کا دیدار ہوا اور قبا میں دو رکعت نماز ادا کی جس کے ثواب کے بارے میں ہے کہ ایک عمرے کے برابر ہے، اس کے بعد جبل احد آئے جہاں پر اسلام کے شہسوار شہداء آرام فرما رہے ہیں، یہ کوئی معمولی پہاڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایسا پہاڑ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: **ھذا جبل یحبنا ونحبه**، ۱۲/بجے کے قریب حرم پہونچے اور تحیۃ المسجد پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کی اور ظہر کی نماز ادا کی، دوران عمرہ دادا جان کے ساتھ مسجد نبویؐ کے کتب خانہ میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی، کتب خانہ مخطوطات اور مطبوعات دو حصوں پر مشتمل ہے جس میں نادر کتابوں اور نادر مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں مدیر مکتبہ اور ذمہ داران کی طرف سے اجازت شدہ کتابیں رکھی جاتی ہیں، مدیر مکتبہ نے دادا جان کے استقبال کے ساتھ ساتھ ان کی کتابوں کو سراہا اور کہا کہ ہم آپ کی نئی

کتابوں کے خواہاں ہیں ،مخطوطات کے شعبہ میں ہم نے ایسی ایسی نایاب چیزوں کو دیکھا جسے دیکھ کر ہزاروں سال پہلے کی علمی عظمتوں کا احساس ہوا،مخطوطات کے مدیر نے دادا جان کو بڑی تفصیل سے ایک ایک مخطوطہ دکھایا جس میں دادا جان کی نظر بخاری شریف کے ایک ایسے نایاب مخطوطہ پر پڑی جسے دیکھ کر دادا جان نے ان سے کہا کہ یہ بخاری کا بہت ہی اہم نسخہ ہے جو اب تک ان کی نظر سے نہیں گزرا،مزید انہوں نے اپنے تمام مخطوطات کی فہرست دی اور بخاری کے نسخہ کا فوٹو بھی حوالے کیا۔

اللہ کے فضل وکرم سے مدینہ میں تقریباً دس دن رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، بالآخر ۲۹/رمضان کو خطوط سعودیہ سے جدہ آئے اور ایرپورٹ پر ظہر کی نماز ادا کی ، کچھ دیر آرام کیا، پھر خطوط سعودیہ سے ۷/بجے کے قریب ابوظبی ایرپورٹ پر پہونچے جہاں چچا ناصر صاحب اور مولانا اسعد عالم ندوی اور محمد علی استقبال کے لئے موجود تھے، والحمدللہ علی ذلک۔

العین سے حرمین تک

بقلم: فریدالدین ندوی

داداجان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم نے ۳؍رمضان المبارک مطابق ۱۴؍اگست ۲۰۱۰ء کو مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی، برادرم مولانا اسعد عالم ندوی اور ناچیز کو ساتھ لے کر حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی کو ماہ رمضان کی آمد پر مبارک باد دینے اور ان کی والدہ محترمہ کے انتقال پر تعزیت پیش کرنے کے ارادے سے شارقہ کا سفر کیا، شارقہ پہونچنے کے بعد تراویح کی نماز سے فارغ ہو کر شیخ شارقہ کے محل کی طرف روانہ ہوئے، وہاں تعزیت کرنے والوں کا شدید اژدحام تھا، ہم لوگ بھی محل کے پاس گاڑی پارک کر کے اندر داخل ہوئے، شیخ نے بڑھ کر داداجان کا استقبال کیا، داداجان نے ان کو رمضان المبارک کی مبارکباد پیش کرنے کے بعد ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال پر کلمات تعزیت ادا فرمائے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے متعلق گفتگو کا سلسلہ چل پڑا تو داداجان نے فرمایا کہ آپ کا تعلق ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بہت قدیم ہے، اس لیے ان کے قائم مقام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے بھی آپ کا خصوصی تعلق ہے، حضرت مولانا اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کے قائد اور سربراہ کی حیثیت سے

جانے جاتے ہیں۔

حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی دیر تک حضرت مولانا علی میاںؒ اور اپنے ندوۃ العلماء کے سفر کے بارے میں گفتگو کرتے رہے، ان سے رخصت ہوکر العین واپسی ہوئی اور پھر سفر عمرہ کی تیاری شروع ہوگئی۔

۱۴؍رمضان المبارک کو انتظار کی گھڑی ختم ہوئی، اور سفر سعادت عمرہ کے لیے رخت سفر باندھنے کا وقت آگیا، چوں کہ دادا جان کا معمول ہے کہ ادھر کئی سالوں سے ۱۴؍رمضان کو عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس کا سفر فرماتے ہیں، تین سال سے اس ناچیز کو بھی رفاقت وخدمت کی سعادت حاصل ہے، دیکھتے دیکھتے روانگی کا وقت آپہونچا، ابوظبی میں چچا محمد ناصر کے گھر پر افطار سے فارغ ہوکر احرام باندھا اور عمرہ کی نیت کی گئی، معمول کے مطابق خطوط سعودیہ عربیہ سے ۸؍بجکر تیس منٹ پر روانہ ہوئے، ۲؍بجکر تیس منٹ پر فندق زمزم پہونچے، جب مکہ مکرمہ کے قریب ہوئے تو دور ہی سے ہوٹل کے اوپر نصب گھڑی نظر آئی، جو ہمیں پیغام دے رہی تھی کہ وقت کی قدر کی جائے، یہ گھڑی ٹیکنالوجی اعتبار سے شاید دنیا کی سب سے بہتر گھڑی شمار ہوتی ہے، وہ امت مسلمہ کو پیغام دے رہی تھی کہ ہم انفرادی واجتماعی طور پر وقت کی پابندی کریں، دنیا کی سب سے اونچی گھڑی مکہ مکرمہ میں ہے جو مسلمانوں کا مرکز ہے اور جس کی طرف منھ کرکے دنیا بھر کے مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتے ہیں، اسی کے ساتھ وقت کی حفاظت کرنے والے ہیں، وقت ضائع کرنا ان لوگوں کا کام ہے جن کا زندگی میں کوئی مشن نہ ہو، ہمارا مشن تو اللہ کی بندگی ہے، ہوٹل میں سامان رکھنے کے بعد ساڑھے تین بجے باب ملک عبدالعزیز سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور یہ دعا ورد

زبان ہوئی، **بسم اللہ والصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ، اللّٰھم افتح لي أبواب رحمتک** ، جیسے آگے بڑھے اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اللہ سے دعا مانگی گئی کہ یہ مقبولیت کا وقت ہوتا ہے، اور فجر سے پہلے عمرہ سے فارغ ہو گئے۔

رابطہ عالم اسلامی کے ڈائرکٹر سے ملاقات کا وقت طے تھا، اس لیے ظہر کی نماز رابطہ عالم اسلامی کی مسجد میں ادا کی گئی، نماز کے بعد رابطہ کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی سے پہلے سے طے شدہ وقت کے مطابق ملاقات ہوئی، ڈائرکٹر صاحب نے داداجان کا استقبال کیا اور اپنی آفس میں لے گئے، وہاں دیکھا کہ میڈیا والے تصویر کشی میں مصروف ہیں ، ڈاکٹر ترکی حفظہ اللہ سے ملاقات دیر تک رہی، اس دوران بہت سی علمی گفتگو ہوئی، اس ملاقات اور باہم گفتگو کو مکہ ٹی وی چینل نے بڑے اہتمام سے نشر کیا، ڈاکٹر ترکی نے ایک ایسی کتاب کی خواہش ظاہر کی جس میں ہندوستانی علماء اوران کی علمی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہو، تو دادا جان نے فرمایا کہ اس موضوع پر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے والد ماجد علامہ سید عبدالحی حسنیؒ کی تالیف "**الثقافة الإسلامية في الهند**" موجود ہے جس کو دمشق کی المجمع العلمی نے شائع کیا ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ نے اس میں اضافہ بھی فرمایا ہے، ڈاکٹر ترکی نے اس کتاب کا نام بڑے اہتمام سے نوٹ کیا، انہوں نے ذکر کیا کہ میرے علم کے مطابق شیخ ابوالحسن ندوی کی سب سے بہتر کتاب "**صورتان متناقضتان**" ہے، اس کتاب کی اس دور میں شدید ضرورت ہے۔

اس موقع پر داداجان نے ان سے یہ بھی عرض کیا کہ انہوں نے اپنی نگرانی میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب "**إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**" کا اپنی نگرانی

میں فارسی سے عربی میں ترجمہ کروادیا ہے جس میں تقریباً تین سال صرف ہوئے، اس وقت متعدد نسخوں سے مقارنہ کے بعد صحیح بخاری کو پندرہ ضخیم جلدوں میں شائع کرنے کا کام سامنے ہے اور جناب کا اس پر مقدمہ بھی ہے، آج کل اس پر نظر ثانی کے لیے اپنے اوقات کو فارغ کررہا ہوں تا کہ یہ عظیم الشان کتاب عالم اسلامی میں پیش کی جاسکے، ڈاکٹر ترکی اس کتاب کی اہمیت سے واقف تھے اس لیے انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں تعاون کی ضرورت ہو تو بتائیں، اس پر دادا جان نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں بحمد اللہ تمام انتظامات ہمارے پاس موجود ہیں، البتہ علمی مشورہ کی ضرورت ہے، اور میں اس کا کچھ حصہ آپ کے سپرد کرتا ہوں، اس پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اس کو شوق سے دیکھوں گا اور کچھ تحریر بھی کروں گا، انہوں نے یہ افسوس ظاہر کیا کہ ابوظبی میں ہمارے دوست ڈاکٹر عزالدین کے بعد کوئی دوسرا نہیں رہا، اور خواہش ظاہر کی کہ جب کبھی ہندوستان کا سفر ہوا تو میں آپ کے ''مرکز الشیخ ابوالحسن ندوی'' اور **جامعہ اسلامیہ** کی زیارت کروں گا، ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی کے بعد شیخ ناصر عبودی سے بھی ملاقات ہوئی۔

تیسرے دن تراویح کے بعد کچھ عرب علماء نے دادا جان سے حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھ کر حدیث کی اجازت لی، نیز بعض عرب اہل علم نے یہ آرزو ظاہر کی کہ ہم امارات حاضر ہوکر آپ سے مکمل بخاری شریف پڑھنا چاہتے ہیں۔

۲۹/اگست ۲۰۱۰ء کی رات میں ہم نے طواف وداع کیا، اس موقع پر دادا جان نے یہ قیمتی نصیحت فرمائی کہ اصل کامیابی کی کلید یہ ہے کہ آدمی اپنے اور مخلوق سے ناامید ہوجائے اور اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرے اور اسی سے امید لگائے اور یہ

اعتماد ہو کہ جو کچھ ہوگا اللہ کی ذات سے ہوگا ہمارا کام تو صرف کوشش کرنا ہے، کامیابی دینا اللہ کا کام ہے، ﴿والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا﴾.

۳۰/اگست کو ہم لوگ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہاں ایک ہفتہ قیام رہا، حرم شریف میں مختلف علماء سے ملاقات ہوئی جن میں شیخ محمد عوامہ بھی ہیں، کچھ ہندوستانی علماء اور تجار سے بھی ملاقاتیں رہیں، ایک دن ظہر کے بعد مسجد نبویؐ میں مخطوطات کے مدیر سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مخطوطات کی سی ڈی عنایت فرمائی، دادا جان نے ان سے کہا کہ کچھ مخطوطات فی الحدیث کی ضرورت ہے تو انہوں نے بتایا کہ اس مقصد کے لیے مکتبہ عبدالعزیز کے ذمہ دار ڈاکٹر مزینی ہیں، وہ آپ کو کتاب دے دیں گے، دوپہر کے وقت سورج کی حرارت شدید تھی اور خاص طور پر عرب کے علاقوں میں دوپہر کے وقت موسم انتہائی سخت ہوتا ہے اور باہر نکلنا دشوار ہوتا ہے، ایسے وقت میں دادا جان ہمت کر کے حدیثی مخطوطات کے لیے وہاں تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی تو انہوں نے مختلف مخطوطات کی کاپی عنایت فرمائی، ڈاکٹر مزینی نے خصوصیت سے دادا جان سے ان کی علمی تحقیق و تعلیق سے آراستہ مشہور کتابیں ''بذل المجهود'' اور ''أوجز المسالک'' کی خواہش ظاہر کی جن کی حدیث کے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت ہے اور کہا کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہیں ان کو عنایت فرما دیں۔

اس کے بعد ہم لوگوں کی مدینہ منورہ سے ۷/ستمبر کو واپسی ہوئی، اس طرح بخیر و عافیت ابوظبی پہونچے اور چچا محمد ناصر کے گھر ہوتے ہوئے العین اپنے مستقر پر پہونچ آئے، والحمد للہ علی ذلک۔

مکہ مکرمہ میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس

بعنوان:

"العالم الإسلامي: المشكلات والحلول"

میں شرکت

بقلم: مولوی فریدالدین ندوی

آج امت اسلامیہ جن حالات اور مشکلات کا شکار ہے وہ اس کے مستقبل پر سیاسی، معاشی اور اقتصادی حیثیت سے برے نتائج کے حامل ہیں، اسی لیے اس امت کو ایک ایسے راستہ کی تلاش ہے جو اس کو مشکلات کی دلدل سے نکال سکے اور امت میں جو اختلافات بڑھتے چلے آرہے ہیں ان کو ختم کیا جا سکے، اس لیے کہ اندیشہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں موقع پا کر غلط فائدہ نہ اٹھالیں اور امت کی طاقت کو پارہ پارہ نہ کردیں اور آپسی رشتہ کو بکھیر دیں، اس لیے امت اسلامیہ کے موجودہ حالات پر جن علماء کی نظر ہے وہ ان حالات کا پورے طور سے جائزہ لے رہے ہیں اور وہ حالات کی خطرناکی سے پوری طرح آگاہ ہیں، اس لیے ان حالات سے نکلنے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں مناسب حل کے وہ متلاشی ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ جس نے مسلمانوں کی اپنے قیام کے زمانہ سے لے

کر ہر نازک موقع پر رہنمائی کی، اس نے ضرورت محسوس کی کہ شاہ عبداللہ خادم الحرمین الشریفین حفظہ اللہ کی سرپرستی میں ایک عالمی کانفرنس مکہ مکرمہ میں منعقد کی جائے اور عالم اسلامی کے چیدہ علماء و مفکرین کو اس میں شرکت کی دعوت دی جائے تاکہ وہ سب متفقہ طور پر موجودہ حالات میں کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی کر سکیں۔

کانفرنس کے اغراض ومقاصد

(۱) ان اسباب کا جائزہ لیا جائے جن کی بنا پر عالم اسلامی میں سنگین اور نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔

(۲) امت اسلامیہ کی وحدت واجتماعیت کے باقی رکھنے کی پرزور کوشش کرنا۔

(۳) علمائے دین، مفکرین اور اسلامی مراکز کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا تاکہ ان حالات میں وہ صحیح رہنمائی کر سکیں۔

(۴) عالم اسلامی کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے حوار (بات چیت) کے اصول کو اپنایا جائے۔

(۵) موجودہ زمانہ کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں مناسب حل تلاش کرنا۔

اس اہم مؤتمر (کانفرنس) میں شرکت کے لیے دادا جان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ کو دعوت دی گئی تھی اور ان کے مرافق کے طور پر اس ناچیز کو بھی خدمت وشرکت کا موقع مل گیا۔

یہ مؤتمر تین دن ۲۲؍شعبان ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۲۰۱۱ء سے شروع ہو کر ۲۴؍شعبان مطابق ۲۵؍جولائی کی شام کو دس بجے اختتام پذیر ہوئی، اس کی

نشستوں میں بیس مقالے پیش کئے گئے، البتہ مناقشہ میں حصہ لینے کی عام اجازت تھی اور اس میں علماء نے حصہ لیا۔

مؤتمر کا آغاز ۲۲ رشعبان سنیچر کو ایک بجے رابطہ عالم اسلامی کے ہال میں ہوا، قرآن پاک کی تلاوت کے بعد خادم الحرمین الشریفین کا پیغام امیر مکہ **السمو الملکی خالد الفیصل** نے پڑھ کر سنایا، جس طرح یہ پیغام بہت ہی جامع اور بہت سے حقائق پر مشتمل تھا اسی طرح اس کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا، پھر دیگر حضرات کے بیانات ہوئے، ڈھائی بجے جلسہ کا اختتام ہوا۔

دوسرے دن ۲۳ رشعبان کو صبح کا جلسہ ۹ ربجے سے ساڑھے دس بجے تک تھا جس کی صدارت معالی الدکتور صالح بن عبداللہ بن حمید رئیس القضاء الاعلیٰ فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کررہے تھے، یہ نشست ساڑھے دس بجے ختم ہوگئی اور دوسری نشست کا وقت ۱۱ ربجے سے ساڑھے بارہ بجے تک رہا، شام کا جلسہ ساڑھے سات بجے شروع ہوکر ۹ ربجے اختتام پذیر ہوا۔

۲۴ رشعبان کو صبح ۹ ربجے سے ساڑھے دس بجے تک اور ۱۱ ربجے سے ساڑھے بارہ بجے تک پروگرام جاری رہا، پھر ۲۴ رشعبان کی شام کو ساڑھے سات بجے سے شروع ہوکر ۹ ربجے نشست ختم ہوگئی، اس کے بعد ۹ ربجے سے دس بجے تک جلسہ کا اختتامی پروگرام تھا جس میں معالی الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کا خطاب تھا، اس کے بعد جلسہ کا اختتامی بیان پڑھ کر سنایا گیا جو بہت سی تجاویز پر مشتمل تھا اور ساتھ ساتھ خادم الحرمین الشریفین کے حوالہ سے اعلان کیا گیا کہ یہ جلسہ سالانہ رہے گا اور ان شاء اللہ اس جلسہ کے تمام شرکاء اس میں شرکت کریں گے۔

۲۴؍شعبان کوظہر کے بعد خادم الحرمین الشریفین نے علماء کرام سے جدہ میں ملاقات کی اوران کی ذمہ داریوں کو یاددلایا اوراس سلسلے میں اپنے ہرتعاون کی پیش کش کی **فجزا هم الله عن الإسلام و المسلمين خير الجزاء۔**

ان اجتماعات کے دوران آئے ہوئے مختلف علماء اور مفکرین سے دادا جان کی ملاقاتیں رہیں، ان میں بہت سے لوگ ان کی کتابوں کے ذریعہ متعارف بھی تھے، الحمدللہ اس سفر میں ہمارے ساتھ چار نسخے بخاری شریف کے بھی تھے جوابھی حال میں ۱۵؍ضخیم جلدوں میں چھپ کر آئی تھی جن چاروں کا مجموعی وزن ۱۱۰ کلو تھا، وہ سب بہ سہولت وعافیت پہونچ گئیں۔

چونکہ دادا جان نے پہلے ہی سے اطلاع کردی تھی کہ ایک نسخہ خادم الحرمین الشریفین کے لیے اور دوسرا نسخہ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کے لیے ہے، اس لیے ہوٹل میں پہونچنے کے ساتھ ہی رابطہ کی طرف سے ایک مندوب ان کو لینے کے لیے آگئے تھے۔

تیسرا نسخہ ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید کو پیش کیا جنہوں نے بہت ہی گرم جوشی سے اس ہدیہ کو قبول فرمایا، دادا جان نے ان کو بتایا کہ آپ کے والد محترم سے مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوچکی ہے۔

چوتھا نسخہ ڈاکٹر عبداللہ بن صالح بن العبید (جو مدینہ یونیورسٹی اور رابطہ عالم اسلامی دونوں کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں) کے ذریعہ سے مسجد نبویؐ کے کتب خانہ میں بھجوایا گیا، لیکن انہوں نے اپنے لیے بھی ایک نسخہ کا مطالبہ کیا، تو اس کو عمرے کے دوسرے سفر میں ان کو پیش کردیا گیا، اس سفر میں ہم لوگ ۲۱؍تاریخ بروز جمعرات عمرہ

سے فارغ ہو گئے تھے، مؤتمر کے آخری روز ایک یوم کے لیے مدینہ منورہ کا پروگرام تھا اور دادا جان کے لیے خصوصی کار کا انتظام کیا گیا تھا، اس لیے ہم لوگ مدینہ منورہ کے دارالھجرۃ ہوٹل میں عصر سے پہلے پہونچ گئے جہاں رابطہ کی طرف سے مہمانوں کے قیام کا انتظام تھا، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک یہ مسافت چار گھنٹے میں طے ہوئی، عصر کی نماز مسجد نبویؐ میں ادا کی گئی اور عصر کی نماز کے بعد روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضر ہوئے، نماز مغرب حرم میں ادا کی گئی، وہاں بہت سے علماء خصوصاً حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی۔

دوسرے دن صبح کو حضرت مولانا سے اس ناچیز نے الأوائل السنبلية پڑھ کر حدیث شریف کی اجازت لی، دوسرے ہی دن دوپہر سے پہلے مکتبہ محمودیہ تشریف لے گئے، اس کے مدیر ڈاکٹر محمد المزيني جو دادا جان سے واقف تھے ان سے حدیث کی بعض نادر کتابوں کا فوٹو طلب کیا گیا، انہوں نے بڑی خوشی سے عصر تک ان کی سی ڈی تیار کرادی اور اس ناچیز نے جا کر ان سے حاصل کرلیا۔

تیسرے دن ہم لوگ مدینہ منورہ سے جدہ اور جدہ سے ابوظبی پہونچے اور وہاں سے اپنے مستقر پر واپس آ گئے۔

حرمین شریفین کا سفر

بقلم: مولوی فرید الدین ندوی

دادا جان ہر سال رمضان میں عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور ادھر چند سالوں سے مجھے ان کی خدمت کی سعادت حاصل رہی ہے، چونکہ پہلے سفر میں کچھ طبیعت خراب ہوگئی تھی اسی لیے دوسرا سفر تاخیر سے ہوا اور ۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو ۶؍بجے دبئ امارات ایرلائنس سے روانہ ہوکر ۸؍بجے جدہ پہونچے، قانونی کارروائی بہت ہی آسانی سے پوری ہوگئی اور ۱۱؍بجے مکہ مکرمہ پہونچ گئے، وہاں قیام کا اچھا انتظام تھا، رات ہی میں عمرہ سے فراغت ہوگئی تھی اور مکہ میں ۲۰؍تاریخ تک قیام تھا، اسی دوران ہوٹل میں مختلف علماء ملنے کے لیے آئے، جن میں رابطہ عالم اسلامی کے مستشار شیخ محمد بھی تھے جو دادا جان سے حدیث کی اجازت لے چکے ہیں، ان کے علاوہ احمد محمد الحریری جامعہ اُم القریٰ آئے اور دادا جان سے حدیث کی اجازت لی۔

۲۰؍تاریخ کو ظہر کے بعد ہم لوگ خصوصی گاڑی سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، چونکہ ہمارے بڑے والد ڈاکٹر مولانا ولی الدین ندوی عمرے کے لیے آئے ہوئے تھے اور وہ بھی ہمارے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے ان کا بھی کئی سال سے رمضان شریف میں عمرے کا معمول ہے، فندق دار الایمان میں سامان وغیرہ رکھ کر مغرب کی نماز حرم شریف میں پڑھی گئی، اس دوران بھی بہت سے علماء سے

ملاقاتیں ہوئیں، رمضان شریف میں حرم شریف میں دادا جان کی ایک خاص نشست متعین ہے، وہیں پر وہ نماز پڑھتے ہیں اور تلاوت کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں، ایک دن اچانک جناب حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اپنے خدام کے ساتھ ملاقات کے لیے تشریف لائے اور بہت ہی تعلق اور محبت کا اظہار فرمایا دادا جان نے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں خود حاضر ہوتا۔

۲۲ر رمضان کو دادا جان نے مدینہ منورہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے ملاقات کا وقت مانگا، انہوں نے فرمایا کہ میں اس وقت باہر ہوں اور میرے قائم مقام اس وقت ڈاکٹر ابراہیم العبید ہیں جو کلیۃ الحدیث کے عمید بھی ہیں، ان سے بارہ بجے ملاقات طے ہوئی، ہم کو لینے کے لیے ہوٹل میں ۱۱ر بجے شیخ محمد عبداللہ العبید جو جامعہ اسلامیہ کی ایک اچھی پوسٹ پر ہیں آئے اور ان کی گاڑی سے ہم لوگ جامعہ کے لیے روانہ ہوئے اور ہمارے ساتھ جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے ناظم ڈاکٹر ولی الدین ندوی صاحب بھی تھے، وائس چانسلر کی آفس میں تقریباً پون گھنٹے ملاقات رہی، ان کو الجامع الصحیح کا نسخہ پیش کیا گیا اور دادا جان نے تقریباً ۲۰ منٹ تک بخاری کے نسخوں پر گفتگو فرمائی اس وقت بعض دکاترہ بھی شریک ہو گئے تھے، مدیر جامعہ کو جامعہ اسلامیہ تشریف لانے کی دعوت دی گئی، انہوں نے قبول فرمایا اور یہ بیان کیا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے درمیان علمی تعاون قائم رہے گا، ظہر کی نماز کے لیے ہم حرم واپس آ گئے۔

۲۶ر رمضان المبارک کو مولانا اخلد صاحب قاسمی جو حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب کے قریبی رشتہ دار ہیں انہوں نے اپنے دستر خوان پر افطار کی دعوت دی اور

خصوصی اہتمام فرمایا، دادا جان کے ساتھ شیخ عبداللہ سلطان ظاہری اور مفتی یونس صاحب گجراتی اور یہ ناچیز افطار میں شریک ہوا، وہاں پر بہت سے حضرات سے ملاقاتیں رہیں ان کا اصرار تھا کہ روزانہ یہیں پر افطار کریں اور بہت ہی محبت و تعلق کا اظہار فرمایا، دادا جان نے فرمایا کہ مسجد نبویؐ میں درحقیقت یہ دسترخوان شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کا ہے، یہاں افطار کرنا نورٌ علی نور ہے، ۲۸/رمضان کو ہم لوگ مدینہ منورہ سے ۴/بجے امارات سے روانہ ہوکر ۸ بجے دلی ایرپورٹ پر پہونچے، وہاں سے العین واپسی ہوئی۔

ایک عالمی کانفرنس

بعنوان: ظاہرۃ التکفیر ،الاسباب-الآثار-العلاج

میں شرکت

بقلم: جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
ناظم جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

عالم عربی واسلامی کا اس وقت کا سب سے بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعض ملکوں میں ایسے شدت پسند نوجوان پیدا ہورہے ہیں جو علماء ومفکرین اور مسلم سیاسی رہنماؤں کی تنقید میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ اب ان کی تکفیر کرتے رہتے ہیں اوران کی مخالفت کو اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں، دین میں ان کے اس متشددانہ فکر وغلو کے بہت خطرناک اثرات ظاہر ہورہے ہیں۔

اس خوارجی فکر کے مقابلہ کے لیے سعودیہ عربیہ نے شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود کے حکم سے سعودی عرب کے وزیر داخلہ نایف بن عبدالعزیز آل سعود کے زیراہتمام دواداروں جائزۃ نایف بن عبدالعزیز آل سعود العالمیہ اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کی مشارکت سے ''ظاہرۃ التکفیر -الاسباب-الآثار-العلاج'' کے عنوان سے مدینہ منورہ میں ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا، جس میں اس فتنہ کا مختلف پہلوؤں

سے جائزہ لیا گیا اوراس کے اسباب وعلاج پر روشنی ڈالی گئی۔

یہ عالمی کانفرنس ۲۲/۱۰/۱۴۳۲ھ بروز منگل مدینہ منورہ میں منعقد ہوئی، اس کی افتتاحی نشست معالی وزیر داخلہ امیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود کے ایماء پر امیر مدینہ جناب عبدالعزیز بن ماجد بن عبدالعزیز آل سعود کے قصر میں ہوئی، اس کانفرنس کے پروگراموں میں ۴۵ ملکوں کے نمائندوں نے شرکت کی، تقریباً ۱۱۹ مقالے اور مباحث پیش کی گئیں، اس اہم کانفرنس میں شرکت کے لیے حضرت والد ماجد مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب مدظلہ العالی کو بھی دعوت دی گئی، آپ نے مدینہ منورہ پہونچنے سے قبل اپنا پیغام کانفرنس کے ذمہ داروں کو بھیج دیا تھا، جو کانفرنس کے خصوصی بلیٹن میں شائع کیا گیا جس میں حضرت والد صاحب نے فکری اعتدال اور توازن کا پیغام دیا تھا، آپ نے یہ واضح کردیا کہ ان نوجوانوں میں یہ بے اعتدالی اور فکری کج روی قرآن وحدیث سے دور ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

۲۱/۱۰/۱۴۳۲ھ کی شام کو ہم ابوظبی ایرپورٹ سے حضرت والد صاحب کی معیت میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، چونکہ ریاض میں جہاز بدلنا تھا اس لیے ریاض ایرپورٹ پر ۳/گھنٹے تک قیام کرنا پڑا، ریاض ایرپورٹ پر وزرات داخلہ کے نمائندوں کے ذریعہ ہمارا بہت اچھا استقبال ہوا۔

وہاں سے جس پرواز سے ہم مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اسی میں حضرت والد صاحب کی ملاقات جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے ڈائریکٹر پروفیسر سلیمان بن عبداللہ ابوالخیل سے ہوئی، جن سے کانفرنس کے تعلق سے خصوصی گفتگو بھی ہوتی رہی، فجر کی نماز سے قبل ہم لوگ مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور یہاں کے

شاندار ہوٹل ''دارالایمان'' میں قیام رہا۔

مسجد نبویؐ میں تہجد کی نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل کی گئی، پھر فجر کی نماز کے بعد روضۂ پاک کی زیارت سے مشرف ہوئے اور درود وسلام پیش کرنے کا موقع ملا۔

ناشتہ کے بعد کانفرنس میں شرکت کے لیے مریڈیان ہوٹل گئے، اس کے وسیع ہال میں اجلاس ہورہا تھا، اس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تقریباً پانچ سو تھی، کانفرنس مسلسل تین روز جاری رہی، روزانہ پانچ نشستیں ہوتی تھیں، خوشی کی بات یہ تھی کہ کثیر تعداد میں نوجوان علماء ومفکرین بھی اس میں پیش پیش تھے۔

کانفرنس میں جن اہم شخصیات سے ملاقات اور تبادلہ خیال ہوتا رہا، اس میں خاص طور پر امام حرم جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس، پروفیسر محمد العقلا ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی امین عام رابطہ عالم اسلامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہمارے ساتھ والد صاحب مدظلہ کی تحقیق وتعلیق سے بخاری شریف کے تین نسخے تھے، ان میں ایک نسخہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے مدیر کو پیش کیا گیا اور باقی دو نسخے موتمر جائزۃ نایف بن عبدالعزیز آل سعود للسنۃ النبویہ کو دیئے گئے، علماء نے اس کتاب پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، اور عمومی طور پر اس کی افادیت واہمیت محسوس کی گئی، ہمارے اس سفر میں دبئی سے جناب ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن شافعی مدیر کلیۃ جمعہ ماجد للدراسات الاسلامیہ والعصریہ اور کچھ دوسرے علماء بھی تھے، ان حضرات سے کانفرنس میں ملاقات وگفتگو کی وجہ سے یہ سفر بہت دل چسپ بن گیا، حرم نبویؐ میں

تہجد و فجر اور درود و سلام کی توفیق ملتی رہی۔

اس کانفرنس کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق تمام معلومات مختلف مقالوں کے ذریعہ جمع کردی گئی ہیں جو آٹھ اجزاء میں شایع کی گئی ہیں، دوسرے یہ کہ کانفرنس کے ہر اجلاس کے ذریعہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ صحیح علم سراپا دین ہے، اس لیے نوجوان ایسے علماء سے علم دین سیکھیں جن کے اندر علم کے ساتھ ساتھ ربانیت بھی ہو، تاکہ وہ نوجوانوں کو صحیح اور معتدل فکر دے سکیں۔

درحقیقت یہ وہ فکر ہے جس کو ہمارے مربی و شیخ حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ اپنے خطبات و مواعظ میں ذکر کیا کرتے تھے، حضرت مولاناؒ نے بہت پہلے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ و طلبہ کو بھی مخاطب کر کے فرمایا اور اس طرف توجہ دلائی تھی، آپ کی یہ تقریر ''ربانية لا رهبانية'' کے عنوان سے شائع بھی ہوچکی ہے، اس عظیم کانفرنس میں شرکت کر کے ۱۴۳۲/۱۰/۲۶ھ کو ہم لوگ جدہ ہوتے ہوئے بخیر و عافیت دبئی واپس آگئے۔

رمضان المبارک میں عمرہ اور مقامات مقدسہ کی زیارت

بقلم: فریدالدین ندوی

دادا جان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ (سرپرست جامعہ اسلامیہ) کا کئی سالوں سے معمول ہے کہ سال کے گیارہ ماہ علمی اشتغال کے بعد رمضان المبارک میں عمرہ و مقامات مقدسہ کی زیارت کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر فرمایا کرتے ہیں، احقر کو بھی متعدد باب رفاقت کی سعادت مل چکی ہے، اس دفعہ بھی بحمداللہ رفاقت کا شرف حاصل رہا۔

رمضان سے قبل ہندوستان کے مختلف مدارس کے ذمہ داروں کے اصرار پر دینی ودعوتی اسفار پیش آئے، نیز کتابوں کی تحقیق وتعلیق کی وجہ سے طویل طویل نشستیں رہا کرتی تھیں، جن کی وجہ سے پاؤں کی رگ کے دباؤ کی وجہ سے گھٹنے اور پاؤں میں ورم کی شکایت ہوگئی، ہندوستان سے واپسی کے موقع پر ممبئی میں چچا جان ڈاکٹر صفی الدین صاحب نے مرض کی تشخیص کرائی، اس کے بعد العین میں بھی ایک ماہر ڈاکٹر کے علاج سے آرام ملا، معالجین کی ہدایت کے مطابق کئی پرہیز کے ساتھ آرام کرنے

کی ضرورت تھی تا کہ مرض میں اضافہ نہ ہو۔

پروگرام کے مطابق ۱۱رمضان المبارک مطابق ۲۹رجولائی یکشنبہ کو سفر شروع ہوا، اور حرم شریف حاضری ہوئی، حسب معمول دادا جان مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ دونوں ہی جگہ دن کا بیشتر حصہ ذکر وتلاوت میں گزارتے ہیں اور عصر کے بعد کا وقت تو گویا تلاوت ہی کے لیے خاص ہے، اور رات میں ملاقات وآرام کے چند گھنٹوں کے علاوہ بقیہ حصہ عبادت ہی میں صرف ہوتا ہے، لیکن اس دفعہ معمولات میں خاصی تبدیلی تھی، اہل علم کی ملاقات اور حدیث شریف کی اجازت کے ساتھ درس حدیث کے شدید تقاضوں کے سبب دادا جان کو معمول بدلنا پڑا، یومیہ معتقدین مستفیدین کی تعداد ۴۵ سے ۵۰ تک پہنچ جاتی تھی، جن میں اچھی خاصی تعداد میں سعودیہ عربیہ کے علماء، قضاۃ اور دکاترہ ہوتے، استفادہ کرنے والوں میں سعودی طلبہ بھی ہوتے، بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے العین امارات کا سفر کرکے مکمل صحیح بخاری پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

یہ سفر دو ہفتے کے لیے رہا، ہم لوگ ۱۱رمضان کو ابوظبی سے طیران الامارات کے ذریعہ شب میں آٹھ بجے جدہ پہنچے، قانونی کارروائی بڑی سہولت سے طے ہوگئی، البتہ سامان پہنچنے اور اس کی تلاش وجستجو میں کافی وقت صرف ہوا، پھر بھی ایک بیگ جس میں دادا جان کی دوائیں، کپڑے اور ضروری کاغذات تھے رہ گیا، جس سے کافی تشویش پیدا ہوگئی، ایرپورٹ پر Complain درج کرا کے ہم لوگ جدہ سے مکۃ المکرّمہ کے لیے روانہ ہوگئے اور حرم شریف کے قریب فندق دار الغفران میں رہائش حاصل ہوئی۔

فجر کے بعد دادا جان کی علالت کے سبب وھیل چیر سے طواف وسعی کروائی، جس بیگ کی گمشدگی کا افسوس تھا اچانک اس کے بارے میں دوسرے دن تراویح کے وقت اطلاع آئی کہ مل گیا ہے، اس کو جدہ ایر پورٹ سے حاصل کیا، جس سے اطمینان ہوگیا۔

۱۳؍رمضان المبارک منگل کو جامعہ ام القریٰ کے استاذ حدیث ڈاکٹر موفق عبدالقادر آئے اور اپنے مکان پر دادا جان کو مدعو کیا اور اپنے دو شاگرد کو دوسرے روز استقبال کے لیے بھیجا، ان دونوں کی رہبری میں ہم لوگ تراویح کے بعد ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے اور کھانا تناول کیا، کھانے کے بعد مختلف علمی مسائل پر ان سے تبادلۂ خیال ہوا، انہوں نے اطلاع دی کہ اگلے روز ڈاکٹر مالک بن دُہیش کے یہاں آپ سبھی لوگ مدعو ہیں، وہ یہاں کے بڑے عالم ہیں اور مملکت کی طالبات کی تعلیم کے ذمہ دار بھی رہ چکے ہیں، ڈاکٹر مالک بن دُہیش کے والد بزرگوار مکۃ المکرّمۃ کے رئیس القضاۃ تھے، الغرض حسب پروگرام ان کے دولت خانہ پر حاضری ہوئی، ان کے صاحبزادوں کے علاوہ ڈاکٹر محمد بن عبید عبدالکریم سے ملاقات ہوئی، ڈاکٹر محمد بن عبید عبدالکریم صاحب علم نظر آئے، ان کی تصنیف ''دراسات نسخ البخاری'' اہم کتاب ہے، دادا جان نے ''الابواب والتراجم لصحیح البخاری'' کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے بھی دس کرتون اپنی کتابیں بھجوانے کا وعدہ کیا۔

۱۹؍رمضان کو بعد نماز عصر ڈاکٹر موفق عبدالقادر اور ڈاکٹر محمد بن عبید عبدالکریم دونوں ہی اجازت حدیث شریف کے لیے ہوٹل میں تشریف لائے، دادا جان نے ان کے سامنے حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھی، ان حضرات نے بخاری شریف کی پہلی

حدیث پڑھی، اس پر دادا جان نے آدھ گھنٹہ تقریر فرمائی، اس کے بعد ان لوگوں نے کئی علمی سوالات کیے جن کے مفصل اور اطمینان بخش جوابات دادا جان نے دیئے۔

اسی دن رابطہ عالم اسلامی کے مشہور باحث شیخ محمد سکحال تراویح کے بعد تشریف لائے اور رابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ پیش کیا، جس میں ''ازالۃ الخفاء'' کے بارے میں ان کا تفصیلی مقالہ شائع ہوا تھا، اس مقالہ میں ''ازالۃ الخفاء'' کے ترجمہ اور اس پر دادا جان کی تحقیق و تعلیق کے تعلق سے اس کا مفصل تعارف ہے، یہ کتاب ترجمہ کے بعد دادا جان کی تحقیق سے عنقریب طبع ہو کر منصۂ شہود پر آنے والی ہے، انہوں نے رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری معالی الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کے بارے میں خبر دی کہ وہ اس ہفتہ اپنی آفس میں تشریف نہیں لاسکیں گے، البتہ ان کے نائب ڈاکٹر عادل بن علی موجود ہیں ان سے ضرور ملاقات کرلیں، ان کی سیرت نبویؐ پر کئی کتابیں ہیں، چنانچہ ہم لوگ آخری دن ۲۰؍رمضان کو جس دن ہماری مدینہ منورہ کے لیے روانگی تھی، رابطہ کے دفتر میں گئے اور ان سے ملاقات کی، دادا جان کے پیروں میں تکلیف تھی اس لیے جلد ہی وہاں سے ہوٹل واپسی ہوگئی، ہوٹل سے ہم لوگ بذریعہ کار مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے اور مغرب کی نماز کے بعد مدینہ منورہ حاضری ہوئی، حرم نبویؐ میں نماز ہو چکی تھی اس لیے ہم لوگوں نے راستے ہی میں نماز ادا کرلی اور اپنی قیام گاہ باب فہد کے سامنے ہوٹل ''دار التقوی'' پہونچے البتہ عشاء اور تراویح کی نماز حرم نبویؐ میں ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، حرم نبویؐ میں روزانہ عصر کی نماز کے بعد جہاں دادا جان کی نشست ہوا کرتی تھی مصلی بچھ جایا کرتا تھا، اس کا اہتمام مولانا مفتی یونس صاحب گجراتی کرتے تھے، انہوں نے ہر طرح کی سہولت بھی مہیا کر

رکھی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔

وہیں پر حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہ العالی کے بھانجے جناب مولانا اخلد رشیدی صاحب نے باصرار دو روز افطار کا اہتمام کیا، یہیں پر مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا محمد زبیر الحسن صاحب، مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپوری اور ان کے والد محترم سے ملاقات ہوتی رہی، اسی طرح روزانہ تراویح کے بعد متعدد علمائے عرب وعجم سے ملاقات کا سلسلہ رہا، ان میں حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب اور مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس سفر کی خاص بات یہ بھی تھی کہ بہت سے عرب علماء وقضاۃ دور دراز سے حدیث شریف کی اجازت کے لیے تشریف لاتے رہے، دادا جان اپنے اصول کے مطابق حدیث مسلسل بالاولیہ، صحیح بخاری کی اول حدیث اور ترجمۃ الباب کے بعد مختصر تقریر فرماتے، کبھی کبھی صحاح ستہ اور موطا کے اوائل پڑھاتے اور تقریر فرماتے، پھر اپنی اسانید بھی ذکر فرماتے۔

ایک روز مملکت سعودی عرب کی عدالتوں کے آٹھ قاضی ہوٹل میں تشریف لائے اور اوائل صحاح ستہ پڑھی، دادا جان نے ان کے سامنے صحیح بخاری کی پہلی حدیث اور فقہ مقارن پر طویل گفتگو کرنے کے بعد ان کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی، ایک روز تو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کے صاحبزادے اور جامعہ طیبہ کے ڈائرکٹر اپنے بہت سے احباب کے ساتھ تراویح کے بعد آئے تو ان کو باب عثمان کے پاس بیٹھ کر اوائل پڑھائے اور حدیث پاک کی اجازت سے سرفراز فرمایا، حرمین شریفین کے اساتذہ بھی تشریف لائے اور حدیث کی اجازت حاصل کی، تبوک سے

تین عالم سفر کر کے محض حدیث شریف کی اجازت کی غرض سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور حدیث شریف پڑھ کر اجازت حاصل کی، اس سفر میں چالیس علمائے عرب کے علاوہ لندن اور ہندوستان سے آئے ہوئے علماء کو اجازت حدیث عطا فرمائی، بلکہ ہم لوگوں کی واپسی کے بعد بھی بہت سے لوگ دادا جان کی طلب وجستجو میں تھے کہ ان سے حدیث شریف کی خصوصی اجازت حاصل کریں، کتنے لوگ العین فون سے رابطہ کرتے رہے، ۲۸ رمضان المبارک کی شب میں مدینہ منورہ سے براہ راست دبئی واپسی ہوئی، برادرم مولانا اسعد عالم صاحب ندوی ایر پورٹ پر آ گئے تھے، وہاں سے گیارہ بجے دن میں ہم لوگ اپنی قیام گاہ العین پہنچے، الحمد للہ خیر وعافیت کے ساتھ یہ سفر سعادت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

رابطہ عالم اسلامی کی بین الاقوامی کانفرنس

''التضامن الإسلامي''

میں شرکت

بقلم: مولانا خطیب الرحمٰن ندوی

دو سال قبل رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ میں ''مشاکل وحلول'' کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس سال اس کا دوسرا اجلاس ۲/مارچ ۲۰۱۴ء سے ۴/مارچ ۲۰۱۴ء تک مکۃ المکرّمہ میں رکھا گیا جس کا خصوصی عنوان ''التضامن الإسلامی'' (اتحادوخوت اسلامی) تھا، اس کے لیے پوری دنیائے اسلام سے علماء ودعاۃ کو مدعو کیا گیا، یہ دعوت نامہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہٗ کو بہت تاخیر سے ملا، بعد میں رابطہ کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی صاحب کا فون بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا، اس لیے مولانا محترم نے ''التضامن الإسلامي في ضوء الكتاب والسنة'' کے عنوان پر مقالہ تیار فرمایا اور اس کو رابطہ کے پتہ پر بھیج دیا گیا۔

یکم مارچ کو حضرت مولانا کی ابوظبی کے لیے روانگی ہوئی، جہاز ۷/بجے شام

کوسعودی ایرلائنس سے جدہ کے لیے تھا،مولانا کے صاحبزادے ناصر رخصت کرنے ایر پورٹ تک آئے ،مولانا نے ابوظبی سے احرام کی نیت کرلی، جدہ پہنچے تو رابطہ کی طرف سے پُر تپاک استقبال کیا گیااور باہرمولانا کے شاگرد شیخ احمد محمد الحریری اوران کے رفقاء استقبال کے لیے موجود تھے ، وہاں سے مکۃ المکرّمہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ میں ہوٹل (گرانڈ کورال مکہ) میں قیام رہا،عمرہ سے فراغت کے بعد دوسرے دن ایک بجے افتتاحی جلسہ میں شرکت ہوئی، جلسے کا افتتاح السمو الملکی امیر مشعل بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود امیر مکۃ المکرّمہ نے اپنی نہایت مؤثر تقریر سے کیا، درحقیقت یہ خادم الحرمین الشریفین کا پیغام تھا جس کوانہوں نے پیش کیا،اس میں پوری امت اسلامیہ کومخاطب کیا گیا تھا، شام کو مقالات کی نشست شروع ہوئی،جس میں باہر سے آئے ہوئے مندوبین اورعلمائے کرام نے اپنے اپنے مقالات پیش کئے۔

۴/مارچ منگل کو ظہر کے بعد تجویزیں اورقراردادیں پڑھ کر سنائی گئیں، حاضرین کواپنی رائے اورمشورے دینے کا پورا اختیار دیا گیا،اس آخری نشست میں وفود کی طرف سے ترکی کے رئیس شئون دینیہ معالی الدکتور محمد کورماز کا بیان ہوا،اس کے بعد توصیات ومیثاق کو پڑھ کرسنایا گیا،اس میں رابطہ کے امین عام معالی الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی کا بہت عالمانہ وفاضلانہ بیان ہوا،اورتمام علماء وحاضرین کا شکریہ ادا کیا گیا، نیز سعودی عرب کے مفتیٔ عام اوررابطہ کے رئیس اعلیٰ جناب شیخ عبد العزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے بھی مہمانوں کاشکریہ ادا کیااور جلسے کی کامیابی کے ساتھ پوری امت اسلامیہ کے لیے دعائیں کیں،اس کے بعد جلسے کا اختتام ہوا۔

۵/مارچ بروز بدھ مکۃ المکرّمہ سے قریب چار بجے مدینہ منورہ کے لیے

روانہ ہوئے ،خصوصی گاڑی کا انتظام کیا گیا تھا، چنانچہ عشاء کے بعد فندق دارالایمان پہنچے، جہاں قیام کرنا تھا، پہنچنے سے قبل ہی مولانا کے خاص اہل تعلق جناب مفتی محمد یونس صاحب گجراتی شام کے کھانے کے ساتھ شدت سے انتظار کررہے تھے،کھانا کھانے کے بعد نماز پڑھی گئی اور تہجد کے وقت حرم نبویؐ میں حاضری ہوئی اور نماز فجر کے بعد صلاۃ وسلام پیش کرنے کے بعد ہوٹل واپسی ہوئی، وہاں اطلاع ملی کہ دس بجے مدینہ یونیورسٹی میں ایک استقبالیہ پروگرام ہے جس میں حاضری ضروری ہے، چنانچہ دس بجے جامعہ اسلامیہ پہنچے، جامعہ کے بڑے ہال کے سامنے مولانا کواعزاز کے ساتھ گاڑی سے اتارا گیااوراُن کا استقبال کیا گیا اوراندر لے جاکرخصوصی جگہ بٹھایا گیاجہاں جامعہ اسلامیہ کے ڈائرکٹر معالی الدکتورعبدالرحمٰن بن محمد السندبھی موجود تھے اورقریب ہی میں دکتورعبداللہ بن عبدالمحسن ترکی بھی تشریف فرماتھے، ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، جامعہ کے ڈائرکٹر نے تمام مہمانوں سے خصوصی ملاقات کی ، انہیں جب بتایا گیا کہ آج سے ۳۳ سال پہلے حضرت مولانا کی جامعہ میں تعیین ہوگئی تھی ، توانہوں نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا، اس تعیین کے خط کو مدیر نے محفوظ کرلیا تھا، اس کے بعد جلسہ شروع ہوا، تلاوت کلام اللہ کے بعد جامعہ کی سی ڈی دکھلائی گئی جس میں شاہ سعود بن عبدالعزیز کے زمانے میں اس کی تاسیس سے لے کر آج تک کی ترقیات کے ساتھ جامعہ کے مناظر وحالات دکھائے گئے تھے،اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نمونہ جو دنیا کی ہر زبان میں تھا پیش کیا گیا، اسی دوران ایک نو جوان شاعر نے قصیدہ شعریہ سے ڈاکٹر ترکی اور جامعہ کے ڈائرکٹر کا استقبال کیا، اس کے بعد ڈاکٹر ترکی کا بیان ہوا، انہوں نے ’’اخوت اسلامی‘‘ کے موضوع پر خطاب فرمایا، جس

کی صدا شاہ فیصل نے بلند کی تھی اور جو مملکت سعودیہ عربیہ کا شعار رہا ہے۔

اخیر میں خادم الحرمین الشریفین ملک عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ اور ولی عہد سلیمان بن عبدالعزیز حفظہ اللہ اور نائب ثانی اور امیر مدینہ فیصل بن سلیمان بن عبد العزیز اور وزیر تعلیم کا شکریہ ادا کیا گیا، بعد میں جامعہ اسلامیہ کے مدیر اور ان کے رفقاء کی بیش قیمت تحفوں اور انعامات سے تکریم کی گئی، اخیر میں تمام مہمانوں کو بھی ایک ایک حقیبہ سے نوازا گیا، حضرت مولانا نے ڈاکٹر ترکی اور مدیر جامعہ سے دوبارہ ملاقات کی، دونوں نے کہا کہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے لیے جو بھی تعاون چاہیں کیا جائے گا، آپ اس کی ساری تفصیل بھیج دیں، ظہر کی نماز جامعہ کی مسجد میں ادا کی گئی، نماز کے بعد جامعہ کی طرف سے کھانے کا انتظام تھا، جامعہ کے مدیر نے مولانا کو اپنے قریب بٹھایا اور دونوں میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی، کھانے کے بعد ہوٹل پہنچے تو ایک خوش آئند خبر یہ ملی کہ ''**المواهب اللطيفة في شرح مسند الإمام أبي حنيفة**'' حضرت مولانا کی تحقیق وتعلیق سے مزین ہوکر بہترین طباعت کے ساتھ ایک مہینہ کے اندر منصۂ شہود پر آجائے گی۔

اسی دن شب جمعہ ساڑھے نو بجے مدینہ منورہ میں ایک بڑے تاجر کے یہاں درس بخاری شریف کا پروگرام تھا جس کے لیے مولانا سے ایک سال سے فرمائش کی جارہی تھی، اس لیے ان کی گاڑی سے ان کے مزرعہ میں پہنچے جو ذرا فاصلہ پر جنت البقیع کے آگے ہے، وہاں تقریباً پچیس تیس طلبہ وعلماء بخاری شریف کے درس میں شریک تھے اور ایک مصری عالم اُن کو درس دے رہے تھے، الحمدللہ مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً) کی برکت سے بخاری شریف کی خصوصیت اور اس کے ابواب

وتراجم کے متعلق آدھے گھنٹے تفصیلی بیان ہوا، وہاں شام کا کھانا ہوا، میزبان نے مدینہ منورہ کے آثار کے فوٹو عنایت فرمائے، اس کے بعد ہوٹل واپسی ہوگئی۔

اگلے روز یعنی جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ صلاۃ وسلام کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس آئے اور وہاں سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے، جدہ پہنچ کر بھائی یونس دہلوی کے مکان پر قیام فرمایا، اُن کی نواسی کا عقد تھا اس لیے دیر رات اس میں شرکت رہی اور موقع کی مناسبت سے مختصر بیان بھی ہوا، اس موقع پر بہت سے حضرات ملاقات کے لیے آئے بالخصوص مولانا کے شاگرد دکتور الحریری صاحب، بھائی جاوید صاحب اور جدہ کے قنصل فیض احمد قدوائی صاحب اور بھائی اسماعیل صاحب گجراتی بھی موجود تھے، رات گزار کر فجر کی نماز کے بعد ایرپورٹ آئے، پونے آٹھ بجے صبح کو جہاز جدہ سے روانہ ہوکر ساڑھے گیارہ بجے دبئی پہنچا، وہاں مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی موجود تھے، ان کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں کھانے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بخیر وعافیت العین واپس آ گئے۔

حرمین شریفین کا ایک اور سفر

از: فرید الدین ندوی

ریسرچ اسکالر شارجہ یونیورسیٹی، متحدہ عرب امارات

چند سالوں سے جد مکرم کا معمول یہ ہے کہ رمضان المبارک کا اکثر حصہ حرمین شریفین کے نورانی وعرفانی ماحول میں گزارتے ہیں اور راقم سطور کو آپ کی ہم رکابی اور خدمت کی سعادت حاصل ہوتی ہے، حسب معمول امسال ۱۴۳۵ھ کو بھی جد مکرم کا حرمین شریفین کا سفر ہوا، ناچیز ہر جگہ ساتھ ساتھ رہا، ۹/ جولائی ۲۰۱۴ء مطابق ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ بروز منگل امارات ایرویز کے ذریعہ دبئی سے جدہ کے لئے روانگی ہوئی، قیام گاہ سے ہی احرام کی چادریں لپیٹ لی گئی تھیں، اور دبئی ایرپورٹ سے ہی احرام کی نیت کر لی گئی، سعودیہ عربیہ کے وقت کے مطابق ۸ بجے شب میں ہم لوگ جدہ پہونچے، بفضلہ تعالیٰ بہت ہی سہولت کے ساتھ ایرپورٹ کی جملہ کارروائی مکمل ہوگئی اور بہت جلد ہم لوگ باہر نکل آئے، وہاں داد جان کے دوست جناب ڈاکٹر حریری صاحب استقبال کے لئے موجود تھے، البتہ ہمارے قیام کے منتظم ابھی مکہ مکرمہ سے باہر ہی نکلے تھے، ان کا خیال تھا کہ ایرپورٹ کی کارروائی میں کم سے کم دو گھنٹے لگیں گے، اتنی جلد ہم لوگوں کے نکل جانے پر ان کو تعجب ہوا، حرم شریف میں عشاء کی نماز شروع ہو چکی تھی، ہم لوگ اپنی قیام گاہ ہوٹل مروہ ریحان پہونچے، تجدید وضوء

کیا اور دادا جان کو لے کر حرم شریف میں حاضری کی سعادت ملی، عشاء وتراویح سے فراغت کے بعد عمرہ مکمل کیا اور قیام گاہ واپس آ گئے۔

اس ہوٹل کے اندر بھی ایک بڑی مسجد ہے جو حرم شریف سے متصل ہے، جد محترم اکثر حرم شریف میں ہی نماز ادا کرتے ہیں البتہ گاہے عذر کی وجہ سے اس ہوٹل کی مسجد میں بھی نماز ادا کر لیتے ہیں، چنانچہ نماز فجر سے فراغت کے بعد آرام فرمایا، دن میں دس بجے کے قریب دادا جان نے رابطہ عالم اسلامی کے صدر جناب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کی سکریٹری کو فون کیا اور ملاقات کا وقت لیا، یہ دن ان کی بہت ہی مشغولیت کا تھا، اس کے باوجود ظہر بعد کا وقت انھوں نے دیا، دادا جان کے ساتھ متعینہ وقت پر رابطہ عالم اسلامی کے دفتر میں حاضری ہوئی، دفتر کے نمائندہ نے بڑا والہانہ استقبال کیا اور شیخ ترکی کے آفس میں لے کر گئے، اُن سے دادا جان کی بہت اچھی ملاقات رہی، شیخ ترکی، دادا جان سے جامعہ اسلامیہ کا نظام تعلیم وتربیت معلوم کرنے کے ساتھ مختلف علمی وتعلیمی اور دعوتی موضوعات پر تبادلۂ خیال فرماتے رہے، جد محترم نے اپنی جدید تحقیق سے آراستہ کتاب ''**المواهب اللطيفة شرح مسند الامام أبي حنيفة**'' جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور دار النوادر بیروت سے طبع ہو کر آئی ہے، پیش کیا، اس علمی تحفہ سے ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے، فرمایا: ''علامہ عابد سندھی تو بڑے زبردست عالم رہے ہیں''۔

دادا جان نے جامعہ اسلامیہ میں زیر تعمیر عظیم الشان عمارت ''دار الحدیث'' کا ذکر کیا تو فرمایا: ''ہماری رائے آپ کے کاموں کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ اس کا

نام"مـركـز الشيـخ الـدكتـور تقي الدين الندوي للدراسات الحديثية والسيـرة الـنبـوية" رکھا جائے، اس کے بعد دادا جان نے اپنی تحقیق وتعلیق سے آراستہ پہلی بار منظر عام پر آنے والی کتاب "لـمعـات التـنـقيح شرح مشكاة الـمصابيح" للشیخ عبدالحق الدہلوی پر مقدمہ لکھنے کا مطالبہ کیا جس کا وعدہ انھوں نے پہلے سے کر رکھا تھا، دادا جان نے فرمایا: کتاب کی طباعت شروع ہونے جارہی ہے، اس ہفتہ میں اگر یہ تقدیم آجائے تو ہمارے لئے خوشی کی بات ہوگی، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ ۲۸ / رمضان کو ہی ان کا عالمانہ مقدمہ آگیا، دادا جان جب ان کی آفس سے نکلے تو میڈیا والے پہلے سے وہاں موجود تھے، انھوں نے دادا جان سے کچھ علمی سوالات کئے جن کے جوابات آپ نے اختصار کے ساتھ دیئے، جد محترم کی ڈاکٹر ترکی سے ملاقات کی خبر سعودی اخبارات اور مقامی ٹی وی میں بھی نشر ہوئی۔

قیام گاہ پر واپسی ہوئی، ۱۹ رمضان المبارک تک مکہ مکرمہ میں قیام رہا، اس دوران یہاں کی اہم ترین ترجیح حرم شریف میں حاضری، نماز وطواف، اور رمضان المبارک کے معمولات کی ادائیگی رہی، البتہ تراویح کے بعد اور کبھی نماز عصر کے بعد دادا جان سے ملاقات کی غرض سے طلبہ وعلماء کی آمد رہی، جن میں اکثر ام القری یونیورسٹی کے اساتذہ وطلبہ ہوتے، افریقہ وزامبیا کے بعض علماء جن میں مولانا مفتی محمد ایوب صاحب زامبیا اور مولانا شبیر صاحب سالوجی افریقہ قابل ذکر ہیں، ایک دن تراویح کے بعد حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی حفظہ اللہ تشریف لائے، آپ سے دادا جان کے گہرے عزیزانہ دیرینہ تعلقات ہیں، ان کی آمد اور ملاقات سے دادا جان

کو ماضی کی یاد تازہ ہوگئی، انھوں نے بہت دعائیں دیں اور دادا جان سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''کہ ''داستاں میری'' بہت ہی مؤثر کتاب ہے''، اس پر دادا جان نے فرمایا: ''اس پر آپ اپنا تأثر لکھ کر بھیجیں دوسری جلد میں شامل کیا جائے گا''، لندن وغیرہ کے بعض علماء وطلبہ بھی اجازت حدیث کے لئے آتے رہے، ایک دن تراویح کے بعد تقریبا دس علماء اجازت حدیث کے لئے تشریف لائے جن میں وکیل جامعۃ ام القریٰ بھی تھے، جد محترم نے اوائل پڑھا کر مختصر کلام فرمایا اور اجازت دی۔

۱۳/ رمضان المبارک کو جد مکرم نے رئیس شئون المسجد الحرام والمسجد النبوی (امام حرمین شریفین) ڈاکٹر عبد الرحمٰن سدیس حفظہ اللہ ورعاہ کو فون کر کے ان سے ملاقات کا وقت لیا، چنانچہ ساڑھے آٹھ بجے حرم شریف میں ان کے خصوصی آفس میں حاضری ہوئی، شیخ سدیس نے باہر دادا جان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے، وہاں پر آپ کا پُر تپاک استقبال کرنے والوں میں نائب امام حرم مکی، ڈاکٹر سلیمان ابو الخیل ڈائریکٹر جامعۃ الامام محمد بن سعود، اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن سند ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھی تھے، مؤخر الذکر دونوں حضرات سے دادا جان کی اس سے قبل بھی بعض کانفرنسوں میں ملاقات رہی ہے، اور امام حرم مکی شیخ سدیس اور ان حضرات کی خدمت میں دادا جان کی کتابیں اس سے قبل پیش کی جاچکی ہیں اور ان کے شکریہ کے خطوط بھی دادا جان کے نام آچکے ہیں، ڈاکٹر عبد الرحمٰن سند ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے دادا جان کی ملاقات ابھی تین مہینہ قبل جامعہ اسلامیہ کی ''التضامن الاسلامی'' کانفرنس میں ہوئی تھی، اور انھوں نے اپنی بے پایاں

محبت کا اظہار فرمایا تھا، اس ملاقات میں شیخ سدیس بڑی الفت ومحبت سے پیش آئے، داداجان نے ''المواهب اللطيفة شرح مسند الإمام أبی حنيفة'' کا نسخہ پیش کیا جس کو انھوں نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس علمی تحفہ کو قبول کیا، داداجان نے امام حرم مکی کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ اور مرکز الشیخ مظفرپور کے لیے تشریف آوری کی دعوت بھی پیش کی، جدمکرم ان حضرات علماء عرب کے حسن اخلاق، علمی قدر دانی اور اس پر حوصلہ افزائی سے بے حد متأثر ہوئے، اور وہ اس پاک سرزمین اور ان ساعات مبارکہ میں ان کی دعاؤں کو باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کا یہ قیام، حرم مکی کا پُرکیف روحانی منظر جاذب دل ونگاہ تھا، اس کے ساتھ جدمکرم کی معیت اور اُن کی خدمت کا شرف حاصل رہا، اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے ہمارے پورے خانوادے کو ہمکنار فرمائے، آمین۔

۱۹/رمضان المبارک کو مکہ مکرمہ سے خصوصی کار کے ذریعہ ہماری روانگی مدینہ منورہ کے لئے ہوئی، مکہ سے باہر ابھی ہماری گاڑی نکلی ہی تھی کہ داداجان کے پاس ڈاکٹر موفق عبدالقادر پروفیسر حدیث جامعہ ام القریٰ کا فون آیا کہ جامعہ کے چند اساتذہ آپ سے ملاقات اور اجازت حدیث کے لئے آرہے ہیں، داداجان نے فرمایا کہ اب تو مکہ سے روانگی ہوچکی ہے ان شاء اللہ آئندہ سفر میں ملاقات ہوگی، ڈاکٹر موفق عبدالقادر حدیث کے بڑے اساتذہ میں ہیں، اس سے قبل وہ داداجان سے اجازت حدیث لے چکے ہیں، ''لمعات التنقیح'' پر ان کا مقدمہ بھی آرہا ہے۔

مدینہ میں جدِ مکرم کا قیام دارالایمان میں تھا، یہ ہوٹل مسجد نبویؐ سے متصل ہے، حرم نبویؐ میں دادا جان کی نشست وقیام کی خاص جگہ ہے، یہیں پر دادا جان کے دوست حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب دامت برکاتہم اوران کے داماد مفتی محمد یونس وغیرہ کی بھی نشست ہے، مفتی یونس صاحب دادا جان سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں اوران کی اورتمام ہی علماء ومشائخ کی جی جان سے حرم میں خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

یہاں بھی دادا جان کا معمول رمضان کی ساعتوں کو زیادہ سے زیادہ مسجد نبویؐ میں گذارنے کا رہا، زیارت کی سعادت حاصل رہی، جوارِ نبویؐ کا شرف ملا، بارگاہ نبویؐ میں صلاۃ وسلام پیش کر کے روحانی غذا حاصل کی گئی، اللہ تعالیٰ ان سعادتوں کو قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

قیام مدینہ منورہ میں بھی دادا جان سے اجازت حدیث لینے والوں کا سلسلہ جاری رہا، جس میں ریاض، کویت، سوریا اورمختلف جگہوں کے اہل علم شریک تھے، ایک دن جدِ محترم کے دوست جناب بدرالدین میمن صاحب مدنی نے (جو مدینہ منورہ کے اعیان میں سے ہیں) قریب کے ایک ہوٹل میں مدعو کیا، وہاں مولانا ابراہیم میاں صاحب افریقی اور دیگر اہل علم سے ملاقات ہوئی، دادا جان سے مل کر اُن حضرات نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، اسی مجلس میں زیارت مدینہ کے تعلق سے یہ بات آئی کہ اس موضوع پر کوئی جامع کتاب مطلوب ہے، دادا جان نے فرمایا: ''کہ اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے تین رسالے ہیں جن میں بہت ہی جامع اور مدلل

کلام کیا گیا ہے'' اس طرح آپ نے اہل علم کی توجہ ان رسائل کی طرف مبذول کرائی، ناچیز افادۂ عام کی غرض سے ان تینوں رسالوں کے اسماء درج کر رہا ہے:

(۱) الکلام المبرم فی نقض القول المحقق المحکم.

(۲) الکلام المبرور فی رد القول المنصور.

(۳) السعی المشکور فی رد المذہب المأثور (واضح الحجة فی ابطال اتمام الحجة).

مدینہ منورہ کے قیام میں ایک دن جامعہ اسلامیہ بھی حاضری ہوئی، جامعہ کے ڈائرکٹر تو موجود نہیں تھے، لیکن ان کے نائب وکیل جامعہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے دادا جان کا بڑا خیال کیا، ان سے دادا جان کی مختلف علمی وحدیثی موضوعات پر گفتگو ہوئی، ان کی یہ پیش کش رہی کہ: اگر آپ اپنے مدرسہ میں کوئی سمینار کرنا چاہیں گے تو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے تعاون کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ ان ملاقاتوں کو قبول فرمائے اور ان کو قوم وملت اور ہندوستانی مسلمانوں کی بھلائی کا ذریعہ بنائے۔

۲۷؍رمضان المبارک کو افطار مولانا اخلد رشیدی صاحب مقیم مدینہ منورہ کے دسترخوان پر کیا گیا، مولانا اخلد صاحب حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب حفظہ اللہ کے بھانجے ہیں، دادا جان نے اس موقع پر فرمایا: ''کہ یہ دسترخوان تو حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا ہے اور اس پر افطار باعث سعادت ہے''، اللہ تعالیٰ مولانا اخلد صاحب کو جزائے خیر دے۔

دادا جان کا قیام مدینہ منورہ میں ۲۸؍رمضان تک رہا، اس دوران بڑے ابو

جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ناظم جامعہ اسلامیہ اور چچا محترم جناب ناصر صاحب بھی عمرہ کے لئے تشریف لائے، ۲۸؍ کی شام میں دبئ واپسی ہوئی، یہاں بھائی اسعد عالم صاحب ندوی استقبال کے لئے موجود تھے اور ہم لوگوں کو لے کر العین مستقر پر آئے، اللہ تعالیٰ اس سفر کو قبول فرمائے اور دادا جان کے سایۂ عاطفت کو صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے، آمین۔

تیسرا باب

یورپ وافریقہ کے اسفار

برطانیہ کا

''علی میاں ندویؒ سیمینار''

میں شرکت

بقلم: ڈاکٹر ولی الدین ندوی

ناظم جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ

برطانیہ کے سفر کے لیے والد محترم کے نام متعدد بار دعوت نامے آئے، مگر مقدر سے سفر کے لیے موانع پیش آتے رہے، ادھر شروع جولائی ۲۰۰۰ء میں مسلم کمیونیٹی فورم کی طرف سے دعوت نامہ آیا پھر فون سے بھی اصرار ہوا کہ ۳۰ر جولائی کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت پر ایک سیمینار رکھا گیا ہے جس میں ہندو پاک سے مشاہیر علماء اور برطانیہ کے اہل علم کو دعوت دی گئی ہے، اس میں آپ کی شرکت بھی ضروری ہے، ۲۶ر جولائی تک مجھے سفر میں تردد تھا، مگر بالآخر سفر طے ہو گیا اور والد محترم حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی اور برادر عزیز نصیر الدین کی معیت میں سفر کا عزم کر لیا گیا، روانگی سے ایک دن پہلے فون آیا کہ کوئی مقالہ بھی ہو تو بہتر ہے، اس لیے والد صاحب نے نہایت عجلت میں ''مفکر اسلام حضرت مولانا علی

میاں صاحب اور مشائخ وقت کی ان پر خصوصی نظر‘‘ کے عنوان سے ایک مقالہ تیار کیا، اب بھی اس مقالہ کے چند گوشے نامکمل ہیں جس کی وجہ وقت کی کمی اور بعض مراجع کی عدم دستیابی تھی۔

ہم لوگ ۲۷/جولائی ۲۰۰۰ء بروز پنجشنبہ دبئی ایرپورٹ سے مانچسٹر کے لیے روانہ ہوئے، مسلسل ساڑھے سات گھنٹے کے بعد ہم برطانیہ کے مقامی وقت کے مطابق تقریباً ساڑھے بارہ بجے دوپہر کو وہاں کے ایرپورٹ پر پہونچے، اسی جہاز میں جناب مفتی احمد خانپوری صاحب جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مفتی ہیں ان سے بھی ملاقات ہوئی، ایرپورٹ پر ۲۵، ۳۰/حضرات استقبال کے لیے موجود تھے، ان میں مولانا یوسف متالا صاحب بھی تھے جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے خلیفہ و شاگرد ہیں، برطانیہ میں سب سے بڑا انہیں کا مدرسہ ہے، ان کے علاوہ فلاح دارین ترکیسر کے ناظم مولانا عبداللہ صاحب کاپودری جو والد صاحب کے دیرینہ احباب میں ہیں اپنے صاحبزادوں کے ساتھ موجود تھے، ہمارے داعی و میزبان ظفر بھائی اور ان کے رفقاء بھی تھے، جن میں بالخصوص مولانا ایوب صاحب سورتی بھی ہیں جو حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کے خلیفہ ومجاز اور برطانیہ میں دعوۃ الحق مرکز کے ذمہ دار ہیں، ان حضرات کی دید و ملاقات سے ایسی مسرت ہوئی کہ سفر کی تکان کا احساس تک نہ رہا، ایرپورٹ سے ہم لوگ بھائی ظفر صاحب کی گاڑی میں مولانا ایوب صاحب کے مکان پر (Batly) آئے جو مانچسٹر سے ۷۰/میل کے فاصلہ پر ہے، وہیں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا، جناب مولانا ایوب صاحب نے اپنے قریب آکس لینڈ روڈ پر بھائی اسماعیل کے مکان پر رہائش کا انتظام کیا تھا، ان کا مکان خالی تھا، ہم نہایت آرام کے

ساتھ اس مکان میں رہے، شام کا کھانا ظفر بھائی کے رفیق کار محمد بھائی کے یہاں تھا، یہ بھی کانفرنس کے منتظمین میں سے تھے، یہیں پر مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا قیام بھی تھا جو لکھنؤ سے اس سیمینار میں شرکت کے لیے آئے تھے، کھانے کے بعد تبلیغی مرکز جانا ہوا جو ڈیوز بیری میں واقع ہے، اس اجتماع میں تبلیغ کے کئی ذمہ دار برصغیر سے آئے تھے، چنانچہ یہاں بھائی عبدالوہاب صاحب، مولانا زبیر الحسن صاحب، مولانا سعد صاحب اور مولانا احمد لاڈ صاحب وغیرہم سے ملاقات وگفت وشنید کا موقع ملا، برطانیہ میں نو واردوں کے لیے نماز کے اوقات کا معاملہ بھی بڑا عجیب اور دلچسپ ہوتا ہے، ظہر ڈیڑھ بجے، عصر ساڑھے سات بجے مغرب ساڑھے نو بجے اور عشاء ساڑھے دس بجے ہوتی ہے، چونکہ انگلینڈ میں رات بہت چھوٹی ہوتی اور تقریباً ڈیڑھ بجے رات ہی میں صبح صادق نمودار ہوجاتی ہے اس لیے ہم لوگ ڈیڑھ بجے رات ہی میں فجر کی نماز پڑھ کر سوگئے، جب انگلینڈ میں رات کے ڈیڑھ بجتے ہیں تو ہندوستان اور امارات میں صبح ہو چکی ہوتی ہے، اس کا اثر یہ ہوا کہ معمولی نیند آئی اس کے بعد نیند بالکل اچاٹ ہوگئی، یہاں پر نو بجے صبح تک سونے کا عام معمول ہے، چنانچہ جب ہم نے صبح ۸؍ بجے باہر جھانک کر دیکھا تو کہیں کوئی آدمی نظر نہیں آیا، ہر طرف سناٹا تھا، ساڑھے آٹھ بجے کے بعد سے دودھ اور اخبار فروش نظر آنے لگے، ۹؍ بجے صبح مولانا ایوب صاحب ناشتہ لے کر پہونچے اور صاحب مکان نے چائے وغیرہ پیش کی اس وقت بڑا خوشگوار تھا یعنی کچھ ابر تھا اور دھوپ بھی تھی، میں اور برادرم نصیرالدین سلمہ چہل قدمی کرتے ہوئے اپنی قیام گاہ سے کچھ دور تک چلے گئے لیکن کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمیں جانا کہاں ہے، ہم نے ٹیکسی والے سے بس اتنا کہا کہ نزدیک کے کسی بازار لے چلو، اتفاق سے ٹیکسی ڈرائیور

ہندوستانی نژاد تھا، اس نے ہمیں (Batly) بازار پہونچا دیا، بازار تو چھوٹا تھا لیکن نہایت ہی مرتب اور صاف ستھرا تھا، ہم لوگ ایک سڑک پار کر رہے تھے، جیسے ہی سڑک پار کر کے دوسری طرف پہونچے سامنے ایک پولیس والا نظر آیا، ہم کو دیکھتے ہی اس نے انگریزی طرز کا سلام کیا اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو کہاں جانا ہے اور کس چیز کی ضرورت ہے، ہم نے اس کو بتایا کہ ہم یہاں اجنبی ہیں، ہمیں فلاں چیز کی ضرورت ہے، اس نے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اس چیز کی طرف ہماری رہنمائی کی، اس خوشگوار تجربہ کے بعد ہم لوگ بذریعہ ٹیکسی اپنی قیام گاہ پر آئے، جمعہ کا دن تھا، نماز جمعہ کی تیاری بھی کرنی تھی، نماز سے قبل والد صاحب کی تقریر بھی تھی، وقت تو آدھا گھنٹہ رکھا گیا تھا مگر لوگ دلچسپی سے سن رہے تھے اس لیے ۴۵ رمنٹ پر بیان ختم ہوا، مشہور حدیث "إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً ويضع به آخرين" موضوعِ بیان تھا، جس میں تین چیزوں پر خاص طور پر توجہ دی گئی، ایک ایمان، دوسرے تقویٰ اور تیسرے بزرگوں سے تعلق، آخر میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے کچھ حالات واقوال کا ذکر ہوا، خاص طور پر ان کے تعلق مع اللہ اور تعلق مع العلماء کے پہلو کو نمایاں کیا گیا۔

نماز عصر کے بعد ہم لوگ مولانا ایوب صاحب مظاہری مجلس دعوۃ الحق کے مرکز میں گئے، وہاں براڈ فورڈ روڈ کی جامع مسجد میں علماء کے ساتھ ایک علمی نشست کا انعقاد کیا گیا تھا، جس میں مولانا عبداللہ سورتی کاپودری صاحب اور مولانا مفتی یعقوب صاحب قاسمی بھی موجود تھے، والد محترم کی گفتگو سے پہلے مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی سے والد صاحب کے تعلق اور ان کی زندگی کے متعلق استفسار فرمایا تو گفتگو کا موضوع حضرت مولانا احمد صاحب

نوراللہ مرقدہٗ کا ذکر ہی رہا، والد صاحب نے موقع کی مناسبت سے علماء کے باہمی ربط وتعلق پر زور دیا کہ اس کی موجودہ دور میں سخت ضرورت ہے۔

کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب (مرحوم) بھی سیمینار میں مدعو تھے، ان کا فون آیا تو ان سے ملاقات کے لیے مغرب سے قبل ان کی جائے قیام پر جانا ہوا، وہ مولانا یعقوب صاحب کے مکان پر مقیم تھے، اس ملاقات سے مولانا بھی بہت خوش ہوئے، بعض مخطوطات کے ذکر کے ساتھ دیگر کئی اہم مسئلوں پر گفتگو رہی، ہماری جامعہ اسلامیہ کے لئے بعض اہم مشورے دیئے، جن سے ان کی محبت وعنایت کا اندازہ ہوا، مولانا قاسمی مدظلہ کے علمی مشاغل میں فقہ حنفی کی بعض اہم غیر مطبوعہ کتابوں کی تحقیق وتعلیق کا اہم فریضہ بھی شامل ہے جس سے ہم طالبان علم کو خاص طور پر خوشی ہوئی، یہ ہند میں اپنی نوعیت کا بڑا اہم کام ہے، مغرب کی نماز زکریا مسجد میں پڑھی گئی، اصلاً یہ ایک قدیم چرچ ہے، اس کی عمارت پر تاریخ تعمیر ۱۸۷۵ء کندہ ہے، تائید ایزدی سے مسلمانوں نے اس کو خرید کر مسجد میں تبدیل کر دیا ہے، اس کا رخ پہلے سے پورے طور پر قبلہ رو ہی ہے۔

اگلے روز ۲۹/جولائی کو ہم اپنی قیام گاہ پر ہی رہے، عصر کی نماز مدینہ مسجد باٹلی میں پڑھی، اس کے قریب ایک نیا مدرسہ تعمیر ہوا ہے، اس کے ذمہ داروں نے اس کی سیر کرائی محترم والد صاحب نے دعاء بھی کی، اتفاق سے مسجد میں ابوظبی سے ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی تھی جس میں العین کے تعلیمی امور کے ذمہ دار شیخ سہیل رکاز بھی تھے، پردیس میں ان حضرات کی دید سے قدرتاً مسرت ہوئی، مغرب کے بعد جناب مفتی ساچا صاحب اپنے مکان پر لے گئے، ان کے مکان پر اچھا کتب خانہ ہے، اس میں

مولانا محمد حسن سنبھلی صاحب کی کتاب تنسیق النظام اور ان کی ہدایہ کی شرح دیکھی، معلوم ہوا کہ یہ پاکستان سے طبع ہوئی ہے، عرصہ سے اس کی تلاش تھی اور یہیں مولانا شمیم صاحب برمی سے بھی ملاقات ہوئی، وہ حنفی علماء کے تراجم کے جمع وتدوین میں مصروف ہیں اور ہر مصنف کی جملہ تصنیفات کا رکارڈ تیار کررہے ہیں، مطبوعہ اور مخطوطہ کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، ان کے کام میں سلیقہ نمایاں ہے انہوں نے علامہ بیری زاہ جو موطا محمد کے شارح ہیں ان کے حالات وتصنیفات کا چارٹ کمپیوٹر پر دکھایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ پچاسوں کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں صرف چار طبع ہوئی ہیں، ان کا یہ کام اگر مکمل ہوجائے تو اہل علم وتحقیق کے لیے یہ بڑا مفید ثابت ہوگا، ان سے معلوم ہوا کہ علامہ محمود ٹونکی کی کتاب معجم المصنفین چار جلدوں میں بیروت سے طبع ہوئی ہے، بقیہ جلدیں معجم المؤلفین پر کام کرنے والوں نے سستے داموں پر خرید لی تھی یہ کل ۲۵ جلدیں تھیں مگر اب وہ گویا نایاب ہیں۔

۳۰؍جولائی بروز اتوار حضرت مولانا علی میاںؒ سیمینار شروع ہوا، ہم لوگ مولانا ایوب صاحب کے ساتھ وقت مقررہ پر ۱۰؍بجے صبح ڈیوز بیری کے بڑے ہال میں پہونچ گئے تھے، وہاں اور جن علماء سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں سرفہرست قاضی مجاہد الاسلام صاحب، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب، مولانا مفتی یعقوب صاحب قاسمی، مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اور مولانا سید سلمان حسینی ندوی صاحب وغیرہم ہیں، امریکہ سے ڈاکٹر مزمل صاحب بھی شریک ہوئے، بڑی محبت سے پیش آئے، ندوہ میں والد صاحب نے ان کو پڑھایا بھی تھا اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

والد صاحب کا مقالہ پہلی نشست میں ہی تھا جس کا موضوع ''مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی پر مشائخ وقت کی خصوصی نظر'' تھا چونکہ وقت صرف ۲۵/منٹ کا تھا، اس لیے مقالہ کے بجائے تقریر ہی مناسب خیال فرمایا، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی نظام کے تحت حضرت مولاناؒ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ایسا خاص انتظام کیا تھا جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتا، ایسے باکمال اساتذہ میسر آئے جو بہت کم لوگوں کو میسر ہوتے ہیں، یہ سب کچھ اس غیبی تائید کے ساتھ ہوا، جس کی بظاہر کوئی عقلی توجیہ بمشکل سمجھ میں آئے گی، اللہ نے ان سے اس دور میں خصوصی طور پر اسلام کی ترجمانی کرائی جس کا پورے عالم کو اعتراف ہے، حضرت مولاناؒ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اپنے زمانے کے اکابر و مشائخ کے یہاں محبوب و محترم تھے، خاص طور سے حضرت رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ، حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کو حضرت مولاناؒ سے انتہائی شفقت و محبت تھی، نیز خود حضرت مولانا ندوی کو ان بزرگوں سے جو والہانہ تعلق تھا اس کا بھی ذکر کیا گیا اور اس کی مثالیں بھی پیش کی گئیں، آخر میں والد محترم نے فرمایا کہ حضرت کے مشن کو آگے بڑھانا اور اس کو ترقی دینا ہمارا فریضہ ہے، اس سلسلہ میں حضرت کے قائم مقام حضرت مولانا محمد رابع ندوی مدظلہ سے ربط و تعلق بہت ضروری ہے۔

دیگر مقررین میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی تقریر بڑی پُرکشش تھی اور شام کے سیشن کی آخری تقریر جناب مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کی تھی، جو معلومات و مشمولات کے لحاظ سے بڑی اہم تھی، انہوں نے حضرت مولانا علی میاںؒ

کے افکار ونظریات پر جو روشنی ڈالی، شاید ان کا یہ خطاب الگ سے کتابی صورت میں شائع ہو، ان کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا اور میزبان مکرم بھائی ظفر صاحب اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کیا گیا۔

۳۱؍جولائی بروز شنبہ صبح ناشتہ کے بعد مولانا یعقوب صاحب سورتی اپنے دولت خانہ لے جانے کے لیے تشریف لائے، مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کا قیام وہیں تھا، کچھ لمحات گزارنے کے بعد وہاں سے ہم لوگ تقریباً ۱۲؍بجے روانہ ہوئے اور مولانا شعیب ناخدا کے ہمراہ پرسٹن (Preston) پہونچے جو باٹلی سے تقریباً ۵۰ میل کے فاصلے پر شمال مشرق میں واقع ہے، دوپہر کا کھانا مولانا شعیب ناخدا کے یہاں ہوا، چار بجے وہاں سے لنکاسٹر (Lancaster) گئے جو وہاں سے ۳۰؍میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں مولانا اسماعیل واڈی لاجپوری نے ایک شاندار عمارت خرید کر بچیوں کی تعلیم گاہ بنا دیا، مدرسہ کا نام جامعۃ الکوثر ہے، ماشاء اللہ اس مدرسہ کی عمارت نہایت خوشنما ہے، یہ ایک پرفضا مقام پر واقع ہے، إنا اعطینا ک الکوثر کی ترجمانی زبان حال سے ہو رہی تھی، یہاں آدھا گھنٹہ قیام میں ایک مختصر بیان بھی ہوا، یہاں سے ہم لوگ پرسٹن واپس آئے، عصر کی نماز ساڑھے سات بجے مسجد پرسٹن میں ادا کی گئی، خدا کا شکر ہے کہ یہاں تقریباً گیارہ مسجدیں ہیں، ہم لوگوں نے جس مسجد میں عصر کی نماز ادا کی اس کے پاس ایک چرچ اور سکھوں کا گرودوارہ بھی ہے، یہاں مسلمانوں کی تعداد کم وبیش دس ہزار کے قریب ہے، یہاں بھی بیان ہوا، عشاء کی نماز ادا کی گئی، رات کا کھانا عبداللہ موٹا کے صاحبزادے ہاشم بھائی ڈیسائی کے یہاں طے تھا، یہاں مولانا یوسف متالا اور مولانا عبداللہ صاحب بھی موجود تھے،

رات مولانا شعیب صاحب ناخدا کے یہاں گذاری گئی، یہاں ترکیسر گجرات والوں کی تعداد خاصی ہے۔

یکم اگست بروز سہ شنبہ صبح کا ناشتہ مولانا شعیب ناخدا کے یہاں ہوا، میزبان مکرم تقریباً ۱۱ر بجے صبح دارالعلوم ڈیوز بری گئے جو یہاں سے ۲۲ر میل کی مسافت پر ہے، دارالعلوم کی عمارت ایک پہاڑی ٹیلہ پر واقع ہے، طلبہ کے سامنے ایک مختصر تقریری پروگرام بھی رکھا گیا، دوپہر کا کھانا مولانا یوسف متالا کے گھر تھا، قیلولہ حضرت مولانا ہاشم صاحب پٹیل کے گھر پر ہوا جو حضرت شیخ الحدیث صاحب کے خلیفہ ومجاز ہیں، یہاں سے عصر کے قریب دارالعلوم گئے، مولانا یوسف صاحب متالا کے ساتھ چائے وغیرہ پی گئی، پھر تقریباً ساڑھے چھ بجے ہم لوگ بولٹن کے لیے روانہ ہوئے، یہ بری سے قریب ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے، یہاں مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے ایک صاحبزادے بھائی اسماعیل بھی تھے، یہاں کی جامع مسجد الرحمان میں عصر کے بعد بیان ہوا۔

مغرب کی نماز الفلاح مسجد بولٹن میں ادا کی گئی، ہم لوگ مولانا عبداللہ صاحب کے صاحبزادے بھائی اسماعیل صاحب کے گھر آئے، یہاں شام کے کھانے میں مولانا یوسف متالا، مولانا عبداللہ صاحب اور مولانا ایوب صاحب مظاہری بھی تھے، قاری یعقوب صاحب بھی ریونین سے آئے تھے، آپ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کے خلیفہ ومجاز ہیں، کھانے کے بعد حضرت مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم سے ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی، اس عشائیہ کے بعد ہم مولانا ایوب صاحب مظاہری کے شاگرد قاری اقبال صاحب اور قاری مشتاق صاحب کے گھر آئے اور رات یہیں گذاری۔

۲؍اگست بروز چہار شنبہ صبح کا ناشتہ قاری اقبال اور قاری مشتاق صاحبان کے گھر ہوا، مولانا عبداللہ صاحب سورتی کاپودروی بھی موجود تھے، یہاں سے تقریباً ۱۰؍بجے ہم لوگ برمنگھم کے لیے روانہ ہوئے، یہ شہر بولٹن سے تقریباً سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی، ہم لوگ دو گھنٹہ میں برمنگھم پہونچے، یہاں صدام حسین کی مسجد کے قریب حضرت حکیم سعد رشید کے گھر جانا ہوا، یہاں آنے کا مقصد ان کے اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار تھا، یہاں مرحوم کی اہلیہ اور ایک بچی موجود تھی، والد صاحب نے تعزیت اور دعاؤں کی تلقین کی، بیس منٹ قیام کے بعد یہاں سے ساڑھے بارہ بجے لسٹر شہر پہونچے، لسٹر شہر ایک صوبہ بھی ہے اور ایک شہر بھی، اس شہر میں تقریباً ۴۰ ہزار مسلمان ہیں، ۱۸ مسجدیں ہیں، یہاں ہم لوگ مجلس دعوۃ الحق کے مرکز میں ڈیڑھ بجے پہونچے، یہاں سے کچھ فاصلے پر مولانا محمد سلیم دھورات سے ملاقات ہوئی جنہوں نے الدعوۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک مرکز قائم کر رکھا ہے، اس کی زیارت کی گئی، یہاں پہلے سے قاضی مجاہد الاسلام اور مولانا یعقوب سورتی بھی تشریف رکھتے تھے، دوپہر کے کھانے کے بعد مرکز کی باقاعدہ زیارت کی گئی، یہ مرکز درحقیقت غیر مسلم نوجوان طلبہ کو دائرہ اسلام میں لانے اور مسلم نوجوانوں کو بے راہ روی سے بچانے کی غرض سے قائم کیا گیا ہے، ظاہری اعتبار سے بھی سلیقہ نمایاں ہے، چند فعال نوجوان ہیں جن کی مساعی بارآور نظر آتی ہیں، یہاں سے ہم مجلس دعوۃ الحق کے مرکز واپس آئے، جہاں عصر کی نماز کے بعد والد صاحب کا بیان ہوا، تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت ”**یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ**“ کی روشنی میں یہ بیان بڑا مؤثر رہا، مغرب کی نماز اسی مسجد میں

ادا کی گئی، بعد نماز شام کا کھانا کھایا گیا، مرکز دعوۃ الحق لسٹر کی نگرانی مولانا ایوب صاحب کے بھائی مولانا یونس صاحب سورتی کررہے ہیں، اس کے بعد ہم لوگ لندن کے لیے روانہ ہوئے، شہر لسٹر سے لندن تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلے پر ہے، رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ لندن پہونچے، اس وقت ہمارا قیام محمد بھائی لمباڈا اوران کے بھائی ہاشم لمباڈا کے یہاں لندن کے کلپٹن (Calpton) میں رہا۔

۳؍اگست بروز پنجشنبہ محمد بھائی لمباڈا کے یہاں ناشتہ کیا گیا، اس کے بعد ہم مولانا ایوب صاحب اور حافظ شعیب صاحب کے ہمراہ برٹش انڈین لائبریری دیکھنے گئے، معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ابتدائی کاروائی میں کافی وقت لگ گیا، گائڈ نہ ہونے کی وجہ سے بھی کافی پریشانی ہوئی، کچھ دیر کے بعد ایک انگریز ڈاکٹر بیکر آئے جو عربی سکشن کے ذمہ دار تھے، انہوں نے مخطوطات کی چند فہرستیں دکھائیں، لیکن خاطر خواہ کوئی کتاب یا مخطوطہ نہ مل سکا، ڈاکٹر بیکر ٹوٹی پھوٹی عربی بول لیتے تھے، ڈیڑھ بجے ہم لوگ لائبریری سے نکل کر حافظ شعیب صاحب کے مکان پر گئے، دوپہر کی ضیافت انہوں نے ہی کی، پھر محمد بھائی لمباڈا کے مکان پر واپس آئے، مغرب وعشاء کی نمازیں شہر کی مسجد میں ادا کی گئی جو لمباڈا صاحب کے گھر سے قریب تھی، عشائیہ کے بعد مولوی احمد اشرف ندوی کے ہاں مدعو تھے، ان کا مکان مدینہ مسجد سے چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔

۴؍اگست بروز جمعہ والد صاحب کا بیان لندن میں بالہم کے علاقہ میں مولانا منور حسین صاحب کی مسجد میں نماز جمعہ سے قبل ہوا، جس کا عنوان جنگ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخی دعا "**اللھمّ إن تهلك هٰذه العصابة لن تعبد**" تھی، نماز کے بعد مولانا منور حسین صاحب کے گھر گئے، کھانے کے بعد محمد بھائی کے

گھر واپس آ گئے، وہاں مدینہ مسجد میں والد صاحب کا بیان تھا، اس کے بعد ابوبکر سعید ندوی صاحب کے یہاں (Upton Park) لندن جانا ہوا، یہاں ایک بنگالی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی گئی، یہاں مولانا عبداللہ صاحب سورتی بھی آ گئے تھے، شام کے کھانے کی وہیں دعوت تھی، رات کو ۱۱/ بجے ہم لندن سیٹی دیکھنے گئے۔

دوسرے روز ۵/اگست بروز شنبہ ۱۱/ بجے ہم آکسفورڈ گئے، جو لندن سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں ڈاکٹر فرحان نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی، کھانے پر ان سے گفتگو سے بھی شاد کام ہوئے، ڈاکٹر اسحاق فرحان کے ساتھ آکسفورڈ یونیورسیٹی دیکھنے گئے، جو کئی مستقل بالذات کالجوں کا مجموعہ ہے، اس کی زیادہ تر عمارتیں بہت پرانی ہیں، چار سو سال کے قریب یہ قدیم عمارتیں اصلاً چرچ تھیں، جن میں کبھی عیسائیوں کی دینی تعلیم کا انتظام تھا، اب یہ عصری علوم کے کالج ہیں اور کالج کی اپنی مستقل حیثیت ہے جن میں ہر فن کے جدا شعبے ہیں، بوجوہ یہ دیگر یونیورسٹیوں سے ممتاز و نمایاں ہے، یہ تمام کالج گو اپنے شعبہ جات کے ساتھ مستقل ہیں، لیکن ان کا تعلق آکسفورڈ یونیورسٹی سے ہی ہے، بلکہ ان تمام کالجوں کے مجموعہ کا نام ہی آکسفورڈ یونیورسٹی ہے، دنیا کی اس مشہور دانش گاہ کی سیر میں برادرم اکرم ندوی اور مولانا ایوب صاحب سورتی بھی ہمراہ تھے، یہیں اسلامک اسٹڈیز سنٹر کو دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، سنیچر کے دن کی وجہ سے دفاتر بند تھے لیکن چند دفتروں کو مولوی اکرم ندوی نے کھول کر دکھایا، یہ سنٹر آکسفورڈ سے بالکل متصل ہے، اس علمی زیارت کے بعد ساڑھے چار بجے مولوی اکرم ندوی صاحب کے گھر ہلکا سا کھانا کھایا گیا، اس موقع پر

مولوی ابو یوسف ریاض الحق بھی برمنگھم سے آ گئے تھے، سات بجے شام کو آکسفورڈ سے ہیتھرو ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے، یہ ایرپورٹ آکسفورڈ اور لندن کے وسط میں واقع ہے، ایرپورٹ پر مولانا ایوب صاحب کے بھائی مولوی یعقوب صاحب بھی آ گئے تھے، وقت مقررہ پر کاروائیوں سے نپٹ کر مولانا ایوب صاحب سے رخصت ہوئے، الحمدللہ ساڑھے آٹھ بجے صبح دبئی ایرپورٹ پر پہونچے اور ساڑھے دس بجے العین بخیر و عافیت پہونچ گئے، وللہ الحمد۔

چندایام ماریشس اورری یونین کے جزیرہ میں

بقلم: مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
اسسٹنٹ پروفیسر کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ والعربیۃ دبئی
وناظم جامعہ اسلامیہ مظفر پوراعظم گڑھ

حضرت والد صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درس و تدریس کا سلسلہ ترک کر کے ۱۹۶۷ء کے اواخر میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے ایماء پر مدرسہ فلاح دارین ترکیسر گجرات آ گئے تھے، وہاں تقریباً چار سال کا عرصہ گذارا اور فلاح دارین کے شیخ الحدیث رہے، ترکیسر کا قصبہ گجرات میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، حضرت موسیٰ جی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا یہ مستقر رہا ہے، یہیں پر ان کا مزار بھی ہے۔

حضرت موسیٰ جی ترکیسریؒ جو حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب (متوفی ۲/رجب ۱۳۴۴ھ) (بانی مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ) کے شیخ ہیں، مدرسہ فرقانیہ تجوید قرآن و حفظ کے لئے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، مولانا عین القضاۃ صاحب نے حضرت موسیٰ جی سے بیعت کی غرض سے ترکیسر کا سفر کیا تھا اور ان سے طریقۂ نقشبندیہ میں استفادہ کر کے ان کے خاص مسترشدین میں ہو گئے تھے۔

ترکیسر میں بہت زمانے سے ایک ابتدائی دینی مدرسہ قائم تھا، راوت فیملی جو ترکیسر ہی کی رہنے والی ہے لیکن اب یہ خاندان ری یونین میں آباد ہے، افراد خاندان وہاں تجارت کرتے ہیں، لیکن ترکیسر سے ہجرت کے بعد بھی اللہ کی توفیق سے انہوں نے اس مدرسہ کا غیر معمولی اہتمام کیا، یہاں تک کہ اس کو ایک جامعہ بنادیا، والد صاحب کے زمانۂ قیام میں وہاں کے لوگوں نے اور خاص طور سے راوت گھرانے نے بہت ہی محبت اور تعلق کا معاملہ رکھا تھا۔

مگر ۱۹۷۲ء کی ابتداء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے والد صاحب کو بذل المجہود شرح سنن أبي داود کی خدمت کے لئے اپنے پاس بلالیا، اس واقعہ کو تقریباً ۳۴ سال ہورہے ہیں، یہ طویل زمانہ ہے، خیال تھا کہ اہل گجرات بھول چکے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہوا، آج سے چھ سال پہلے انجلترا (باتلی) شہر میں حضرت مولانا علی میاںؒ پر ایک سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں والد صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا، اس سفر میں یہ ناچیز بھی حضرت والد صاحب کے ساتھ حاضر ہوا تھا، وہاں کے جس ہال میں جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں حاضرین کی تعداد چودہ پندرہ سو ہوگئی تھی، اکثر شرکائے جلسہ گجرات کے حضرات تھے، اختتام جلسہ پر بہت سے حضرات، والد صاحب سے مصافحہ وملاقات کے لئے آئے، جن میں ترکیسر کے حضرات کی تعداد کافی تھی، ان حضرات نے والد صاحب کے ساتھ بہت ہی محبت کا اظہار کیا، بعد میں دعوت دے کر اپنے یہاں لے گئے۔

اسی طرح چند سال قبل جنوبی افریقہ سے والد صاحب کے نام ایک دعوت نامہ آیا، حضرت والد صاحب کو جنوبی افریقہ کے سفر میں تردد تھا لیکن داعی نے اصرار

سے بتایا کہ ہم ترکیسر کے رہنے والے ہیں ہماری دعوت قبول کی جائے ،حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سفر کی ترغیب دی تھی ، چنانچہ حضرت والد صاحب نے دس دن کے لئے جنوبی افریقہ کے سفر کا ارادہ کیا اور مختلف شہروں میں بیان ہوا۔

جناب مولانا خلیل راوت صاحب جو جناب محترم حاجی موسیٰ جی کے صاحبزادے ہیں اوراس وقت فلاح دارین ترکیسر کے وہی سرپرست بھی ہیں، انہوں نے آج سے چھ ماہ پیشتر ری یونین کے سفر کی دعوت دی تھی حضرت والد ماجد صاحب مختلف مشاغل خاص طور سے بذل المجہود کی طباعت کے آخری مرحلے میں ہونے کی وجہ سے معذور تھے، نیز ہندوستان کا سفر ضروری تھا جس میں بنگلور وبھٹکل وغیرہ کا پہلے سے پروگرام طے تھا، اسی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کی نگرانی اور مرکز الشیخ ابی الحسن ندوی کے علمی کاموں کے اشراف کی شدید ضرورت تھی، اس لئے ہندوستان کا قیام طویل ہوگیا اور واپسی دیر سے ۱۰/اگست کو ہوئی، ادھر مولانا خلیل راوت صاحب نے بتایا کہ ۱۹/اگست کی تاریخ میں ہم نے ایک بڑے اجتماع کا انتظام کیا ہے جس میں یہاں کے سارے علماء شریک ہوں گے، اس میں عوام کا بھی مجمع ہوگا ان سب کا اعلان ہو چکا ہے، اس لئے والد صاحب کو تیار کریں کہ ۱۷/اگست کو یہاں ضرور تشریف لے آئیں، والد صاحب کو میں نے مولانا راوت صاحب کا پیغام پہونچا دیا، انہوں نے یہ سن کر سفر کا ارادہ کرلیا۔

چنانچہ ۱۶/اگست بروز بدھ ۱۱ بجے شب دبئی سے روانہ ہوکر ماریشس ساڑھے نو بجے صبح پہونچے ، وہاں پر جناب عبدالخالق راوت صاحب نے استقبال کیا ،

جمعرات و جمعہ کو وہاں پر قیام رہا، انہوں نے شہر کی سیر کرائی، عشاء کی نماز کے بعد ایک مسجد میں مختصر بیان ہوا، جمعہ کی نماز سینٹ لوئیس شہر کی جامع مسجد میں ادا کی گئی، نماز سے قبل نصف گھنٹہ بیان ہوا، حاضرین نے بہت غور اور دلچسپی سے سنا، یہاں کی اکثر آبادی ہندوستانیوں پر مشتمل ہے، اس کی مجموعی آبادی بارہ لاکھ ہے جس میں تقریباً دو لاکھ مسلمان ہیں، جمعہ کے روز پانچ بجے ری یونین جانا تھا، وہاں مولانا خلیل راوت صاحب کے علاوہ اور بہت سے حضرات انتظار کر رہے تھے لیکن یہ سفر ساڑھے سات بجے شام کو ہو سکا۔

ہم لوگ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ری یونین پہونچ گئے، وہاں اچھی خاصی تعداد علماء و فضلاء کی تھی جو دیر سے انتظار میں کھڑے تھے، سلام و مصافحہ کے بعد ہم لوگ وہاں سے روانہ ہو کر مولانا خلیل راوت صاحب کے دولت کدہ پر آئے اور وہیں قیام رہا، شام کے کھانے پر بہت سے حضرات موجود تھے جن میں ان کے والد محترم جناب موسیٰ جی راوت صاحب بھی تھے، والد صاحب سے ان کی ملاقات کا عجیب منظر تھا، فجر کی نماز کے بعد روزانہ والد صاحب کو مولانا خلیل راوت صاحب وغیرہ سمندر کے کنارے تفریح کے لئے لے جاتے تھے یہ بڑا دلکش منظر ہوتا تھا۔

۱۹/اگست بروز سنیچر مدرسہ انس بن مالک لتحفیظ القرآن الکریم کی زیارت کے لئے گئے، جس کو مولانا خلیل راوت کے چچا جناب حاجی یوسف راوت مرحوم نے جو والد صاحب کے قدردانوں میں تھے قائم کیا ہے، اس کے پروگرام میں والد صاحب کو مولانا خلیل راوت صاحب لے گئے، وہاں مدرسین وطلبہ سے ملاقات ہوئی، بعض طلبہ نے حفظ قرآن و تجوید کا بہترین نمونہ پیش کیا، اس پر والد صاحب نے ایک

مختصر و جامع تقریر حفظ قرآن وتجوید کی اہمیت پر کی اور دعا کے بعد جلسہ ختم ہوا، وہاں سے جناب فاروق یوسف راوت صاحب کے مکان پر جانا ہوا، انہوں نے دوپہر کے کھانے کا انتظام کیا تھا، اور اپنے بھائیوں واعزہ وعلماء کو جمع کیا تھا، ان سب حضرات سے ملاقات وتعارف ہوا، اسی دن شام کو عشاء کے بعد وہاں کے ایک بڑے ہال میں بڑے جلسے کا پروگرام تھا جس کا بہت پہلے سے اعلان کیا جا چکا تھا، اس میں دور دراز سے علماء اور عامۃ الناس و مدرسوں کے طلباء و ذمہ داران شریک تھے، عورتیں بھی بڑی تعداد میں شریک تھیں جن کے لئے پردے کا خاص انتظام تھا، جلسہ میں مختلف پروگرام پیش کیے گئے جو زیادہ تر فرنچ زبان میں تھے، بچوں کے مکالمات و ڈرامے اور تجوید و حفظ کے نمونے بھی تھے اور وہاں کے کام کا تعارف بھی کرایا گیا، ساڑھے گیارہ بجے کے بعد حضرت والد صاحب کے استقبال میں ایک نظم پیش کی گئی، معلوم ہوا کہ مدرسہ فلاح دارین کے شیخ الحدیث مولانا ذوالفقار صاحب مرحوم نے بھجوائی ہے، جس کو قاری عبداللطیف پٹیل نے بہت ہی اچھے انداز میں پیش کیا، ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ مجمع بھی ان کے آہنگ میں شریک ہوگیا جس سے ایک خاص اثر ہوگیا، والد صاحب کے بیان اور دعا پر بارہ بجے جلسہ ختم ہوا۔

۱۹ر اگست کوری یونین کے بڑے ہال میں جو جلسہ ہوا تھا اس میں جناب قاری عبداللطیف صاحب پٹیل نے یہ نظم خاص انداز سے پڑھی اور انھوں نے فرمایا ''جناب صدر! مہمان خاص حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم کے ورود مسعود کے موقع پر نذرانۂ ترحیب پیش کرنے کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہوئے چند اشعار گوش گذار کر رہا ہوں امید ہے کہ سماعت فرمائیں گے''۔

ایک مدت سے تھا جس کا انتظار آ ہی گیا　　ہو رہا تھا ذکر جس کا بار بار آ ہی گیا
بر سرِ مجلس ہوئی آمد تقی الدین کی　　دیکھ کر اربابِ مجلس کو قرار آ ہی گیا

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی
جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

مدرسہ قائم کیا جس نے مظفر پور میں　　لے کے ہاتھوں میں وہ حق کی ذوالفقار آ ہی گیا
شیخ زکریا اکیڈمی کا جو ہے اعزازی مدیر　　مجلس دینی میں ہو کے خندہ بار آ ہی گیا

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی
جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

خدمتِ دیں کے لئے جو کہ ابوظہبی گیا　　دین و ملت کا وہی تو پاسدار آ ہی گیا
جو ابوظہبی میں ہے اک چیف جسٹس کا مشیر　　مرحبا وہ باعثِ صد افتخار آ ہی گیا

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی
جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

جس کی تصنیفات کی تعداد تینتالیس[۱] ہے　　وہ محقق وہ محشی جاندار آ ہی گیا
اوجز و بذل و دراری کو حواشی بھی دیئے　　پاک ہے جس کا قلم وہ زرنگار آ ہی گیا

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی
جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

جو رہا ندوے کا اک بافیض استاذِ حدیث　　بوالحسن ندویؒ کا پکا راز دار آ ہی گیا
اور ترکیسر میں ہیں جس کے نقوشِ دیرپا　　علم کا وہ بحرِ نا پیدا کنار آ ہی گیا

---

[۱] یہ تعداد اس زمانہ کی ہے جس میں بعد میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی

جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

مدرسہ تحفیظ قرآں جوری یونین میں ہے فرید　　اس کے گلشن میں وہ رشک گل عذار آ ہی گیا

مرحبا کہتے ہیں دل سے آج مولانا خلیل　　بلبلانِ دیں کے چہروں پر نکھار آ ہی گیا

جس کو کہتے ہیں تقی الدین ندوی اعظمی

جو ستاروں میں ہے کامل بدر وہ آ ہی گیا

۲۰ راگست کو جناب مولانا خلیل راوت صاحب اور مولانا سعید انگار صاحب کی معیت میں ری یونین جانا ہوا جو فرانس کے تابع ایک چھوٹا اور سبزہ زار جزیرہ ہے، اس کی مجموعی آبادی آٹھ لاکھ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۸۰ ہزار ہے، خصوصیت سے گجراتی مسلمانوں کی تعداد پچیس ہزار کے قریب ہے، ان کی وہاں تجارتیں ہیں، انہوں نے اپنی دینی اور اسلامی روایات کو باقی رکھا ہے، پورے جزیرہ میں نہایت امن وامان ہے، مسلمانوں میں دینی تعلیم خصوصاً حفظ وتجوید کا بہت اہتمام ہے، ہم لوگوں کو ان حضرات نے اس خوبصورت جزیرہ کی سیر کرائی۔

جب ہم لوگ اس تاریخی سیاحت سے واپس ہوئے تو چار بجے شام کو سینٹ پال شہر کے لئے نکلے اور راستے میں خوبصورت مناظر کا مشاہدہ کرتے ہوئے وہاں کی جامع مسجد میں پہونچ گئے جہاں پر علماء کی خاصی تعداد منتظر تھی، حضرت والد صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیۃ وصحاح ستہ کے اوائل پڑھا کر سب کو اجازت حدیث دی، وہاں پردے میں مستورات بھی تھیں، انہوں نے بھی اجازت حدیث لی اور حدیث شریف کی مناسبت سے مختصر بیان بھی ہوا۔

۲۱؍اگست کو۱۰؍بجے مختلف حضرات کی زیارت کے لئے نکلے،اس میں مولانا نورگت صاحب کے صاحبزادے عزیزم اسحاق نورگت کی دعوت پر ان کے گھر پر حاضری ہوئی، وہ اوران کے اعزہ بہت محبت سے پیش آئے ،شام کے وقت عشاء کے بعد سینٹ ڈینس کی جامع مسجد میں جس سے متصل تبلیغی جماعت کا مرکز ہے،اسراء و معراج کی مناسبت سے وہاں بیان ہوا،اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہ اسلام ایک عالمی پیغام ہے جو دنیا کو انسانیت ومحبت کی دعوت دیتا ہےاس پہلو پر خاص طور پر زور دیا،اس تقریر کا ترجمہ مولانا محمد نورگت نے بہت اچھے انداز میں پیش کیا۔

۲۲؍اگست بروز منگل مولانا خلیل راوت صاحب،مولانا سعید انگار صاحب مولانا اسماعیل صاحب ، قاری سعید زبیراور قاری سعید نورگت کے ہمراہ حسب پروگرام ری یونین کے جنوبی ساحلی شہر سینٹ پیر کے لئے روانہ ہوئے ، راستہ مختلف پہاڑوں کے بیچ سے گزرا ہے،جس میں مختلف قدرتی مناظر کا مشاہدہ کرتے ہوئے ہم لوگ گزر رہے تھے،تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہم کو بتایا گیا کہ یہاں پر دارالعلوم اشرفیہ ہے،جس میں بخاری شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، رک کر اس کی سرسری زیارت کی گئی ، اس لئے کہ مدرسہ میں چھٹی ہو چکی تھی ، مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد زکریا گنگات وغیرہ سے ملاقات ہوئی،انہوں نے مدرسہ وکتب خانہ دکھلایا،ان کے کتب خانہ میں اوجز المسالک کا جدید نسخہ دیکھ کر خوشی ہوئی،معلوم ہوا کہ اس سے قبل وہ العین آ کر مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے،ان کے مدرسے کا مختصر معائنہ بھی لکھا گیا۔

ظہر کے وقت ہم لوگ سینٹ پیر پہونچے ، یہاں کی جامع مسجد جوری یونین کی سب سے بڑی اور سب سے خوبصورت مسجد ہے اس میں ظہر کی نماز ادا کی گئی ،علماء

اور وہاں کے حاضرین سے ملاقات ہوئی، جناب قاری یوسف پٹیل صاحب سے جو جناب مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب کے رشتہ دار ہیں ان کے یہاں کھانا کھانا تھا اور مولانا محمد اسحاق گنگات کے یہاں رات کا قیام رہا، وہ وہاں ''المرکز الاسلامی'' کے ناظم ہیں، ان کے علاوہ جناب قاری یعقوب صاحب اور حضرت مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہ کے کئی متعلقین سے وہاں ملاقاتیں ہوئیں۔

عصر کی نماز کے بعد ''المرکز الاسلامی'' کی زیارت کے لئے ہم لوگ گئے جس کے صدر مولانا سعید انگار صاحب اور اس کے ناظم مولانا محمد اسحاق گنگات صاحب ہیں، ان حضرات نے اپنی مخلصانہ جدوجہد سے ری یونین کے علماء کو مرکز سے جوڑ رکھا ہے اور متعدد کتابیں بالخصوص حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کی کتب فضائل کو فرنچ زبان میں شائع کیا ہے، نیز اس مرکز سے فرنچ زبان میں ایک مجلّہ بھی نکلتا ہے جو اس پورے علاقے میں پڑھا جاتا ہے، وہاں پر لوگوں کے فقہی و دینی سوالات کے جوابات کا بھی انتظام ہے، اچھا خاصا وہاں دینی کتابوں کا مکتبہ ہے، عشاء کی نماز کے بعد والد صاحب کا بیان تھا، اچھا خاصا مجمع تھا، تلاوت قرآن پاک کے بعد جناب قاری یعقوب صاحب نے جو حضرت مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہ کے متعلقین میں ہیں، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم بہت ہی مؤثر انداز میں پڑھی، اس کے بعد والد صاحب کی تقریر ہوئی، جناب محمد پٹیل صاحب نے فرنچ زبان میں اس کا خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا، رات میں مولانا اسحاق گنگات صاحب کے مکان پر قیام رہا۔

۲۳ر اگست کی صبح کو ناشتہ کے بعد جامع مسجد سے متصل مدرسہ تحفیظ القرآن

کی زیارت کے لئے لوگ والد صاحب کو لے گئے، بچوں نے حفظ وقراءت کے اچھے نمونے پیش کئے، والد صاحب نے مختصر بیان فرمایا، شام کو ساڑھے تین بجے ہم لوگ شہر سینٹ کے لئے روانہ ہوئے، راستے میں جناب یوسف راوت صاحب کے لڑکے یاسین راوت نے اپنے شاپنگ سنٹر کے لئے دعا کی دعوت دی تھی، چنانچہ وہاں پہونچ کر دعا کی گئی، اس کے بعد شہر سینٹ لیویس میں جناب مولانا اسماعیل صاحب کے داماد مولانا حسین صاحب جو نیوٹاؤن کراچی کے فارغ التحصیل ہیں ان کے یہاں عصر کی نماز پڑھی گئی۔

۲۴ راگست فجر کی نماز کے بعد مولانا خلیل راوت صاحب ہم لوگوں کو مدرسہ تحفیظ القرآن (تعلیم الاسلام) کی زیارت کے لئے لے گئے، استقبال کے لئے وہاں کے مہتمم مولانا معصومی صاحب وغیرہ موجود تھے، بچوں نے تجوید وقراءت کے اچھے نمونے پیش کئے، وہاں بھی ان لوگوں کی فرمائش پر معائنہ تحریر فرمایا، ناشتہ مولانا نورگت رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولوی شعیب نورگت کے یہاں رہا، یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ مولانا نورگت صاحب مرحوم گجرات کے بڑے علماء میں تھے اور ان کا حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے گہرا تعلق تھا، یہاں کے قیام میں ان کے چاروں صاحبزادے ایوب واسحاق، مولوی یوسف اور مولوی شعیب صاحبان بڑی عقیدت سے والد صاحب سے ملتے رہے، مولوی اسحاق نورگت کے گھر بھی جانا ہوا، یہاں بعض عورتیں بیعت بھی ہوئیں۔

اس کے بعد ہم لوگ یہاں کے مدرسۃ البنات گئے، یہاں مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم ہوتی ہے، یہاں والد صاحب کا مشکوٰۃ شریف کی اہمیت اور حدیث کی

کتابوں میں اس کا مقام اوراس کی شروح اور دیگر امور پر بہت علمی بیان ہوا، بعض طالبات کا علمی جواب بھی دیا، وہاں سے بارہ بجے کے قریب ہم لوگ حاجی یوسف راوت مرحوم کے داماد مولوی ابراہیم کے یہاں گئے، یہاں علماء کے ساتھ ایک خاص مجلس رہی، مختلف موضوعات پر گفتگو رہی، دوپہر کا کھانا بھی انہیں کے یہاں تھا، اس میں جناب حاجی موسیٰ راوت صاحب بھی موجود تھے۔

ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کیا گیا اور ساڑھے چار بجے ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہوئے، وقت مقررہ پر جہاز پر سوار ہو گئے، معلوم ہوا کہ جہاز خرابی کی وجہ سے ابھی پرواز نہ کر سکے گا لیکن تقریباً ساڑھے تین گھنٹہ کے طویل انتظار کے بعد یہ جہاز ماریشس پہونچا، پھر یہاں امارات ایرلائنس کے ذریعہ بحمد اللہ دبئی واپس آ گئے۔

ختم بخاری کے لئے برطانیہ کا سفر

بقلم: مولوی اسعد عالم مظاہری ندوی

بہت دنوں سے برطانیہ کے سفر کے دعوت نامے مل رہے تھے، خصوصاً وہاں کے احباب میں مولانا محمد ایوب سورتی جن کا تعلق نانا جان حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری سے قدیمی رہا ہے اور جو حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کے خصوصی خلفاء میں ہیں، لیسٹر برطانیہ میں مجلس دعوت الحق کے بانی و مؤسس اور سرپرست بھی ہیں اور اس وقت دارالعلوم لیسٹر میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں، انہوں نے آج سے سات سال پیشتر جب برطانیہ باٹلی میں بعنوان حضرت مولانا علی میاں ندوی ایک سمینار کیا گیا تو اس میں نانا جان کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔

حضرت مولانا ہردوئیؒ کو جب اس کا علم ہوا تو خصوصیت سے فرمایا کہ ہمارے مولانا ایوب سورتی کا خیال کیجئے گا اور ان کے مرکز کی بھی زیارت کیجئے گا، اس سفر میں بھی جناب مولانا ایوب سورتی شروع سے لے کر آخر تک ساتھ ساتھ رہے، اس مرتبہ جب مولانا محمد اسماعیل صاحب مہتمم دارالعلوم کی طرف سے دارالعلوم میں ختم بخاری کے لیے دعوت نامہ موصول ہوا اور مولانا محمد ایوب صاحب نے نانا جان سے بات کی تو نانا جان کچھ تیار ہوئے، جب حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کو اس سفر کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اس سفر کے لیے خاص طور سے تاکید فرمائی۔

نانا جان ہندوستان سے ۲۴؍جولائی کو ابوظبی واپس تشریف لائے تو برطانیہ کے سفر کے لیے تیار تھے، انہوں نے مجھے اس سفر میں اپنے ساتھ رکھا، الحمدللہ سہولت سے برطانیہ کے ویزے کی کارروائی ہوگئی۔

۴؍اگست ۲۰۰۷ء کو یہ سفر دبئی ایرپورٹ سے طیران الامارات سے ساڑھے تین بجے دن میں شروع ہوا اور سات گھنٹے کے بعد برمنگھم ایرپورٹ، برطانیہ کے وقت کے مطابق مغرب سے پہلے پہونچے اور وہاں قانونی کارروائیوں سے بہت جلد فارغ ہوکر جب سامان لینے گئے تو معلوم ہوا کہ بڑا بیگ دبئی سے آیا ہی نہیں، اس میں نانا کی دوائیں اور کپڑے وغیرہ تھے، شکایت لکھوا کر باہر آئے تو وہاں تقریباً پچیس علماء جن میں مولانا محمد ایوب سورتی صاحب اور مولانا ادریس صاحب اور مولوی زکریا صاحب وغیرہ انتظار کررہے تھے، ملاقات وسلام ودعا کے بعد وہاں سے مجلس دعوت الحق آئے جہاں ہمارے قیام کا انتظام تھا، دوسرے دن ۵؍اگست کو مجلس دعوت الحق کی مسجد میں علماء وفضلاء کا اجتماع رکھا گیا جس میں تقریباً ساٹھ علماء نے شرکت کی، نانا جان نے اوائل صحاح ستہ اور مسلسل بالاولیہ اور حدیث الاسودین (التمر والماء) پڑھا کر اجازت دی اور مختصر تقریر کی، چوں کہ ہمارے ہمراہ وثیقۃ الاجازۃ موجود تھا اس لیے سب کے نام لکھ کر یہ سند ہر ایک کے حوالے کی گئی، اس کے بعد مجلس دعوت الحق کی مسجد ومدرسے کی زیارت کی گئی، یہ بالکل ہردوئی کے مدرسے کا نمونہ ہے، اس کے امام مولانا محمد ایوب سورتی صاحب کے داماد مولوی عمران ہیں جو قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں، ان کی قراءت سے ہردوئی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اس کے اوپری حصے میں تصنیف وتالیف کی جگہ ہے اور اچھا خاصا کتب خانہ ہے، حضرت ہردوئی نوراللہ مرقدہ

کی پسندیدہ کتابیں اوران کی تعلیمات کواردو کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔

۵؍اگست کوختم بخاری کا اصل جلسہ تھا جس کے لیے سفرکر کے نانا جان تشریف لائے تھے، یہاں ظہر وعصر میں کافی وقفہ رہتا ہے، تقریباً آٹھ بجکر چالیس منٹ پرعصر کی نماز ہوتی ہے اس لیے عصر سے دوگھنٹہ قبل جلسہ گاہ میں شرکت کے لئے جانا ہوا، جلسہ دیر سے چل رہا تھا، اس جلسے میں حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری شریف کی آخری حدیث مع ترجمۃ الباب پڑھی گئی اوراس پرایک مفصل تقریر ہوئی، مجمع علماء و فضلاء اورخواص اور طلبہ پرمشتمل تھا اورعوام الناس بھی کافی تعداد میں تھے، اس میں بخاری شریف کے اہم نکات بیان کئے گئے، اس کے بعد حفاظ کرام کی دستار بندی ہوئی، اس کے بعد وہاں سے واپس اپنے مستقر مجلس دعوت الحق آئے۔

مغرب کی نماز کے بعد وہاں کے مکاتب و مدارس کے بہت سے علماء ملاقات کے لیے آئے تھے، ان سے ملاقاتیں ہوئیں اورعشاء کی نماز کے بعد الحمد للہ سامان مل گیا، اس میں دوائیں تھیں جو بہت اہم تھیں، فجر کے بعد روزانہ باہر ٹہلنے کا معمول تھا، مولانا ادریس صاحب قریبی پارک میں اپنی گاڑی سے لے جایا کرتے اور آدھا گھنٹہ چہل قدمی کے بعد واپسی ہوتی، روزانہ کا یہی معمول رہا۔

۶؍اگست دوشنبہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے جناب مولانا سلیم دھورات صاحب جونانا سے غیرمعمولی تعلق رکھتے ہیں اور جوالعین تشریف لاکر دعوت بھی دے چکے تھے، ان کے مدرسہ (ریاض العلوم، اکیڈمی) میں ختم مشکوٰۃ کا جلسہ تھا، اس میں علماء وفضلاء وطلبہ شریک تھے اور طالبات کی ایک جماعت جووہاں مشکوٰۃ شریف پڑھ

رہی تھی پردے میں وہ بھی موجود تھی، وہاں بھی بہت مؤثر بیان ہوا، مسلسل بالاولیہ اور اوائل صحاح ستہ پڑھ کر سب کو حدیث کی اجازت بھی دی گئی، مشکوٰۃ شریف پر بہت مؤثر بیان ہوا، دوپہر کا کھانا مولانا کے یہاں تناول کیا گیا اور وہاں سے واپسی ہوئی اوران کے مدرسہ ومسجد کی جدید تعمیر جو بہت عظیم عمارت ہے اور زیرتعمیر ہے وہاں دعا کرائی، اس میں کافی لوگ شریک تھے۔

شام کو ایک بڑے مدرسے جامعہ علوم القرآن میں جس کے بانی جناب مولانا آدم صاحب ہیں بخاری شریف اور صحاح ستہ کے افتتاح کے موقع پر ایک مفصل تقریر کی، سامعین نے بہت دلجمعی سے سنا اور علماء کو اوائل پڑھا کر اجازت بھی دی اور مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے مستقر واپسی ہوئی۔

۷/اگست بروز منگل ناشتے کے بعد سے مولانا زبیر صاحب کی گاڑی پر ڈیوزبری کے لیے روانہ ہوئے، وہاں مولانا محمد یوسف متالا صاحب کا مدرسہ ہے جو برطانیہ کا بہت قدیم مدرسہ ہے اور یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے ایماء پر قائم کیا گیا تھا۔

اس مدرسے کے قیام سے نانا جان کا بھی تعلق رہا ہے، اس لیے کہ مولانا یوسف متالا صاحب جب یہاں کی کسی مسجد میں امامت کرتے تھے انہیں ایام میں انہوں نے اپنی کتاب اطاعت رسول تصنیف کی تھی، اس کتاب کی نظر ثانی اور مقدمہ لکھنے اور طباعت کی ذمہ داری حضرت نانا جان کو دی گئی تھی، اس کتاب کے آخری صفحہ میں نانا جان نے پورے مدرسے کا نقشہ تحریر فرمایا اور یہ تحریر حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کو سنائی، اس پر حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اس میں

ایک سطر کا اضافہ بھی فرمایا ، یہ کتاب جس وقت وہاں پہونچی تو مولانا محمد یوسف صاحب اوران کے متعلقین کوشوق پیدا ہوااوراس تحریر نے مولانا اوران کے متعلقین میں مدرسہ بنانے کا جذبہ پیدا کیا، یہ خط اوراس کا جواب مکاتیبِ حضرت شیخ میں شائع ہو چکا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب سفر میں تھے،لیکن اس مدرسے میں حاضری کے لیے مولانا نے اپنے متعلقین اور مولانا محمد ہاشم صاحب کو جوحضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ ہیں پہلے سے اطلاع کردی تھی، مدرسے میں حاضری ہوئی، بیان ہوا اور کتب خانے کی زیارت ہوئی، یہ سن کرخوشی ہوئی کہ اس مدرسہ میں ۴۴ رطلبہ فارغ ہورہے ہیں، وہاں سے مولانا ہاشم صاحب کے مکان پر حاضری ہوئی اور چائے ناشتہ کے بعد باٹلی شہر کے لیے روانہ ہوئے،کھانے کا انتظام مولانا اسماعیل کاپودری جو جناب مولانا عبداللہ کاپودری صاحب ناظم دارالعلوم ترکیسر گجرات کے صاحبزادے ہیں،انہوں نے اپنے ایک قریبی عزیز جناب فاروق بھائی مونگیراصاحب کے یہاں انتظام کیا تھا جن کا دبئی میں قیام ہے،کھانے کے بعد مولانا اسماعیل صاحب کے یہاں آرام کیا، جناب مولانا عبداللہ صاحب کاپودری کے ناناجان سے دیرینہ تعلقات ہیں ان سے فون پر بات ہوئی ،مولانا کا قیام کناڈا میں ہے،ان کی صحت کے لیے بخاری شریف کے ختم کے وقت خصوصیت سے دعا کی گئی تھی،اس سے انہوں نے خوشی کا اظہار فرمایا،ان کا آپریشن ہونے والا ہے، ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل صاحب نے اپنے والدمحترم کی چند کتابیں ہدیۃً پیش کیں۔

وہاں سے عصر سے پہلے مانچسٹر کے لیے روانگی ہوئی، راستے میں مولانا زبیر

صاحب اوران کے دوستوں نے ایک مسجد و مدرسہ کی نئی جگہ مانچسٹر میں خریدی ہے جس کی تکمیل کے لیے انہوں نے دعا کروائی، اس کے بعد مفتی یوسف ساچا صاحب کی دعوت پر باٹلی جانا ہوا، انہوں نے اوران کے متعلقین نے بہت زیادہ اہتمام فرمایا اور مغرب کی نماز کے بعد علماء وفضلاء اور ائمۂ مساجد کا ایک بڑا اجتماع رکھا، اس میں تقریباً پچاس ساٹھ علماء وفضلاء شریک تھے، صحاح ستہ کے اوائل اور حدیث مسلسل بالاولیہ اور حدیث الاسودین (التمر والماء) پڑھ کر اجازت لی، انہوں نے اس سے پہلے نانا جان کی کتاب ''الدر الثمین بأ سانید الشیخ تقی الدین'' جو حال ہی میں بیروت سے چھپ کر آئی تھی اور جس کے دو ایک نسخے ساتھ تھے مفتی صاحب نے اس کا فوٹو لیا، اس لئے حدیث مسلسل بالاولیہ اور صحاح ستہ، موطأین، مسند امام احمد، شرح معانی الآثار للطحاوی اور مشکوٰۃ المصابیح کے اوائل پڑھا کر اجازت دی، رات میں جناب مفتی یوسف ساچا صاحب کے یہاں قیام تھا، ماشاء اللہ ان کے گھر میں بہت اچھا مکتبہ ہے اور دار العلوم بری میں وہ حدیث وفقہ کی بڑی کتابیں پڑھاتے ہیں۔

عشاء کے بعد مختلف لوگوں سے ملاقاتیں رہیں، اس کے بعد وہاں سے حسب پروگرام ساڑھے نو بجے تبلیغی مرکز کے لیے روانگی ہوئی جہاں بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کی مناسبت سے تقریر کرنی تھی، راستے میں مولانا یعقوب کاوی صاحب نے ناشتے کا انتظام کیا تھا، ناشتے سے فراغت کے بعد ان کے مکتبہ کی زیارت کی، وہاں سے مرکز گئے جہاں مولانا احمد پٹیل اور مولانا یوسف صاحب انتظار کر رہے تھے، مولانا یوسف درانی اور جابر بھائی بھی تھے جو ہمارے وطن اعظم گڑھ تشریف لا چکے ہیں۔

یہاں پر حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری شریف ومشکوٰۃ شریف کی ابتداو

انتہا پر مؤثر تقریر ہوئی اور تبلیغی کاموں کو بھی اجاگر کیا گیا، علماء کے اصرار پر سب کو اجازت حدیث دی گئی، دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا، فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد ۳۴؍ تھی، دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اسی سے متصل تبلیغی مرکز بھی ہے جو بہت صاف وشفاف ہے، اتنی صفائی کم دیکھنے کو ملتی ہے، وہاں دولڑکوں نے عبارت پڑھی اور بہت اچھی عبارت پڑھی، معلوم ہوا کہ نحو وصرف کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، تبلیغی کام کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تعلیمی نگرانی بھی کی جاتی ہے، اس کی مسجد نہایت شاندار اور وسیع ہے، وہاں سے ہمارا قافلہ مولانا ایوب صاحب سورتی اور مولانا یوسف درانی اور جابر بھائی کے ہمراہ لمبی مسافت طے کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف متالا صاحب کے دوسرے مدرسے مدرسہ مدینۃ العلوم پہونچا، یہاں بھی دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے، یہاں کے مہتمم مولانا احمد پٹاس اور ان کے دوستوں نے استقبال کیا اور نہایت شاندار کھانا کھلایا، تھوڑی دیر آرام کے بعد قبل العصر پون گھنٹہ بیان ہوا، طلبہ وفضلاء سب کو حدیث کی اجازت دی گئی اور وہاں سے روانہ ہوکر مجلس دعوت الحق اپنے مستقر پر آ گئے اور مختلف دوستوں سے ملاقات ہوئی اور یہ پتہ چلا کہ مولانا مفتی یونس صاحب جو حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب مدنی کے داماد ہیں ہمارے قافلہ میں شریک ہونے کے لیے رات میں تشریف لا چکے ہیں، ان کو شروع ہی میں شریک ہونا تھا لیکن کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی، رات میں مولانا اقبال اعظمی صاحب سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ایک درجن سے زائد کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، انہوں نے اپنی ساری کتابوں کو دکھایا، خاص طور سے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے، ان کے علاوہ ہمارے ایک عزیز جو لندن میں ہی رہتے ہیں، ان بھی سے

ملاقات ہوئی۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد براہ لندن ہماری واپسی تھی، دوپہر کا کھانا محمد بھائی لمباڑہ کے یہاں طے تھا جو حضرت مولانا حکیم اختر صاحب کے متعلقین میں ہیں، ان کے یہاں کھانا کھا کر آرام کرنا تھا، اس کے بعد حسب پروگرام روانگی تھی، راستے میں مولانا شعیب مونگیرا کے مکتبہ کی زیارت کی جو لندن کا سب سے بڑا مکتبہ ہے، وہ ہماری تمام کتابیں مثلاً ''ذکر زکریا'' و''بذل المجہود'' وغیرہ منگاتے رہتے ہیں، اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ ان کے والد، نانا جان کے شاگرد ہیں۔

راستے میں مولانا مفتی یونس کے ایک دوست کی دوکان کا افتتاح تھا، وہاں دعا کرائی گئی، اس کے بعد محمد بھائی لمباڑہ کے گھر پہونچے تو پتہ چلا کہ دس بارہ علماء آنے والے ہیں جن میں شیخ الحدیث دارالعلوم لندن مفتی فاروق صاحب اور ایک خاتون بھی تھیں جو''نبراس الساری فی أطراف البخاری'' پر کام کر رہی ہیں، وہ دوسو میل کی مسافت طے کر کے حدیث کی اجازت لینے کے لیے آ رہی تھیں، کھانے کے بعد اوائل پڑھا کر ان سب کو اجازت دی گئی اور اسانید پر دستخط کئے، وہاں آرام کر کے چار بجے ایرپورٹ روانہ ہوئے۔

اس مختصر سے قیام میں نانا جان کے کئی دوست احباب سے جن میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی بھی ہیں ملاقات نہ ہو سکی جس کا افسوس تھا، معلوم ہوا کہ وقت تنگ ہے اور ایرپورٹ کے لیے پہلے نکلنا پڑے گا، ایرپورٹ پر نانا جان کے پرانے دوست محمد عبداللہ العتیبہ جو ابوظبی کے اعیان میں سے ہیں ان سے بات بھی ہو گئی تھی، وہ ایرپورٹ پر انتظار کر رہے تھے، انہوں نے لندن ایرپورٹ پر وہیل چیر کا انتظام کر دیا تھا

جس سے کافی سہولت ہوئی ،اس کے بعد مولانا ایوب سورتی صاحب اور مولانا مفتی یونس صاحب اوران کے ساتھیوں کورخصت کر کے جہاز کے لیے روانہ ہوئے ، جہاز اپنے وقت ۸/بجکر ۴۰/منٹ پر روانہ ہوا،مغرب وعشا اور فجر جہاز پر پڑھی گئی، ۶/بجکر ۳۰/منٹ پر دبئی آئے ،وہاں سے گاڑی کا انتظام تھا،الحمدللہ ۸/بجکر ۴۰/منٹ پر اپنے مستقر العین پہونچ گئے۔

چوتھا باب

اسفارِ ہند

جمبوسر گجرات کا ایک یادگار سفر

بقلم: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

سفر زندگی کا صرف ایک حصہ ہی نہیں بلکہ زندگی خود ایک مسلسل سفر کا نام ہے، بعض لوگ سفر سے گھبراتے ہیں اور بعض لوگ دلچسپی لیتے ہیں، ان گھبرانے والوں میں ہمارے محسن بانی جامعہ مولانا تقی الدین ندوی مدظلہ ہیں، جب کوئی مثالی شخصیت شمع کا روپ اختیار کر لیتی ہے تو پروانے اس پر جان دیتے ہی ہیں، پھر تو شمع کو جلنا اور سلگنا ہی پڑتا ہے، چونکہ سفر کی وجہ سے مولانا موصوف کے تصنیفی کام میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے، لیکن بعض لوگوں کے اصرار پر سفر پر مجبور ہونا ہی پڑتا ہے۔

آپ دنیا کے ابھی کچھ دنوں قبل سبز وشاداب ملک ساؤتھ افریقہ کے خالص علمی اور اصلاحی سفر سے واپس ہوئے تھے، وہ ساؤتھ افریقہ جس کے بالائے زمیں اور زیر زمیں ہنر ہی ہنر ہے، اوپر شادابی اور رعنائی اور نیچے معدنیات کی کانیں ہیں، بتاتے ہیں قدرتی حسن کے اعتبار سے یہاں کے مشہور شہر جوہانسبرگ، پرلٹوریا ڈربن وغیرہ، لندن اور نیویارک وغیرہ سے آگے ہیں کم نہیں۔

ساؤتھ افریقہ کے گیارہ روزہ کامیاب سفر سے آپ امارات پہنچے ہی تھے کہ ہندوستان کا سفر پیش آ گیا پھر بھوپال، گجرات، سہارنپور دیگر مقامات سے لوگوں کا

تقاضا شروع ہوگیا، بہرحال مولانا اقبال صاحب ناظم جامعہ علوم القرآن کے اصرار پر حضرت مولانا (ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ) تیار ہوکر روانہ ہوگئے۔

راقم الحروف (حبیب الرحمٰن) ہم سفر رہا، گھر سے نکل کر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہ گورینی سے ملاقات کر کے دہلی روانہ ہوگئے، جہاز وقت سے مل گیا، نظام الدین مرکز میں قیام پذیر ہوئے، نظام الدین اہل وفا کی بستی ہے، یہاں اللہ کے دیوانوں کا ہجوم لگا رہتا ہے، یہاں کا منظر عجیب دل آویز جاں آفریں ہوتا ہے، جیسے ایمان کی بہاریں چل رہی ہیں، علم ویقین کے شمعیں روشن رہتی ہیں، ایک مرد آگاہ اس جذبہ کے ساتھ اٹھا تھا ۔

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم

اس کا جذبہ اندروں کام آیا، تمناؤں کے پھول کھل اٹھے، گلشن اسلام میں بہار آگئی، ہم کیف وسرور کی بستی نظام الدین سے روانہ ہوکر ایرپورٹ پہونچ کر جہاز پر سوار ہوئے، ۳۰ رستمبر ۹۷ء بروز منگل سات بجکر پانچ منٹ پر بڑودہ ہوائی اڈہ پر جہاز اترا، وہاں سے ایک قافلہ کے ساتھ علوم القرآن جمبوسر، بھروچ (گجرات) روانہ ہوئے، دس بجے یہ کارواں جامعہ کے دروازے پر پہنچا، طلبہ اور علماء کی دو رویہ کیاریاں بنی تھیں، گویا نوری کرنیں بکھری تھیں، یہ مطلوب ومحبوب کو پاکر خوشی ومسرت کے نغمے گا رہے تھے اور نعرے مستانہ بھی لگائے جارہے تھے، ملا کی اذانوں میں پرورش پانے والے نونہال مجاہد کی اذاں کی زندہ تصویر تھے، یہ دینی مراکز اور علمی چھاؤنیاں دراصل اسلام کی شہر پناہ ہیں، وقت رفتہ رفتہ گزرتا رہا، بعد عصر مولانا نے بچوں کو حفظ قرآن ختم کرایا، اس کی عظمت اور حاملین قرآن پر پرمغز، مختصر اور جامع بیان فرمایا، بعد مغرب

متصلاً جامعہ کے عالیشان مسجد میں اجلاس عام شروع ہوا، جلسہ میں قریب و بعید کے کافی لوگ اکٹھا تھے، صدارت مولانا علی صاحب مدظلہ نے فرمائی، اناؤنسری مولانا عبدالرشید صاحب نے ،کلمات سپاس مولانا محمد صاحب مدنی نے ،کلمات ترحیب مولانا مفتی ابراہیم صاحب نے، جلسہ ایک نوری کہکشاں بنا ہوا تھا، جامعہ کے روح رواں مفتی احمد صاحب اور ناظم اعلیٰ مولانا محمد اقبال صاحب فلاحی اور دیگر اساتذہ اور طلبہ کی حسن کارکردگی نے جامعہ کی خوبصورت وسیع عمارت نے مل جل کر دوآتشہ بنادیا ہے، دل کو قرار آیا کہ آج بھی لوگ بڑی تعداد میں اہل دل سے دل لگائے ہوئے ہیں، یہ اسلام کی عظمت اور اس کی ترقی کی دلیل ہے، جلسہ کی کارروائی دھیرے دھیرے آگے بڑھتی رہی، حضرت مولانا نے بہت کھل کر بشاشت سے ایک گھنٹہ سے زائد بصیرت افروز دینی، اصلاحی، تحقیقی، سیاسی گفتگو کی، تقریر ختم ہوتے ہی انسانوں کا ایک جنگل سلام ومصافحہ کے لیے ٹوٹ پڑا۔ بہرحال جلسہ ختم ہوا، دوسرے روز بچوں کا گھر آمود، دارالعلوم کنتھاریہ، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ جانا ہوا، دوپہر کا کھانا ماٹلی والا میں کھایا گیا، بعد نماز ظہر استقبالیہ اجلاس ہوا، مولانا نے بڑے انشراح کے ساتھ آدھ گھنٹہ بیان فرمایا، رات دارالعلوم بڑودہ میں آکر گذاری گئی، صبح سویرے ہوائی اڈہ پرآکر ایک پورے قافلہ نے الوداع کہا، ہم ان کی یادوں میں کھوکر رہ گئے، پورے سفر میں جہاں جہاں جانا ہوا وہاں کے لوگوں کے اخلاق اور مہمان نوازی نے بہت متاثر کیا۔

رابطہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام

بنگلور کے سمینار میں شرکت

بقلم: صلاح الدین ندوی

رابطہ ادب اسلامی اپنی علمی وادبی خدمات اور پیہم سرگرم عمل رہنے کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں معروف ومشہور ہے اوراس کے سیمینار ملک اور بیرون ملک میں پابندی اور تسلسل سے ہوتے رہے ہیں۔

گذشتہ ۲۷؍جون ۲۰۰۴ء کواس کا ایک اور سمینار بعنوان: ''حضرت فتح علی ٹیپو سلطان شہیدؒ، حیات وکارنامے'' کے عنوان سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زیر صدارت شہر بنگلور میں منعقد ہوا، حضرت صدر محترم مدظلہ کے ایماء پر سرپرست جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ العالی نے بھی سمینار میں شرکت کا ارادہ فرمایا اور پروگرام کے مطابق اپنے مستقر ابوظبی سے وہ بنگلور پہونچ گئے اور وہاں کے مشہور دینی تعلیمی ادارہ ''سبیل الرشاد'' میں سیمنار میں شرکت فرمائی۔

سمینار کی پہلی نشست گیارہ تا ڈیڑھ بجے اور دوسری نشست نماز ظہر اور

کھانے سے فراغت کے بعد تقریباً ساڑھے پانچ بجے تک جاری رہی، بذل المجہود کی تحقیق وتعلیق اور اس کی جدید طباعت کی مشغولیت نے حضرت سرپرست محترم کو مقالے کی تیاری کا موقع نہ دیا، تاہم آپ نے ٹیپو سلطان شہیدؒ کی عبقری اور مجاہدانہ شخصیت، نیز ایسے اہم قیمتی سمینار کے انعقاد کے تعلق سے پندرہ منٹ ایک جامع اور بصیرت افروز خطاب فرمایا، آپ نے آیت **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** کے تحت جہاد اور شہادت کی تشریح کرتے ہوئے سلطان ٹیپو شہیدؒ اور عظیم المرتبت مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی (۵۸۹ھ) اور حضرت سید احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) وشہدائے بالاکوٹ کا ذکر فرمایا کہ سلطان شہیدؒ اور سید شہیدؒ نے جام شہادت نوش کر کے اس ملک کی، نیز اسلام اور مسلمانوں کی عزت بچانے کی کوشش کی، ان کی شہادت میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یہ عظیم پیغام ہے کہ ان دونوں حضرات نے ایک ایسی جیل (نسل) تیار کردی جس نے اس ملک میں انگریزوں کا انخلاء اور تصفیہ کرنا اپنا مشن اور نصب العین بنایا اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے بقاء اور تحفظ کی خاطر کثرت سے مدارس قائم کئے، جس طرح امام غزالیؒ نے ''احیاء علوم الدین'' لکھ کر تعلیم وتربیت کا عظیم کارنامہ انجام دیا، انہوں نے احیاء العلوم میں جہاد کے بجائے عبادات واخلاق حسنہ جیسے ابواب قائم کر کے اس نسل کی تربیت نفس کا سامان پیدا کیا، اس کی بنیاد پر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں سے بیت المقدس کو طویل جنگ کے بعد آزاد کرایا، یہاں جہاد سے مراد صرف جنگ ولڑائی نہیں بلکہ جہاد بالنفس اور تربیت بھی ہے، اس طرح ان بزرگوں کے کارناموں کو دوام حاصل ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

سمینار سے فرصت پا کر دوسرے روز مختلف حضرات سے ملاقاتیں رہیں جن میں خصوصیت سے بنگلور کے مشہور تاجر الحاج ضیاء اللہ شریف صاحب قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اسلامی تعلیم اور خدمت خلق کے لیے ایک عظیم ادارہ بنام ''دارالامور ٹیپو سلطان اعلیٰ تعلیمی وتحقیقی مرکز'' قائم کیا۔

اس ادارہ کا قیام، شریف فاؤنڈیشن کے تحت میسور کے قریب سرنگا پٹن میں مقبرہ سلطان شہیدؒ کے جوار میں ملک کے سرکردہ علماء اور دانشوران ملت کی رہبری میں مؤرخہ ۵ رمئی ۲۰۰۲ء کو عمل میں آیا، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس کا سنگ بنیاد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا تھا۔

دارالامور کے تعارف کے لئے ''اسلامی تعلیم اور خدمت خلق'' کا عنوان بہت ہی جامع اور موزوں ہے، اس کا مقصد اسلامی واخلاقی تعلیم کے ساتھ سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم ہے، دارالامور کے طلبہ کو سائنس، تاریخ ہند اور اسلام و دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ذرائع ابلاغ برائے دعوت، کمپیوٹر اور انگریزی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ قرآن و حدیث و فقہ کے علاوہ حالات حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر اسلامی اقدار کی نمائندگی زندگی کے ہر شعبہ میں ہو سکے، اور ان امور کی تعلیم کے نتیجے میں پوری بصیرت وشعور کے ساتھ بہترین استاذ، داعی، مبلغ، نیز اچھے سماجی قائد تیار ہوں جو معاشرہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دے سکیں۔

دارالامور میں صرف فضلائے مدارس اسلامیہ کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے،

اس کا کورس ایک سالہ ہے اور عصری تعلیمات پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ یہ سنٹر ٹیپو سلطان شہیدؒ کے نظریے اور مشن کی طرف رہنمائی کرے گا، ایسے اداروں کے قیام کی شدید ضرورت ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں۔

''ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہتے ہوئے جدید علوم وفنون یا سائنس اور ٹکنالوجی میں بھی کمال حاصل کر کے دین ابدی کی ہر حیثیت سے بقاواستحکام کا سامان نہ پیدا کرلیں''۔

اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے الفاظ میں:

حضرت مولانا (علی میاں صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دل سے قدر کی تھی اور بلند توقعات قائم کی تھی، جامعات اسلامیہ کے فارغین وقت کے تقاضوں کے مطابق جن صلاحیتوں کے ضرورت مند ہیں ان صلاحیتوں کو پیدا کرنے کے لئے ماہرین فن کے خطبات کرائے جاتے ہیں، سب سے بڑی اور مسرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب نہایت صحیح الفکر اور اسلامی دعوت وفکر کو پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دیا جارہا ہے۔

جناب ضیاء اللہ شریف صاحب نے دارالامور کی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ شہر بنگلور میں یتامی کی ہر نوع کی کفالت کے لیے یتیم خانہ قائم کیا ہے اور اس کے ساتھ میڈیکل کالج بھی چلا رہے ہیں، حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا اور ضیاء اللہ شریف صاحب کو مبارکباد اور دعائیں دیں۔

حضرت کا یہ دو روزہ با مقصد سفر تمام ہوا، اس پورے سفر میں ناظم جامعہ جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی آپ کے رفیق اور شریک سفر رہے، اس علمی سفر کا ایک اہم محرک یہ بھی تھا کہ وہاں عارضہ چشم کے لیے ایک ماہر امراض چشم سے مشورہ اور علاج کیا جا سکے، ۲۹؍جون کو بنگلور سے ابوظبی کے لیے واپسی ہوئی۔

گجرات کا ایک یادگار سفر

بقلم: مولوی حسان اختر ندوی

صوبۂ گجرات ماضی میں بہت بڑا علمی و دینی مرکز رہا ہے، اس کی سرزمین پر مشہور تبع تابعی سعد بن ربیع سعدی متوفی ۱٦۰ھ مدفون ہیں جن کا علم حدیث کے اولین مؤلفین میں شمار ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے دور سے قبل خصوصیت سے علم حدیث میں گجرات کا بہت اونچا مقام رہا ہے، اس باب میں اس کو مرکزیت حاصل تھی، یہی سرزمین علامہ طاہر پٹنی صاحب مجمع بحارالانوار، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی اور ملا نورالدین وغیرہ کا مسکن رہی ہے جنھوں نے علم حدیث کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، ان بزرگوں کے بعد بھی اس علاقے میں بڑے بڑے اہل علم اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوئے، انہیں کی برکتوں سے گجرات میں علم کا ہمیشہ چرچا رہا اور اس زمانے میں بھی مدارس و مکاتب کا ایک طویل سلسلہ ہے، یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے اور خصوصاً مدراس عربیہ کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے، یہاں کے اہل خیر کی امداد و تعاون سے شمالی ہند کے بڑے بڑے مدارس کو بھی قوت حاصل ہے۔

ہمارے جامعہ کے بانی و سرپرست حضرت مولانا مدظلہ العالی بھی آج سے چالیس سال قبل گجرات میں تقریباً چار سال قیام کر چکے ہیں اور ان کو وہاں پر بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، اس زمانے کے بہت

سے اہل تعلق اور شاگرد ہیں جو ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم کے متحدہ عرب امارات منتقل ہو جانے کے بعد بھی ان حضرات کا والہانہ تعلق رہا، انہیں اہل تعلق میں مولانا غلام محمد وستانوی حفظہ اللہ کی ذات بھی ہے جن سے اللہ تعالیٰ مہاراشٹر میں ''اکل کوا'' کے مقام پر بہت بڑا کام لے رہا ہے، موصوف عرصہ سے خواہش مند تھے کہ حضرت مولانا مدظلہ العالی ان کے جامعہ میں تشریف لائیں اور بخاری شریف کا آخری درس دیں، ادھر چند سالوں سے اس اصرار میں شدت آتی گئی، اسی دوران جامعہ حسینیہ راندیرا اور جامعہ اشرفیہ راندیر کے ارباب اہتمام نے بھی ختم بخاری شریف کی دعوت حضرت مولانا کو دی اور اس سلسلہ میں انجینئر جناب ذاکر قریشی صاحب اور جناب الطاف قریشی صاحب کو واسطہ بنایا گیا اور حضرت مولانا سے گجرات کے سفر کے لیے تیار ہونے کی شدید خواہش کی گئی، حضرت مولانا نے ان اہل تعلق کے اصرار پر اپنی خرابی صحت اور بے شمار علمی و تحقیقی مشاغل کے باوجود ان حضرات کی دعوت کو قبول فرما کر گجرات کے سفر کا ارادہ فرما لیا، مدینہ منورہ سے حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب نے بھی اس دعوت کی درخواست کی تھی اور خود بھی اپنی تشریف آوری سے حضرت کی ہمرکابی فرمائی۔

چنانچہ ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۴ء کی شام کو ابوظبی سے ممبئی کے لیے حضرت مولانا کی روانگی ہوئی، وہاں حضرت نے اپنی ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے تین دن قیام فرمایا اور ۲۰ر ستمبر ۲۰۰۴ء کی صبح کو بھائی الطاف صاحب انجینئر اور رفیق سفر مولوی صلاح الدین ندوی کے ساتھ بمبئی شتابدی اکسپریس کے ذریعہ گجرات کے لیے روانگی ہوئی، گیارہ بجے بھڑوچ پہونچے، اسٹیشن پر استقبال کے لیے بڑی تعداد موجود تھی، بالخصوص

حضرت مولانا اسماعیل بدات صاحب، شیخ محمود منیار صاحب، مفتی احمد دیولا صاحب مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر اوران کے نائب مولانا محمد اقبال صاحب فلاحی وغیرہ قابل ذکر ہیں، وہاں سے کاپودرہ جانا ہوا، مولانا عبداللہ کاپودری صاحب سے دیرینہ اور خصوصی تعلق کی وجہ سے ان کے دولت خانہ پر ضیافت کا انتظام تھا، مولانا سے حضرت کا خصوصی تعلق رہا ہے، وہاں علماء کی خاصی تعداد موجود تھی، علم حدیث اور بذل المجہود موضوع گفتگو رہا، وہاں سے ''اکل کوا'' کا سفر ہوا اور دو بجے ''اکل کوا'' وارد ہوئے، بعد نماز ظہر مولانا غلام محمد وستانوی اور ان کے صاحبزادگان سے ملاقات ہوئی، ان حضرات نے بہت ہی پُر جوش انداز میں حضرت مولانا کا استقبال کیا، بعد نماز عصر ڈھائی سو سے زائد مدرسین کے مجمع میں حضرت نے خطاب فرمایا جس میں اخلاص واختصاص اور توکل علی اللہ کی تلقین کی اور فرمایا کہ مدارس کے علماء کی یہی چیزیں شان امتیازی ہیں اور ہمیں ان اوصاف سے متصف ہونا چاہئے۔

بعد نماز مغرب حضرت نے جامعہ کے بعض شعبوں کی زیارت فرمائی، طلباء و مدرسین کی کثرت، تعلیم کا تنوع، طویل عمارتوں اور حسن انتظام وانصرام کو دیکھ کر قلبی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کو ایک غیر معمولی کارنامہ قرار دیا جو اللہ کے ایک بندے کے ذریعہ اس صحرا میں انجام پارہا ہے۔

دوسرے دن ۲۱؍ستمبر ۲۰۰۴ء کو وہاں کی عظیم الشان میمن مسجد میں ختم بخاری شریف کی تقریب تھی جس میں گردونواح کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی، حضرت مدظلہ العالی نے بخاری شریف کے آخری باب اور اس کی آخری حدیث پر نہایت عالمانہ اور محققانہ تقریر فرمائی ہے۔

اس کے بعد حضرت نے جامعہ کے مختلف شعبوں، میڈیکل کالج اور قدیم مکتب کا (جہاں سے مولانا وستانوی صاحب نے اپنے کام کا آغاز فرمایا) معائنہ فرمایا اور اپنی دلی خوشی کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

نماز ظہر اور طعام وقیلولہ کے بعد تین بجے یہ قافلہ ترکیسر کے لیے روانہ ہوا، یہاں کی دعوت حاجی موسیٰ راوت صاحب کے صاحبزادے مولانا خلیل راوت صاحب نے دی تھی، مدرسہ کے ناظم اور اہل تعلق نے استقبال کیا، بعد نماز مغرب حضرت نے پون گھنٹے مسجد میں خطاب فرمایا، وہاں بھی بہت سے اہل تعلق سے ملاقاتیں رہیں خصوصاً حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق رکھنے والے مولانا نورگت صاحب مرحوم کے پوتے اور مولانا آدم پٹیل صاحب (جن سے حضرت مدظلہ کے دوستانہ روابط ہیں) کے دولت کدہ پر بھی حاضری ہوئی، وہاں حضرت مولانا عین القضاۃ لکھنویؒ کے شیخ، حضرت موسیٰ جیؒ کے مزار پر حاضری اور فاتحہ خوانی کے بعد کیم کی طرف روانگی فرمائی، راستہ میں نورنگر کے لوگوں کے اصرار پر وہاں مولانا نورگت صاحب مرحوم کے قائم کردہ مدرسہ میں دعا کے لیے تشریف لے گئے، نماز عشاء اور دعا کے بعد یہ قافلہ سورت پہونچا، یہاں شیخ محمود منیار کے مکان پر قیام رہا اور ان کے اعزہ واقارب اور جناب عبدالحفیظ منیار صاحب اور حکیم شارق صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں۔

اگلے روز ۲۲ ستمبر کو حضرت مولانا گجرات کے مشہور ادارہ جامعہ حسینیہ راندیر کے جلسے میں تشریف لے گئے، اس مدرسہ کا قیام ۱۹۱۷ء میں عمل میں آیا اور خصوصیت سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی

اور درس کا آغاز بھی فرمایا تھا، جلسہ میں طلبہ کے ثقافتی پروگرام اور مہتمم مدرسہ کے سالانہ رپورٹ پیش کرنے کے بعد حضرت نے بخاری شریف کا آخری درس دیا اور سوا گھنٹے کی تقریر اور دعا کے بعد طلبہ کو دستارِ فضیلت باندھی گئی، جامعہ حسینیہ کے پروگرام اور اس کے معائنہ کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے مہتمم صاحب کی خواہش پر ڈابھیل جانا ہوا اور شیخ محمود منیار کی رفاقت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے کتب خانے کا معائنہ کیا گیا، ۲۲ ہزار کتابوں پر مشتمل یہ کتب خانہ بہت ہی منظّم اور مرتب ہے، اس جامعہ کا سنگ بنیاد ۱۹۰۸ء میں رکھا گیا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے نابغۂ روزگار علماء کے قیام سے اس مدرسے کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور ''المجمع العلمی'' کے قیام نے تو اس کا فیض عالمی بنا دیا۔

بعد نماز مغرب طلبائے جامعہ نے بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھ کر اجازت حدیث لی، ساتھ ہی حضرت والا مدظلہ نے طلباء کو حدیث مسلسل بالاولیہ کی بھی اجازت مرحمت فرمائی اور مختصر لیکن نہایت پُر مغز خطاب فرمایا۔

عشاء کی نماز کے بعد انجینئر ذاکر قریشی صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی جناب الطاف قریشی صاحب نے عشائیہ کا انتظام پٹنی ہال میں کیا تھا، جہاں انہوں نے مدارس کے علماء اور فضلاء کے ساتھ شہر کے سربرآوردہ حضرات کی ایک بڑی تعداد کو مدعو کر رکھا تھا، درحقیقت یہ عشائیہ باضابطہ ایک تعارفی نشست تھی، چنانچہ تلاوت کلام پاک کے بعد مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب کو دعوت دی گئی، موصوف نے حضرت والا کی شخصیت کا تعارف کرایا اور ان کے علمی وتحقیقی کارناموں کو سراہا اور حضرت سے بھی احوال زندگی بیان کرنے کی درخواست کی، چنانچہ حضرت مولانا نے

اپنی علمی اور تدریسی زندگی پر روشنی ڈالی جو یقیناً ایک جہد مسلسل، عمل پیہم کا مرقع ہے اور طالب راہ کے لیے خود اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اگلے روز ۲۳؍ستمبر کو دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں ختم بخاری شریف اور دستار بندی کے سالانہ جلسہ میں جانے کا پروگرام طے تھا، اس دارالعلوم کی بنیاد حاجی اشرف صاحب راندیریؒ نے حضرت شیخ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے مشورہ سے ۱۸۷۶ء میں رکھی تھی، اس وقت اس کے مہتمم مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیری ہیں، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، مہتمم صاحب کی مفصل سالانہ رپورٹ کے بعد اولاً مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب کا بیان ہوا، اس کے بعد حضرت والا نے طلبہ کو بخاری شریف کے آخری درس سے مستفید فرمایا اور دیگر حاضرین کی رعایت کرتے ہوئے عمومی خطاب بھی فرمایا، اس کے بعد دعا و دستار بندی پر جلسے کا اختتام ہوا، بڑی مشکل سے مصافحہ کرنے والوں کے ہجوم سے مہتمم صاحب کے مکان پر تشریف لائے اور بعد نماز ظہر مولانا احمد لاٹ صاحب (حضرت کے شاگرد رشید) کے مکان پر تشریف لے گئے، اس کے بعد شیخ محمود منیار صاحب کے یہاں ہوتے ہوئے بعد نماز عصر مولانا مفتی عبداللہ صاحب کی دعوت پر ہانسوٹ روانہ ہوئے، وہاں بعد نماز مغرب مفتی صاحب کے کمرے میں اساتذہ کے سامنے ''علم حدیث اور علمائے ہند کی خدمات'' کے موضوع پر گفتگو فرمائی، اس کے بعد طلبہ نے مسجد میں بخاری شریف کی پہلی حدیث اور حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھ کر اجازت حدیث کی سعادت حاصل کی، ہانسوٹ کا مدرسہ ابھی نیا ہے لیکن مفتی صاحب موصوف کی مساعی جمیلہ سے مرتب و منظّم ہے، مسجد نہایت عالیشان اور صاف ستھری ہے، اسی طرح مدرسہ میں دارالسنہ کے نام سے ایک عمارت کی تعمیر جاری ہے۔

اسی رات جمبوسر کے مدرسہ میں جانے کا پروگرام تھا، جمبوسر کے مدرسہ میں چار سال قبل حضرت کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا، اس وقت آپ نے ایک بڑے مجمع سے خطاب فرمایا تھا، اس موقع پر بھی یہاں سالانہ جلسہ منعقد کیا گیا تھا، مہتمم صاحب کی رپورٹ اور مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ کی تقریر کے بعد حضرت مولانا نے پون گھنٹے تقریر فرمائی، طلبہ کی دستار بندی ہوئی اور مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

یہیں پر بڑودہ شہر کے مدرسہ کے ایک وفد نے آکر حضرت مولانا سے ملاقات کی اور مدرسہ میں حاضری کی دعوت دی، اس وفد میں حضرت کے شاگرد اور مولانا احمد لاٹ صاحب کے ہم سبق مولانا ولی بڑھ کودری مرحوم بھی تھے، حضرت نے وقت کی قلت کی وجہ سے معذرت کرلی۔

بڑودہ سے بمبئی بذریعہ طیارہ واپسی ہوئی، یہاں حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات وزیارت فرمائی اور سفر کی تفصیلات سنائی جس کو سن کر حضرت والا دامت برکاتہم نے بے حد خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا اور خوب دعائیں دیں۔

۲۶/ستمبر کی شام کو بمبئی سے دبئی کے لیے واپسی ہوئی اور تقریباً ۱۱/ بجے رات میں اپنے مقر ''العین'' بصحت وعافیت پہونچ گئے، حضرت کا یہ سفر بہت ہی علمی اور تاریخی ثابت ہوا، بے شمار علماء وفضلاء اور طلبہ کو حضرت سے استفادہ کا موقع ملا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے سایہ کو تادیر قائم رکھے اور ان کے افادہ کو عام فرمائے، آمین۔

اے کے کالسیکر اسپتال ممبرا کوسہ ممبئ کی تقریب سنگ بنیاد میں شرکت

بقلم: صلاح الدین ندوی

۲۹ مئی کو کوسہ ممبئ میں جناب محترم حاجی عبدالرزاق صاحب جو اپنی خدمات دینی میں مشہور ہیں، انہوں نے پہلے وہاں پر ایک طبیہ کالج بنایا، اب اسی کے ساتھ بمبئ میں جدید طرز کے اسپتال کی ضرورت کے مدنظر اپنے خرچ سے اس کو بنوانے کا ارادہ کیا ہے، اس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کے لئے بہت سے علماء اور ممبئ کے اعیان کو دعوت دی تھی، انہوں نے ہمارے سرپرست جامعہ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی، چونکہ جناب محترم حاجی صاحب کا مولانا سے خصوصی تعلق ہے، اس بنا پر ممبئ جا کر اس تقریب میں شریک ہوئے اور دعا کرائی اس کے بعد طبیہ کالج میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا اس میں جناب محترم حاجی صاحب اور ذمہ داروں نے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی، ہمارے سرپرست محترم صاحب نے بھی مختصراً تقریر کی، اس میں محترم حاجی صاحب اور ان کے رفقاء کو اس نیک کام کے اقدام پر مبارک باد دی اور اس توفیق خداوندی پر شکر ادا کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے یہی معنی ہیں، نہ برائی سے رکا جاسکتا ہے، نہ

ہی نیکی پر عمل کرنے کی قوت ہے اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ محترم حاجی عبدالرزاق صاحب کو اس نیک کام کی توفیق دے رہا ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمادیئے ہیں، اس میں پورے علاقہ کے باشندوں کی خدمت ہے، انسانی خدمت کا بھی بڑا ثواب ہے، یہ کام دعوت وتبلیغ کے لئے اچھا میدان ہے، مجھے اس میں شرکت سے بیحد مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ ہر سہولت وعافیت کے اسباب پیدا فرمائے۔

سفر دیوبند

از: ادارہ الشارق

مارچ کے مہینے میں بانئ جامعہ اسلامیہ مظفر پور مولانا تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ ہندوستان تشریف لائے تو سب سے پہلے دہلی سے دیوبند کا قصد کیا، حضرت مولانا کے دل پر فدائے ملتؒ کے انتقال کا جو شدید اثر تھا اس کی وجہ سے حضرت نے ہندوستان آنے پر مولانا مدنی مرحوم کی تعزیت کو اولین ترجیح دی اور مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند سے ملاقات کے لیے دیوبند کا سفر کیا، دیوبند کا یہ مختصر سفر اس تعزیت کے علاوہ علم حدیث کے ایک مخلص خادم کے لیے یوں بھی یادگار ثابت ہوا کہ دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ خصوصاً دارالحدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات علماء نے جس شان سے آپ کا استقبال کیا وہ حدیث شریف کے علم وفن سے دارالعلوم دیوبند کے قدیم تعلق واشتغال کو تازہ اور زندہ کرنے والا ہی نہیں تھا بلکہ اس بات کا اعتراف بھی تھا کہ دارالعلوم دیوبند خادمان حدیث کا قدرداں بھی ہے اور رجال شناس بھی، تہذیب اور تہذیب کی تقریب آج بھی اس کی فضا میں زندہ ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ کا گزر بھی کبھی اس وادئ علم وعرفان سے ہوا تھا تو انہوں نے اسی مقام پر جہاں آج دارالعلوم کی عمارت استادہ ہے فرمایا تھا ''مجھے اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے''، علم کی وہی خوشبو آج بھی دارالعلوم کے ہر گوشے کو معطر کیے ہوئے ہے اور

دارالعلوم ہی کیا تمام عالم اس کی دلنواز اور جاں بخش خوشبو سے مہک رہا ہے۔

بانیٔ جامعہ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح خدمت حدیث کی توفیق ارزاں کی وہ کسی سے مخفی نہیں، آج وہ اس علم شریف میں ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں نمایاں ترین مرتبے پر فائز ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی تربیت وتوجہ اور دعاؤں کا اس میں خاص حصہ ہے اور مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے متعلق یہ کہنے میں تأمل نہیں کہ اصل میں دونوں ایک ہیں جن کا سلسلہ سند شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے گزرتا ہوا جناب رسالت مآب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ عالی تک جا پہنچتا ہے اور اس سلسلے کا جوہر اصل ہی وحی الٰہی اور قال اللہ وقال الرسول کے ساتھ ہمہ وقتی شغل واشتغال ہے، دیوبند کی تعلیم میں دورہ حدیث کی اہمیت اسی لیے سب سے زیادہ رہی ،اسی تعلیم کا فیض تھا کہ بے سروپا اور بے سند روایتوں کی حقیقت کو شریعت کی مستند کتابوں سے واضح کیا گیا اور نقل وروایات کا ایک ذخیرہ پیش کر دیا گیا، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبدالرحمٰن کیملپوریؒ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ تو چندوہ نام ہیں جن کی علوم حدیث میں تصنیفات وتالیفات کا بلند ترین مقام ہے ورنہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے آج تک ہزاروں بلکہ بے شمار علماء کی تحریر وتقریر دراصل علوم حدیث سے روشن ومستنیر ہے، اس دارالعلوم میں بانیٔ جامعہ مولانا ندوی مظاہری کی آمد اور پھر ان کی ترحیب خوش گوار ضرور تھی لیکن حیرت انگیز نہیں، اعظم گڑھ کے طلبہ کی انجمن نادیۃ الاتحاد نے جلسۂ استقبالیہ منعقد کیا، مسرت کی بات ہے کہ یہ انجمن سیرت نگار رسول

اعظمؒ علامہ شبلی نعمانیؒ کی یادگار کی حیثیت سے قائم ہے اور شیخ الحدیث دارالعلوم مولانا عبدالحق اعظمی کی سرپرستی میں تحریر وتقریر اور مطالعہ وتحقیق کی مشق وممارست میں مصروف ہے، اس کے ناظم محمد اکرم، صدر محمد یعقوب اور دیگر کئی عہدے داروں نے جس طرح جلسۂ استقبالیہ کا انعقاد کیا، سپاس نامہ پیش کیا اور اپنی روداد بیان کی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مؤرخہ ۱۷؍مارچ صبح ۷ بجے بذریعہ شتابدی ایکسپریس دہلی سے دیوبند کے لئے روانہ ہوئے، شتابدی ایکسپریس کے دیوبند اسٹاپ نہ ہونے کی وجہ سے مظفرنگر تک کا ٹکٹ لیا گیا، ٹرین ۹ بجے مظفرنگر اسٹیشن پر پہونچی، پلیٹ فارم پر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے نمائندے کی حیثیت سے جناب مولانا عبداللہ معروفی صاحب استاذ تخصص فی الحدیث گاڑی کے ساتھ موجود تھے، وہاں سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت طے کر کے دارالعلوم دیوبند پہونچے، دارالعلوم دیوبند میں اعظم گڑھ کے طلبہ کے علاوہ اور بہت سے طلبائے دارالعلوم نے بڑی گرم جوشی سے حضرت کا استقبال کیا، چائے وغیرہ سے فارغ ہوکر مختصر آرام فرمایا، جمعہ کی نماز دارالعلوم دیوبند کی جامع مسجد، مسجد رشید میں ادا فرمائی، اس کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی دعوت پر ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمایا۔

شعبۂ مناظرہ کے ذمہ داروں کی دعوت پر عصر سے قبل دارالحدیث تشریف لے گئے اور علم حدیث میں اختصاص کی مناسبت سے ''دارالعلوم اور علم حدیث'' کے عنوان سے علماء وطلبہ کے سامنے ۲۰؍منٹ ایک جامع خطاب فرمایا، عصر کی نماز کے بعد حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی اور ایصال

ثواب کے لئے تشریف لے گئے۔

بعد نماز مغرب متصلاً طلبہ اعظم گڑھ کی انجمن ''نادیۃ الاتحاد'' نے آپ کے اعزاز وتکریم میں ایک ثقافتی پروگرام منعقد کیا جس میں طلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، انجمن ''نادیۃ الاتحاد'' کی طرف سے آپ کو ایک خوبصورت سپاس وعقیدت نامہ پیش کیا گیا، اولاً انجمن کی طرف سے ایک طالب علم کی تعارفی تقریر کے بعد وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مدظلہ العالی نے حضرت کی ہمہ جہت شخصیت کا بہت ہی عمدہ اور جامع تعارف پیش فرمایا، اس کے بعد آپ نے آدھ گھنٹہ طلبائے دارالعلوم سے خطاب فرمایا، اس استقبالیہ پروگرام میں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث اور جناب مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث اور جناب مولانا مفتی محمد راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند بھی شریک تھے، شام کا کھانا مولانا عبداللہ معروفی صاحب کے یہاں تناول فرمایا، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی دعوت پر ان کے دولت خانہ تشریف لے گئے اور قریب نصف گھنٹہ کے بعد دارالعلوم کے مہمان خانہ میں واپس تشریف لائے اور آرام فرمایا۔

۱۸/ مارچ کی صبح فجر کی نماز کے بعد دورۂ حدیث کے طلبہ کی درخواست پر ان کو اوائل صحاح ستہ کی اجازت مرحمت فرمائی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے یہاں ناشتہ کا پروگرام تھا، ناشتہ سے فارغ ہو کر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کی دعوت پر ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، انہوں نے چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کی اور اپنے ادارے کی کتابوں کو ہدیۃً پیش کیا، ان کا اصرار ہوا کہ ان کے قائم

کردہ ادارہ ''معہد الانور'' پر اپنے قیمتی تأثرات تحریر فرمادیں، نیز اس کی مناسبت سے طلبہ کے سامنے کچھ بیان بھی فرمادیں، اس کا وعدہ کرنے کے بعد وہاں سے دارالعلوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ شعبہ کے استاذ مولانا عبداللہ معروفی صاحب بھی تھے، شعبہ کے صدر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم طلبہ وفضلاء کے ساتھ انتظار فرمارہے تھے، اس اہم شعبہ کی زیارت ومعائنہ فرمایا اور علماء واکابر کی موجودگی میں طلبہ اور فضلاء کے سامنے بے حد مفید اور عالمانہ خطاب سے مستفید فرمایا، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کو علم حدیث میں جو عالمی شہرت حاصل ہے وہ دنیا کے سامنے آشکارا ہے، جس کا اعتراف بڑے بڑے علمائے عرب اور وہاں کے فضلاء کرتے ہیں، ہندوستان کے اداروں میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور دونوں جگہوں کے علماء اور ان کی حدیثی مؤلفات کی ان کے نزدیک بے حد اہمیت اور قدر وقیمت ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے مرتب نصاب تعلیم اور اس کی تفصیلات سے مطلع ہوکر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ آپ تمام فضلاء کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اساتذہ کی قدر کریں، آپ نے اپنے خطاب میں چند مفید باتوں کی طرف خصوصی طور پر طلبہ کی توجہ مبذول فرمائی جو ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کسی فن میں کامل استاذ کا کمال یہ ہے کہ مشکل اور طویل مباحث کو اختصار کے ساتھ سہل بنا کر طلبہ کے سامنے پیش کرے تاکہ طلبہ ان کو بآسانی اخذ کرسکیں اور ہضم کرسکیں، پرندے کی چونچ میں اسی قدر چارہ ڈالا جائے گا جتنا وہ پکڑ سکے، اگر اس

میں زیادتی کر دی جائے تو وہ اِدھر اُدھر گرے گا اور خراب ہوگا، الحمد للہ آپ کے اساتذہ کواور بالخصوص حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کو یہ کمال خصوصیت سے حاصل ہے۔

(۲) ''حدیث پاک کا فن سرسری حیثیت سے انتہائی آسان اور مہارت کی حیثیت سے انتہائی مشکل ہےاور استاذ کے سامنے صحاح کا پڑھ لینا تو سرسری کی بھی ابتدا ہے، مہارت کی ابتدا یہ ہے کہ صحاح پڑھ لینے کے بعد کسی واقف فن کی ماتحتی میں اس کے پاس رہ کر ایک دوسال مطالعہ کرے، اس کے بعد اپنی جگہ رہ کر اپنی بساط کے موافق ترقی کرسکتا ہے''، یہ وہ مضمون ہے جو ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا۔

اس وقت ضرورت ہے کہ جو خزانہ متقدمین کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے، اس سے استفادہ کیا جائے کہ اس میں سے کیا چیزیں لینے کی ہیں اور کیا چھوڑنے کی ہیں، تقریب، تہذیب اور رجال کی دیگر کتابوں میں ایک راوی کے بارے میں متعدد رائیں نظر آتی ہیں ان میں ترجیح کس کو دی جائے، اس کو جاننے کے لئے استاذ فن کی رہنمائی کی ضرورت ہے، محض کتابوں کے مطالعہ سے اگر حدیث پر حکم لگایا جائے گا تو بہت افراط وتفریط کا امکان ہے جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے، الحمد للہ آپ حضرات کو بہترین اساتذہ کی سرپرستی حاصل ہے۔

(۳) متقدمین کی بہت سی کتابیں جن کی زیارت ومطالعہ کے لئے ہمارے اکابر ترس گئے، اب وہ طبع ہو کر منظر عام پر آرہی ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو منگوایا جائے اور ان سے استفادہ کیا جائے، نیز ان پر جدید تحقیقات وحواشی کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

اس کے بعد آپ ''معہد الانور'' تشریف لے گئے وہاں کے اساتذہ وطلبہ مسجد میں آپ کے انتظار میں تھے، پہلے جناب مولانا عبداللہ معروفی صاحب نے آپ کا مختصر تعارف کرایا، اس کے بعد آپ نے ''علامہ کشمیریؒ اور علم حدیث'' کے عنوان سے تقریباً آدھ گھنٹہ خطاب فرمایا، بیان سے فارغ ہونے کے بعد دارالعلوم (وقف) تشریف لے گئے اور وہیں سے مولانا معاذ کاندھلوی ندوی کے ہمراہ مظاہرعلوم سہارن پور کے لئے روانگی فرمائی۔

جلسۂ استقبالیہ کی ایک جھلک

ناظم جلسہ: محمد اکرم اعظمی

(تمہید)

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی: أما بعد!

ہے یہ کس کی آمد آمد کہ ہیں وجد میں دل وجاں
ہے چمن چمن معطر اور فضا ہے عطر افشاں

حضرات علمائے کرام، مہمانان عظام، سامعین باتمکین، آج کے اس جلسہ کی صدارت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی دامت برکاتہم فرمارہے ہیں، ہم طلبۂ اعظم گڑھ عقیدت ومحبت، عظمت واحترام، اعزاز واکرام کے تمام تر جذبات واحساسات کے ساتھ آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں، جنھوں نے بے پایاں مصروفیتوں کے باوجود ہماری حقیر دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا، اور ہمارے اسٹیج کو زینت بخشی، آج ہمارے قلوب انتہائی خوشی وشادمانی اور فرحت و

انبساط سے سرشار ہیں، اور حیران و ششدر ہیں کہ آخر کتنی عظیم شخصیت یہاں پر جلوہ افروز ہے کہ آسماں ان پر ضوفشاں ہے، چاند نور افشانی کر رہا ہے جن کے قدوم پر یہاں کے بام ودر، عرش وفرش، خوش آمدی خوش آمدی کے ترانے گا رہے ہیں اور بلبلانِ قاسمیہ اھلاً وسھلاً ومرحباً کی آواز میں گنگنا رہے ہیں ؎

از مقدمت دلشاد شد ویرانہ ام آباد شد
اے بر تو چومن صدفدا خوش آمدی خوش آمدی
ایں گلشن علم و ہنر شد از قدوم مفتخر
گویند ایں بام ودرا خوش آمدی خوش آمدی

اظہار جذبات اور خطبۂ استقبالیہ

سامعین ذی وقار! اب ہم اپنے ان جذبات و احساسات کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو آج ہمارے مہمانان کرام کی آمد پر دل کی لامتناہی گہرائیوں سے اٹھ رہے ہیں، اس کے لئے میں دعوت دیتا ہوں مولوی عبدالعظیم صاحب کو وہ آئیں اور ہمارے جذبات کی ترجمانی کریں۔

ہے دیکھا جب سے یہ میں نے کہ وہ گلشن میں آئے ہیں
خوشی سے چومتا پھرتا ہوں میں گلشن کے پھولوں کو

گرامی قدر مہمانان کرام اور سامعین عظام! انجمن نادیۃ الاتحاد طلبۂ اعظم گڑھ کا یہ کارواں مکمل عزم وحوصلہ اور جوش وولولہ کے ساتھ اپنے آئے ہوئے مہمانان عظام اور اساتذۂ کرام کا استقبال کر رہا ہے، یہ وہ مبارک گھڑی ہے جس کے انتظار میں ہم نے صبر کے کڑوے گھونٹ پیئے، دل اس طرب انگیز تصور سے شاداں اور فرحت و

سرور سے لبریز ہے، آج کی یہ سرور انگیز اور وجد آفریں فضا ہم طالبان علوم نبویہ کو ہمیشہ احساس مسرت سے آشنا کئے رہے گی، کس قدر حسین اور کتنا دلکش یہ سماں ہے جس کے گوشے گوشے سے ایک عجیب دل بستگی کا سامان فراہم ہو رہا ہے اور دل کے اتھاہ سمندر میں جوش و مسرت کا تلاطم برپا ہے۔

حضرات! آج کے اس اجلاس میں مہمانان ذی شان کی آمد پر ہمارے قلوب عقیدت واحترام، تشکر وامتنان کے بے پایاں جذبات سے لبریز ہیں، دل کی دھڑکن مرحبا مرحبا کے گیت گا رہی ہے، کیونکہ ہمارے درمیان اوج ثریا پر فائز نمایاں شخصیات تشریف فرما ہیں اور علوم نبویہ کے وہ آفتاب و ماہتاب ہمارے جذبوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں جن پر امت اسلامیہ بجا طور پر ناز کرتی ہے، خوشیوں کے جذبات ہمارے دلوں میں موجزن کیوں نہ ہوں جب کہ ہمارے درمیاں عالمی شہرت یافتہ شخصیت بزم آرائی کر رہی ہے، جس پر بہر طور ملت اسلامیہ کو فخر کرنے کا حق ہے۔

سامعین باوقار! آج ہماری تمام آرزوئیں ایک آرزو میں سمٹ کر آگئی ہیں اور وہ صرف آپ کی آمد ہے، ہم نے دعوت دی اور آپ نے اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، اس موقع پر ہمارے دلی جذبات کو زبان الفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہے۔

اخیر میں ایک بار پھر ہم اپنے تمام مہمانان کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور رب کریم سے یہ دعا اور آپ سے اس التجا پر اپنی بات کو ختم کرتے ہیں کہ آپ کی توجہات ہم پہ سایہ فگن رہیں، آپ کی دعائیں ہمارا سہارا اور آپ کی رہنمائیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہوں، آپ کی آمد پر تشکر وامتنان کے جتنے کلمات کہے جائیں

کم ہیں، تاہم ؎

فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس مگر تابِ گفتار کہتی ہے ...... بس

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

تعارف مہمان خصوصی

سامعین کرام! مہمان مکرم جناب حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب دامت برکاتہم کی ذات محتاج تعارف نہیں، آپ بچپن ہی سے بلا کے ذہین وفطین واقع ہوئے ہیں، دوران تعلیم ہمیشہ امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد عصری درسگاہوں میں بھی آپ کا سکہ جما رہا، آپ ایک طرف عظیم الشان علمی درسگاہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے بانی ہیں تو دوسری طرف تقریباً ۵۰ سال سے حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ ایک طرف علم وعمل کے پیکر ہیں تو دوسری طرف زہد وورع کے منبع ہیں، ہم خدام انجمن کی حقیر دعوت پر آپ کی تشریف آوری بلا شبہ وطنی جذباتیت کا کھلا ثبوت ہے، آپ کی اس کرم فرمائی پر ہمارے قلوب میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ رہی ہے، اس کیفیت دل کو موتی کے الفاظ میں پرو کر سپاس نامہ پیش کررہے ہیں مولوی محمد احمد صاحب............

بصدق او وطن نازد بنطق او سخن نازد
بیانش دلنشیں آمد حدیثش جانفزا آمد
جمال علم و دین آمد بزہد گرچنین آمد
کہ تقویٰ در یسار آمد طہارت دریمیں آمد
بہار بوستان فیض مولانا تقی الدیں

کہ شیخ وقت حضرت زکریا را جانشیں آمد

دارالعلوم دیوبند میں انجمن اعظم گڑھ کی طرف سے سپاس نامہ

بخدمت گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

پروفیسر العین یونیورسٹی

کھلیں کلیاں ہنسے غنچے کہ جان گلستاں آیا خزاں سمٹی بہار آئی پیام گلستاں آیا

ہماری خوش بختی کے لئے آپ کی تشریف آوری یقیناً ایک نشان سعادت ہے، جو ہمارے قلب ونگاہ کو انوار وبرکات کی جلوہ سامانیوں سے پاکیزگی وطہارت بخش رہی ہے، حضرت والا مرتبت! ہم اپنی بے پناہ مسرت کے جذبات کا ترجمان کس چیز کو بنائیں جب کہ نہ زبان ساتھ دیتی ہے نہ الفاظ، ہاں! یہ صرف ہمارا احساس ہے جس نے عالم خیال کے رنگین ایوانوں میں ستارے ٹانکے ہیں اور مسرت کی قندیلیں روشن کی ہیں، ہمارے دل کے ساز کا ایک ہی نغمہ ہے جو ہماری آواز سے ہم آہنگ ہے، مرحبا صد مرحبا، اے آنے والے مرحبا۔

جستجو کی نگاہ ہے جو ہر ایک سے کہتی پھر رہی ہے ؎

بقدر ظرف وطلب یہاں پر، ہر اک کو حصہ ملے گا اپنا
زہے عنایت، خمِ نوازش، خوشی کی کچھ انتہا نہیں ہے

مگر وائے شرمندگی اف رے ندامت کہ زبان وبیان کی ناتوانی اپنی حرماں نصیبی کے رخ پر تمنا کا نقاب ڈالے اپنا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

حضرات! دیار پورب کی زرخیز مٹی نے بے شمار لعل وگہر پیدا کئے ہیں اور

خطۂ اعظم گڑھ پر ’’فیضان تجلی‘‘ کی یکسر بارش سے یہاں کے لاتعداد ذرے ’’نیراعظم‘‘ بن کر عالم کے افق پر چمکے اور چمک رہے ہیں، حضرت کی ذات والا صفات دور حاضر میں ایک نمایاں حیثیت کی مالک ہے، اور آپ نے رب کریم کی عنایت وتوفیق، مشائخ کی دعاؤں اور اپنی ذاتی محنت کے طفیل دنیا کے علمی حلقوں میں جو مقام حاصل کیا ہے اس کی نظیر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، آپ نے درس وتدریس، تحقیق وتعلیق اور علوم اسلامیہ بالخصوص علم حدیث کی نشر واشاعت کے حوالے سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ لائق تحسین بھی ہیں اور ہمارے لئے قابل تقلید بھی، یقیناً انہیں تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

سامعین باوقار! ہمیں اس بات کا احساس ضرور ہے کہ اس زریں موقع پر آپ کے تحقیقی کاموں کا تعارف آپ کے روبرو پیش کیا جاتا لیکن ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کہ اس مختصر وقت میں اس اہم کام کو انجام نہیں دے سکتے ۔

طویل عمر ہے درکار اس کے سننے کو ہماری داستاں اوراق مختصر میں نہیں

تاہم آپ کے ایک اہم کام کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ ہے حضرت شیخ کی شہرہ آفاق کتاب ’’اُوجز المسالک‘‘ کی تحقیق وتعلیق اور نہایت اعلیٰ معیار پر اس کی طباعت، اس اہم کارنامے سے جہاں ایک طرف آپ کی علمی گہرائی وگیرائی، وسعت مطالعہ اور اعلیٰ ذوق کا پتہ چلتا ہے وہیں حضرت شیخ سے آپ کے والہانہ تعلق اور وارفتگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

حضرات! مجھ کم علم اور کوتاہ نظر کے خیال میں عالم عرب میں آپ کا مبارک وجود عصر حاضر کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہے، ایک خاص قسم کی عصبیت کے بھیس

میں پروان چڑھ رہی لا مذہبیت جہاں ''حنفیت'' اور سلوک وتصوف کے بارے میں غلط ترجمانی کے ذریعے مسلک دیوبند کو اہل سنت والجماعت سے الگ کوئی چیز باور کرایا جارہا ہے، ایسے مخالف ماحول میں آپ بلاخوف ''لومۃ لائم'' حنفیت کی بھرپور نمائندگی کررہے ہیں اور اپنے اکابر کے مسلک ومشرب کا کامیاب دفاع بھی، بلا شبہ اس مبارک عظیم کام کے لئے ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں، مزید آپ کے عظیم کارناموں میں سرفہرست کارنامہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کا قیام ہے جو تعلیمی وتعمیری میدان میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے　　سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

آخر میں ہم اپنے پُر خلوص جذبات کے اظہار کو آپ کی خدمات اور آپ کی عمر وصحت کی درازی وسلامتی کی دعا پر ختم کرتے ہیں۔

جب تک جہاں میں گردش ارض وسماں رہے
تیرا چمن بہار سے ہم آشنا رہے
گلستانِ علوم دیں وشمع ضوفشاں تو ہے
ضلالت کی گھٹاؤں میں ہدایت کا نشاں تو ہے
سدا جاری رہے فیضان تیرے علم وحکمت کا
تمنائے حضرت زکریاؒ فخر زماں تو ہے
نزول رحمت باری ہے ہر دم تیرے سینے پر
برائے تشنگانِ علم بحر بیکراں تو ہے

سفر سہارنپور اور جامعہ مظاہر علوم میں اوائل صحاح کا درس

جناب مولانا شعیب احمد مظاہری

مؤرخہ ۱۸؍ مارچ ۲۰۰۶ء جامعہ مظاہر علوم کے مایۂ ناز فرزند، جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے بانی وسرپرست، عالم اسلام کی مشہور ومعروف علمی شخصیت اور جامعۃ العین ابوظبی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم مظاہر علوم کے اجلاس شوریٰ میں شرکت کی غرض سے ایک بجے دن میں تشریف لائے، پہلے آپ کی تشریف آوری حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کے یہاں ہوئی اور وہیں کھانا تناول فرمایا، قیام دار جدید میں فرمایا، سہ پہر تین بجے سے عصر تک اجلاس شوریٰ میں شرکت فرمائی، نماز عصر کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات وزیارت کے بعد جدید تعمیری پروگرام کے تحت زمین کا معائنہ فرمایا۔

مغرب کے بعد مظاہر علوم (وقف) کے دورۂ حدیث کے طلبہ ملاقات کے لئے آئے اور اوائل صحاح ستہ کی اجازت طلب کی، اولاً آپ کو اس میں تأمل رہا، لیکن

مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا محمد سلمان صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہاں کی مسجد میں درس ہوگا اور ہمارے مدرسہ کے دورۂ حدیث ومشکوٰۃ شریف کے طلبہ بھی شریک ہوں گے اور حدیث مسلسل بالاولیہ اور اوائل صحاح ستہ پڑھ کر اجازت مرحمت فرمائیں۔

چنانچہ اگلے روز صبح فجر کے بعد دونوں مدرسوں کے طلبہ جمع ہوئے، درس سے قبل حضرت نے چند مفید باتیں بطور نصیحت ان طلبہ کے سامنے بیان فرمائیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت نے فرمایا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے یہ مدارس دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اس طرز کے دیگر مدارس ان سب کا مقصد دنیا کی دوسری جامعات سے مختلف ہے جیسے جامعہ ازہر وغیرہ کے مقاصد میں ایسے خاص افراد کو تیار کرنا ہے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور وہاں کے فضلاء کی یہ سعی وکوشش ہوتی ہے کہ وہ بڑے سے بڑے عہدوں اور اچھی تنخواہوں کو حاصل کرسکیں، لیکن ان مدارس کا مقصد نصرت دین ودفاع عن الاسلام ہے، داخلی وخارجی ہر طرح کے فتنوں سے دین کی حفاظت اور پاسبانی ان مدارس کی ذمہ داری ہے، یہی وہ خط امتیاز ہے جو ہمارے مدارس ہندیہ اور دنیا کی دیگر یونیورسٹیوں کے درمیان فرق پیدا کرتا ہے، اس کے لئے ہمارے بزرگوں نے لازمی شرط اخلاص قرار دیا ہے کہ جو علم دین حاصل کرنے آئے اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے آئے، من یرداللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین ،جس طالب علم کو مدرسہ میں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا فیصلہ فرمادیا ہے، اللہ تعالی نے

اس پر خصوصی فضل فرمایا ہے۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ علم نہایت قیمتی ہے اس سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں، آپ کے سینے میں قرآن وحدیث کا علم ہے ؎

بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج

در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

حدیث شریف میں ہے کہ من تواضع لله رفعه الله (جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتے ہیں) تواضع کے ساتھ اپنے مقام ومرتبہ کو پہچانئے، احساس کمتری کا شکار نہ بنئے، تواضع اور چیز ہے اور اپنے علم کی قدر و قیمت پہچاننا دوسری بات ہے، آپ نائب رسول ﷺ ہیں، آپ کو حضور ﷺ کی نیابت کرنی ہے، اگر یہ احساس ہے تو کامیاب ہوں گے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ جب یہ علم اتنا قیمتی ہے تو اس کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، منجملہ ان آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ وقت کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور اس کو کام میں لائیں ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کھونے کے بعد دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں مگر وقت دوبارہ واپس نہیں آسکتا۔

قصہ سناتا ہوں، العین میں پڑھا کر ٹیکسی سے گھر واپس آرہا تھا، اس میں کیسٹ چل رہی تھی، جاہلی دور کے شاعر صِمّہ بن عبداللہ قشیری کا کلام تھا ؎

فلیست عشیات الحمیٰ بروا جع
(چراگاہ کی شامیں دوبارہ واپس نہیں لوٹیں گی)

اس کوسن کر دل پر چوٹ لگی، گھر پہونچنے پر خبر ملی کہ ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں وصال ہوگیا ہے، مجھے اس شعر کی تلاش تھی، حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا، حضرتؒ نے مکمل قصیدہ حماسہ سے پڑھ کر سنا دیا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، سنیما، ناول جن سے خیالات وجذبات منتشر ہوں بہت ہی مضر ہیں، اس کا بہت بڑا وبال ہے، آپ باغ رسولؐ میں بیٹھے ہوئے ہیں، یہاں کی معمولی سی بے ادبی بھی بہت بڑا گناہ ہے ؎

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

میں کہتا ہوں کہ یہ چار باتیں ہوں تو عالم دین بنتا ہے۔

اس کے بعد حدیث مسلسل کی تلاوت ہوئی اور اوائل صحاح پڑھا کر طلبہ کو حدیث شریف کی اجازت دی گئی، نیز اپنا سلسلۂ اسانید بھی بیان فرمایا۔

۱۔ **سند اول:** میں نے ''صحیح بخاری شریف'' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی ہے، اور ان کی طرف سے مجھے حدیث کی ساری کتابوں اور مسلسلات کی خصوصی اجازت حاصل ہے۔

۲۔ **سند ثانی:** میں نے ''صحیح بخاری شریف'' دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سلونیؒ سے بھی پڑھی ہے۔

۳۔ **سند ثالث:** مجھے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ سے بھی اجازت

حدیث حاصل ہے، انہوں نے مسجد نبویؐ میں بحالت اعتکاف اوائل صحاح ستہ پڑھا کر مجھے خصوصی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

۴۔ **سند رابع:** مجھے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے، انہوں نے حدیث کی کتابیں اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ بدر علیؒ سے پڑھی تھی جو سترہ سال جامعہ ازہر میں رہ چکے تھے، بخاری شریف کے حافظ تھے اور اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ وشاگرد تھے، اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے والد اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے والد کے شیخ ہیں، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ براہ راست حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں، ایک پارہ بخاری شریف اور حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھ کر واپس آ گئے تھے، دوبارہ جا کر حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے کتابوں کی تکمیل فرمائی۔

میں آپ حضرات کے اصرار پر اجازت دیتا ہوں، ورنہ یہاں پر شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب موجود ہیں جن کی بعض تحقیقات سے میں نے خود فائدہ اٹھایا ہے، اسی طرح مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین بھی ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين .

جنوبی ہند (بھٹکل) کاایک سفر

بقلم: صلاح الدین ندوی

محدث جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کا ۲؍جولائی ۲۰۰۶ء کو بنگلور کا سفر ہوا، صبح ۹ بجے کے جہاز سے مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی و ڈاکٹر صفی الدین اور سید محمد بیری صاحب کے ہمراہ منگلور تشریف لے گئے جو نہایت پُر فضا و خوشنما شہر ہے، سب سے پہلے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے منسوب مدرسہ تحفیظ القرآن کا معائنہ فرمایا، وہاں ایک مختصر سا جلسہ تھا جس میں ایک طالب علم کا ختم قرآن کرانے کے بعد اسی کی مناسبت سے بیان کرنے کا پروگرام تھا، چنانچہ وہاں آپ تقریباً ۱۲ بجے پہونچے، تلاوت قرآن پاک ونعت شریف اور آپ کے تعارف کے بعد ختم قرآن اور دستار بندی فرمائی، اس کے بعد حدیث شریف ''خیرکم من تعلّم القرآن و علّمه'' پڑھ کر قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے کی عظمت و فضیلت، نیز تحفیظ القرآن کے مدارس کی اہمیت وضرورت کو بیان فرمایا، آپ کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

پھر اس کے بعد منگلور کی سب سے بڑی مسجد النور میں ظہر کے بعد بیان تھا، جس کا پہلے سے اعلان ہو چکا تھا بلکہ اخباروں میں بھی اس کی اطلاع آ چکی تھی، آپ نے تقریباً نصف گھنٹہ قرآن کریم کی آیت ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم

يتلوا عليهم آياتك کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تزکیۂ نفس کی تشریح بھی فرمائی، دوپہر کا کھانا سید محمد بیری صاحب کے مکان پر تناول فرمایا جو نہایت ہی پُر فضا اور بہترین جگہ پر واقع ہے۔

منگلور کے ایئر پورٹ پر استقبال کرنے والوں میں مولانا الیاس ندوی جو مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی بھٹکل کے بانی ہیں موجود تھے اور دیگر حضرات بھی ان کے ساتھ تھے، چونکہ اصل سفر اہل بھٹکل کی دعوت پر ہورہا تھا اس لئے عصر کے بعد مولوی الیاس ندوی کے ہمراہ بھٹکل کے لئے روانگی ہوئی، سمندر کے کنارے پُر فضا مناظر سے گذرتے ہوئے بھٹکل جامعہ اسلامیہ پہونچے، جامعہ کے علماء وطلبہ نے خاص طور پر بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور وہاں کے مہمان خانہ میں قیام ہوا، جہاں طلبا و مدرسین نے بہت زیادہ اہتمام کیا اور محبت سے پیش آئے اور ہر وقت خدمت میں لگے رہے، پہلے روز کی شام میں ملاقاتوں کا سلسلہ رہا، مولانا ابوطلحہ ندوی کے یہاں رات کا کھانا کھایا، دوسرے دن مولانا محمد الیاس صاحب ندوی کے یہاں ناشتہ تھا، ناشتہ سے فراغت کے بعد اپنے مستقر پر واپسی ہوئی، ۱۰ بجے وہاں سے مختلف اداروں اور نوجوانوں کی انجمنوں کو دیکھنے کا موقع ملا، خاص طور سے بھٹکل کے دارالقضاء کی زیارت ہوئی جو تقریباً سات سو سال سے قائم ہے اور یہاں کا بہت ہی اہم ادارہ ہے، یہاں کے تمام مختلف مسائل میں اہل بھٹکل اسی ادارے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے فیصلے کو مانتے ہیں، بڑی اچھی اور کشادہ عمارت ہے، مولانا عبدالرب صاحب ندوی نائب قاضی سے وہاں ملاقات ہوئی، اس کے بعد سمندر کے قریب اس جگہ کی بھی زیارت کرائی گئی جہاں پہلی صدی میں مسلمانوں کا قافلہ اترا تھا اور جس پتھر پر کھڑے

ہوکر مؤذن نے پہلی اذان دی تھی، وہاں سے واپسی پر جناب بھائی مظفر کولا صاحب کی دعوت پر جو حضرت مولانا سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور دبئ و بھٹکل کے بڑے تجار میں سے ہیں اور علماء سے بڑی محبت کرتے ہیں ان کے نونہال پبلک اسکول میں حاضری ہوئی جس میں میٹرک تک تعلیم دی جاتی ہے، اس میں طلبہ وطالبات کی خاصی تعداد ہے، یہ اسکول بہت پُرشکوہ عمارت میں قائم کیا گیا ہے وہاں کی معلمات میں ایک مختصر بیان ہوا جس میں تعلیم وتربیت کی اہمیت اور اس میدان میں عورتوں کا اسلامی تاریخ میں مقام بیان کیا گیا کہ وہ کس طرح سے ایک مثالی معاشرہ تشکیل دے سکتی ہیں، اسی طرح ان کی اور ذمہ داریوں پر بھی پر روشنی ڈالی گئی، ان کو اس بات کی تلقین بھی کی گئی کہ جب بھی وہ اپنے درس میں آئیں تو نیت کا استحضار کرلیں کہ ہم اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ تعلیم دے رہے ہیں، نیت کا اخلاص واستحضار بہت زیادہ باعث اجر وثواب ہے، بھائی مظفر کولا صاحب کو اسکول کی سرپرستی اور ترقی دینے پر مبارک باد دی اور یہ بتایا کہ یہ اہم کام ان کے لیے ان شاء اللہ ذخیرۂ آخرت ثابت ہوگا۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے جلسہ میں شرکت ہوئی، جلسہ کا آغاز ہو چکا تھا، یہ جلسہ ''مسابقۃ فی الحدیث'' کے عنوان پر منعقد کیا گیا تھا جس میں قرب وجوار کے مختلف مدارس کے طلبہ شریک ہورہے تھے، ماشاء اللہ بہت کامیاب پروگرام تھا، طلبہ نے شرح حدیث وحفظ حدیث وبیان راوی وترجمہ حدیث کا بہترین نمونہ پیش کیا، اس موقع پر مولانا عبدالباری صاحب ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل نے حضرت مولانا کا مکمل تعارف کرایا پھر آپ کی ایک مختصر تقریر ہوئی، اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ رہا، وہیں پر آرام کیا، ظہر کی نماز پڑھ کر جامعہ اسلامیہ کے کتب خانہ کی

مہتمم صاحب اور جناب محی الدین منیری صاحب کے ہمراہ زیارت ہوئی، کتب خانہ بہت ہی منتخب اور قیمتی کتابوں پر مشتمل ہے جو درحقیقت مولانا محی الدین منیری صاحب کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، انھوں نے بعض ایسی نادر کتابیں جمع کر دی ہیں جو شاید دوسری جگہ دستیاب نہ ہوسکیں۔

عصر کی نماز کے بعد مہتمم جامعہ کی فرمائش پر طلبہ کے سامنے مختصر بیان ہوا جس میں پانچ باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی۔

① استاذ اور کتاب کا ادب۔ ② اوقات کی حفاظت۔ ③ دینی علوم اور اس جامعہ میں پڑھنے کی قدر و قیمت۔

④ نگاہوں کی حفاظت۔ ⑤ یہ تمنا اور دعا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت میں لگائے۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے اراکین شوریٰ سے ملاقات اور گفتگو ہوئی، ان کو اس پر مبارک باد دی گئی کہ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہاں کے لوگ جامعہ سے محبت رکھتے ہیں اور پورے اتحاد و تعاون کے ساتھ اس کی ترقی کی فکر کرتے ہیں، ایک ضروری مشورہ یہ دیا گیا کہ یہاں کے مدرسین و علماء کی تنخواہوں کا خصوصی خیال رکھا جائے، کیوں کہ اللہ نے وہاں کے لوگوں کے حالات اچھے رکھے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ علماء و مدرسین جو اس جامعہ میں پڑھاتے ہیں ان کو معاشی ضروریات کی طرف سے ایک حد تک بے نیاز کر دیا جائے تاکہ یکسو ہوکر وہ علمی کام انجام دے سکیں۔

اس کے بعد مولانا الیاس صاحب ندوی کے قائم کردہ مرکز الشیخ ابی الحسن الندویؒ کی زیارت کا پروگرام تھا، چنانچہ اراکین شوریٰ کے اجتماع سے فارغ ہوکر مرکز

کی زیارت کی گئی، جوایک پُرشکوہ دومنزلہ عمارت میں قائم ہے، یہاں کے کام کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس مرکز کے بارے میں حضرت مولانا نے جتنا سنا تھااس سے بہت زیادہ پایا، تمام عربی واردو کے مجلّات موجود تھے جو عالم اسلامی وعربی کے مختلف ملکوں سے شائع ہوتے ہیں، وہاں پر پیام انسانیت اور رابطہ ادب اسلامی کے دفاتر قائم تھے، کتب خانہ نہایت دیدہ زیب ہے، مرکز نے انگریزی و ہندی کا دعوتی لٹریچر تیار کیا ہے اور کر رہا ہے، نصابی کتابیں بھی تیار کی ہیں جو دوسو کے قریب اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں، یہ ساری کتابیں نظر سے گذریں، کانفرنس ہال اوراس کے علاوہ جو چیزیں دیکھی گئیں وہ بھی بہت مرتب و منظّم تھیں جوادارے اوراس کے فعال اور ہونہار بانی کے غایت اہتمام اور سلیقہ مندی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ اس مرکز کواور زیادہ ترقی عطا فرمائے۔

اس کے بعد جامعہ کے صدر ڈاکٹر علی ملپا صاحب سے جو حضرت اقدس مولانا ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کے خلفاء میں ہیں ملاقات ہوئی، وہ بہت ہی محبت سے پیش آئے، ان کے گھر ان کی دعوت پر تشریف لے گئے، وہاں سے فارغ ہوکر مولانا محمد غزالی ندوی سلمہ سے ملاقات کا پروگرام تھا، یہ حضرت مولانا کے عزیز شاگرد بھی ہیں وہ آپ کے انتظار میں بھٹکل میں رکے ہوئے تھے، اپنے گھر پر لے گئے، وہاں ناشتہ اور چائے کا انتظام تھا پھر مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے مستقر پر واپسی فرمائی، عشاء کی نماز کے بعد شہر کی جامع مسجد میں بیان کا اعلان ہوا تھا، مختلف مساجد کے لوگ شریک ہوئے اور اچھا خاصا بڑا مجمع تھا، تقریباً ایک گھنٹہ بیان ہوا، واپسی میں مولوی عیسیٰ سلمہ جو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے فاضل ہیں ان کے یہاں رات کا کھانا کھایا گیا، انھوں

نے بہت اہتمام کیا تھا،اس کے بعد واپسی ہوئی اور آرام کیا گیا۔

دوسرے دن ٦ جولائی کو صبح ۹ بجے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے طلبہ وعلماء کے مجمع میں مسلسل بالأولیت اور بخاری شریف کی پہلی حدیث اور صحاح ،موطئین ،مسند امام احمد،مشکوٰۃ المصابیح اور شرح معانی الآثار کے اوائل پڑھا کر مختصراً بیان ہوا اور دعا ہوئی، طلبہ ومدرسین کو اجازت دی گئی۔

جلسہ کے بعد واپسی میں بھائی مظفر کولا کی دعوت پر ان کے پُرشکوہ مکان میں چائے نوش کی گئی اور دعا کی گئی ، وہاں سے انہی کی کار پر واپسی ہوئی اور گوا کے ائیر پورٹ کے لئے روانگی ہوئی ، گوا سے ۱۰ کلومیٹر پہلے تبلیغی جماعت کے لوگوں نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جو کرایہ کے مکان میں قائم ہے،جس کے ناظم مدرسہ مظاہر علوم کے فارغ ہیں،ان سے حوصلہ افزائی کے چند کلمات کہے،اس کے بعد ائیر پورٹ پہونچے مولانا ابوطلحہ ندوی بھٹکلی اور بھائی مظفر کولا صاحب کے چچازاد بھائی عبدالماجد کولا نے آپ کو رخصت کیا، پونے چار بجے وہاں سے روانگی ہوئی اور ٦ ربجے دلی ائیر پورٹ پر خیر وعافیت کے ساتھ پہونچ گئے اور دلی میں ایک روز قیام فرما کر ۸ر جولائی کو اعظم گڑھ تشریف لے آئے۔

سفرسہارنپور

بقلم: مولوی فریدالدین ندوی

میرے دادا جان کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، مدرسہ مظاہرعلوم اور وہاں کے اکابر بالخصوص حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ اور حضرت ناظم صاحب وغیرہم سے جو تعلق ہے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں، چونکہ ادھر مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ میں دو سال سے شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا، اس لیے وہاں کے اکابر سے اپنی ہندوستان کی آمد پر سہارن پور حاضری کا وعدہ فرمالیا تھا، چنانچہ ۳/اپریل ۲۰۰۸ء بروز جمعرات ابوظبی سے دہلی تشریف لائے اور مرکز نظام الدین دہلی میں شام کو قیام رہا، اعظم گڑھ سے یہ ناچیز اور مولانا صلاح الدین ندوی جوان کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے، ساتھ رہے، جمعرات کی شام میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ نے سہارن پور سے گاڑی بھجوائی، اس لیے دوسرے دن صبح کو ہم لوگ دہلی سے روانہ ہوکر کاندھلہ پہنچے جہاں دادا جان کا پہلے سے ہی حاضری کا ارادہ تھا، لیکن مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی کی دعوت پر اور تقویت ملی، پروگرام کے مطابق جمعہ کے روز ساڑھے دس بجے کاندھلہ پہنچے، کاندھلہ میں مولانا نورالحسن راشد صاحب نے اپنی لائبریری کے نادر مخطوطات دکھائے جو دادا صاحب مدظلہ کی ساری دلچسپیوں کا مرکز تھے، بعض کتابوں کا فوٹو لیا گیا، چونکہ جمعہ کی نماز مظاہرعلوم دار

جدید میں پڑھنی تھی جہاں انتظار تھا، جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث سے ملاقات ہوئی، دوپہر کا کھانا حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے دسترخوان پر تناول فرمایا، قیلولہ وعصر کی نماز کے بعد کچھ طلبہ و مدرسین سے ملاقات وگفتگو ہوئی، طلبہ کی ایک جماعت نے حدیث شریف کی اجازت طلب کی، مغرب کی نماز کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب سے تفصیلی ملاقات کے دوران حدیث کے موضوع پر گفتگو رہی، انہوں نے اپنی تازہ اور مفید کتاب "**الیواقیت الغالیة فی تحقیق و تخریج الأحادیث العالیة**" پیش فرمائی، عشاء کی نماز کے بعد اعلان کے مطابق داداجان نے دار جدید کی مسجد میں طلبہ کے سامنے تقریر فرمائی جس میں ان کو متوجہ فرمایا کہ وہ اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہیں اور اس قیمتی علم کی عظمت کا دل پر ہمہ وقت احساس واستحضار رکھیں، نگاہوں کی حفاظت اور بدنگاہی کے نقصانات بیان کیے کہ ایسا شخص علم سے محروم ہوتا جائے گا، وقت کی حفاظت کی بھی تاکید فرمائی۔

بر خود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج　　　　در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

فجر کی نماز کے بعد طلبہ و مدرسین کی ایک جماعت اجازت حدیث کے لیے حاضر ہوئی تو ان کو اجازت حدیث دی گئی، ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ناظم صاحب مدظلہ کی ترتیب کے مطابق زکریا منزل، کتب خانہ کے مخطوطات، دارالافتاء، شعبۂ عربی ادب اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کی زیارت فرمائی اور وہاں طلبہ اور بعض مدرسین کے سامنے بخاری شریف کے رواۃ اور اس کے مختلف نسخوں پر گفتگو فرمائی جس کو لوگوں نے نہایت دلچسپی سے سنا، اس کے بعد داداجان اپنے ایک قدیم

رفیق درس حضرت مولانا محمد اطہر صاحبؒ کے انتقال پر ان کے صاحبزادے مولانا محمد سعیدی صاحب ناظم مظاہر علوم وقف کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، مولانا محمد سعیدی صاحب نے بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھ کر اجازت لی، وہاں سے واپس آ کر کچھ دیر آرام فرمایا اور دوپہر کا کھانا حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے دسترخوان پر کھایا، دادا جان کو اس سفر سے نہایت خوشی ومسرت حاصل ہوئی، اس کے بعد اپنے مستقر پر واپسی فرمائی، وہاں سے مولانا صلاح الدین ندوی، یہ ناچیز اور دادا جان دوسرے دن ایرپورٹ روانہ ہوئے، اتفاق سے ایرپورٹ پر سابق وزیر اعلیٰ جناب ملائم سنگھ سے ملاقات ہوئی جو دادا جان سے اچھی طرح واقف تھے، الحمد للہ دوپہر ۱۲؍بجے مظفرپور بخیر وعافیت پہونچ گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

ایک یادگار مجلس حدیث

از: ادارہ الشارق

۲۱رشوال مطابق ۲۲راکتوبر کی صبح، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے یادگار رہی کہی جائے گی کہ اس صبح کو جب آفتاب عالم تاب نے اور تابانی عطا کی اور قریب دس کا عمل ہوا تو دارالعلوم کے ایک وسیع ہال میں قرآن مجید کے بعد روئے زمین پر سب سے برگزیدہ، مقدس اور ہر لحاظ سے صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کے درس کا افتتاح جناب مولانا تقی الدین ندوی مظاہری نے فرمایا، عموماً مدارس و جامعات میں بخاری شریف کے افتتاح واختتام کا اہتمام کیا جاتا ہے، علمائے حدیث کی یہ قدیم عادت بھی ہے، خود حضرت مولانا ندوی مظاہری کو برسوں سے اس عمل کا شرف حاصل رہا ہے لیکن دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نئے تعلیمی سال میں اس افتتاح کا رنگ ہی کچھ اور تھا، کہنے کو تو یہ فضیلت اول و دوم کے طلبہ کے درس کا آغاز تھا، لیکن پورا ہال سینکڑوں طلبہ سے معمور تھا، حد یہ ہے کہ ہال سے باہر بھی طلبہ کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی تھی، مولانا مدظلہ کے ساتھ جناب مولانا مفتی محمد ظہور ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی مسند پر رونق افروز تھے، ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی دامت برکاتہم

ذرا بعد میں تشریف لائے لیکن حضرت کی آمد سے پہلے مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی، مولانا عبداللہ حسنی ندوی، مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی، مولانا ابوسحبان روح القدس ندوی، مولانا نیاز احمد ندوی وغیرہ اساتذہ دارالعلوم تشریف لا چکے تھے، مولانا نے جب درس کا آغاز کیا تو طلبہ مجسم گوش برآواز تھے، ان کے ہاتھوں میں قلم اور سامنے قرطاس کا تعلق بھی دیدنی تھا، حضرت مولانا بھی عجیب عالم میں تھے، انہوں نے صحیح بخاری کی تالیف کی تاریخ، دوسری کتب حدیث سے موازنہ اور ترجیح، اور بعض تنقیدی افکار کے رد کے ساتھ صحیح بخاری کے مختلف نسخوں اور خصوصاً زیر تکمیل نسخۂ یونینی کے تعلق سے گویا معلومات کا ایک سمندر طلبہ وحاضرین کے لیے رکھ دیا، باب کیف کان بدء الوحی کے متعلق عالمانہ مباحث کو ایجاز واختصار میں پیش کرنا گویا دریا کو کوزے میں سمونا تھا، ابواب اور تراجم کے تعلق میں امام بخاری کی دقت نظر اور بے مثال دور بینی اور حکمت ومصلحت کی جانب بھی نہایت دل نشیں انداز میں توجہ دلائی، اس کے بعد صحیح مسلم کا بھی اسی طرح آغاز فرمایا، یہی نہیں صحاح ستہ کے امتیازات وخصوصیات کو جس جامعیت، اختصار اور خوبی سے واضح فرمایا یہ طلبہ کے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھا، پورے مجمع پر عجب تأثر کا عالم تھا اور اس کا اظہار حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی دامت برکاتہم کے تأثرات سے بھی ہوا، حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اس موقع پر طلبہ کو یہ مژدہ بھی سنایا کہ اس سال سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ''مرکز الکتاب والسنۃ'' کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جارہا ہے، قرآن مجید وحدیث شریف میں اعلیٰ تحقیقی بحث ودراسہ کے اس مرکز کی ساری توجہات قرآن وحدیث کے سرمایہ، اس کی برکات اور اس کے علوم کے فروغ واشاعت پر مرکوز ہوں گی، اور

اس شعبہ کے صدر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ ہی ہوں گے، آخر میں حضرت مولانا مظاہری ندوی کی دعا پر یہ مبارک مجلس اختتام کو پہونچی، اس دعا کی لذت اور کیف اور اثر کو بھی حاضرین مدتوں یاد رکھیں گے۔

رائے بریلی کا سفر

از: ادارہ الشارق

بانئ جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری نے ۴؍ مارچ بروز بدھ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے ملاقات کی غرض سے ان کے وطن رائے بریلی تکیہ کا سفر کیا، دورانِ سفر مولانا محمد سہیل صاحب ندوی اور ان کے رفقاء کی درخواست پر مدرسہ سیدنا عمر فاروق سیف اللہ گنج سلطان پور تشریف لے گئے، سلطان پور سے حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ کی خواہش پر اصلاح عام ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کے تحت علی میاں پبلک اسکول اوداری میں پیام انسانیت کے جلسہ میں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب اور حضرت مولانا محمد واضح صاحب مدظلہما سے ملاقات ہوئی۔

جلسہ میں حضرت مولانا سے بیان کرنے کی فرمائش کی گئی تو حمد وثنا کے بعد پیام انسانیت کے تعلق سے بیان فرمایا کہ ’’مسلم کامل وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دیگر مسلمان محفوظ رہیں‘‘، دوسری روایت میں آیا ہے کہ ’’مومن وہ ہے جس سے لوگ اور ان کے اموال محفوظ رہیں‘‘۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں یہ فرمایا گیا کہ ’’اسلام انسانیت کی تعلیم دیتا ہے، ہمارے پیغمبر ﷺ پورے عالم کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے، اس وقت دنیا

میں جہاں کہیں بھی انسانیت واخلاق کے نمونے نظر آرہے ہیں وہ پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کے نتیجہ میں ہیں، اس لیے ہر مسلمان کو آپؐ کے اسوہ کا پابند ہونا چاہئے ۔

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اس لیے مسلمان کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ کامل درجہ کا مسلمان بنے، ایسا شخص مسلم کامل نہیں ہوسکتا جس میں اسلامی اخلاق نہ ہوں، جو مسلم کامل ہوگا وہ انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہوگا اور وہ لوگوں کی کشش کا ذریعہ ہوگا''۔

جلسے کے بعد دوپہر کا کھانا جناب مولانا اسد اللہ ندوی صاحب مہتمم مدرسہ نور الاسلام کنڈا پرتاپ گڑھ (جو اس جلسے کے اصل ذمہ دار تھے) کے یہاں تناول فرمایا، اور قیلولہ وعصر کی نماز سے فارغ ہوکر حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ کے ہمراہ مدرسہ اصلاح المسلمین تیندوا تشریف لے گئے اور بعد نماز مغرب مدرسہ کے طلبہ کی حفظ قرآن کی تقریب میں شرکت فرمائی اور حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی کی معیت میں تکیہ شاہ علم اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور عشاء سے قبل تکیہ پہونچے۔

دوسرے دن مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی صاحب مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور کی دعوت پر دار عرفات کی جدید عمارت ''مرکز الامام ابوالحسن علی'' اور اس کے کتب خانے کا معائنہ کیا اور مدرسہ ضیاء العلوم کے اساتذہ اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے نئے فارغین جو وہاں بحث وتحقیق میں مشغول ہیں ان سے گفتگو فرمائی اور ان کو حدیث وتفسیر اور فقہ کے مصادر ومراجع کے سلسلہ میں نئی معلومات سے آگاہ کیا، دعا کے بعد اعظم گڑھ واپسی فرمائی۔

دہلی سے مظفر پور تک

بقلم: صلاح الدین ندوی پرتاپ گڑھی

بانی جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ ۲۰/جون ۲۰۰۹ء بروز سنیچر ۱۲/بجے شب میں اتحاد ہوائی جہاز سے ابوظبی سے روانہ ہوکر فجر کی نماز سے قبل دہلی ایرپورٹ پہونچے، ان کے نواسے مولانا اسعد عالم مظاہری ندوی بھی ساتھ تھے، نماز فجر کے بعد راقم سطور اور حضرت مولانا کے پوتے محمد علی سلمہٗ نے ایر پورٹ پر استقبال کیا، نظام الدین میں حضرت مولانا کی آمد کی اطلاع ہونے کی وجہ سے شدت سے انتظار تھا، اس لیے ایرپورٹ سے نظام الدین حاضری ہوئی، اس دفعہ سب سے اہم کاموں میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات و مزاج پُرسی اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی صاحبزادی اور مولانا محمد شاہد صاحب کی والدہ محترمہ کے سانحۂ ارتحال پر حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور مولانا محمد شاہد صاحب کی خدمت میں تعزیت پیش کرنی تھی، چوں کہ امسال مظاہر علوم کی شوریٰ میں شرکت نہیں ہوسکی تھی اس کی تلافی بھی ضروری تھی، الغرض سب سے پہلے ایرپورٹ سے نظام الدین پہونچے، وہاں آرام کرنے کے بعد مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی نے ناشتہ بھجوایا اور خود بھی تشریف لائے، اس کے بعد مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کے پاس

جا کر تعزیت کی، کیوں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی صاحبزادی مولانا زبیر الحسن صاحب کی خوش دامن تھیں، یہاں کے امور سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ مولانا محمد سلمان صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم نے مولانا عبدالعظیم صاحب کو نظام الدین بھیجا ہے اس لیے ان کی معیت میں ۲۱؍جون بروز یک شنبہ ۱۰؍بجے بذریعہ کار نظام الدین سے سہارنپور روانگی ہوئی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے مرتب پروگرام کے مطابق دوپہر کا کھانا کاندھلہ میں جناب مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کے برادر خورد مولانا بدرالحسن صاحب کے یہاں تناول کیا گیا، قیلولہ کے بعد شام ۴؍بجے مولانا محمد طلحہ صاحب کے خال معظم اور یادگار سلف صوفی افتخار الحسن صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی، جس پر انہوں نے بے حد خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا، اور اُوجز المسالک و بذل المجہود پر حضرت مولانا کی تعلیق و تحقیق کے ساتھ اس کی جدید طباعت پر مبارک باد دی۔

وہاں سے رخصت ہوئے تو عصر کی نماز کے بعد مولانا نورالحسن راشد صاحب کے کتب خانہ کی زیارت کی گئی، انہوں نے بعض بہت ہی قیمتی اور اہم کتابوں کی نشان دہی کی اور اپنی نئی کتاب ''سوانح مولانا مملوک العلی'' ہدیۃً عنایت فرمائی، جس پر حضرت مولانا نے مسرت کا اظہار فرمایا، وہاں سے مدرسہ سلیمانیہ کاندھلہ اور اس کی مسجد کے پاس حضرت مولانا مدظلہ نے دعا فرمائی اور سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔

مدرسہ مظاہر علوم پہونچ کر اس کے مہمان خانہ میں قیام رہا، مغرب کی نماز کے بعد مہمان خانہ ہی میں مولانا محمد شاہد صاحب اور مولانا معاذ صاحب کاندھلوی

ندوی تشریف لائے ان سے ملاقات ہوئی، رات میں کم سونے اور مسلسل سفر کی وجہ سے تکان کافی تھی اس لیے چائے وغیرہ سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے یہاں حاضری ہوئی، اور شام کا کھانا تناول فرمایا، وہیں مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم وغیرہ سے ملاقات ہوئی، خاص طور سے مولانا معاذ کاندھلوی صاحب شروع سے آخر تک ساتھ رہے۔

۲۲/جون بروز دوشنبہ بعد نماز فجر مولانا محمد طلحہ صاحب کی مجلس ذکر میں حاضری ہوئی، جہاں الحمدللہ ذاکر وشاغل احباب کا کافی مجمع تھا، انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی پاکیزہ روایات کو برقرار رکھا ہے، دوسرے مہمانوں کی چائے وغیرہ سے ضیافت کے بعد ہم لوگوں کو خصوصی ناشتہ کرایا گیا، وہاں سے واپس آکر مہمان خانہ میں آرام کیا گیا، اس کے بعد مولانا معاذ صاحب ندوی آئے، انہوں نے شعبۂ تخصص فی الادب اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ واساتذہ سے ملاقات کرائی، ان حضرات کے سامنے حدیث کے موضوع پر گفتگو ہوئی، اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم وقف کے ناظم مولانا محمد سعیدی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے، حضرت مولانا نے ان کے والد (مولانا محمد اطہر مرحوم) کی وفات پر ان کی تعزیت کی جو حضرت مولانا کے ہم درس تھے، دوپہر کا کھانا مولانا محمد طلحہ صاحب کے یہاں تناول کیا گیا، واپس آکر اپنے مستقر پر آرام فرمایا، ۵/بجے عصر کی نماز پڑھ کر دارالعلوم دیوبند روانگی ہوئی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نے ایک طالب علم کو بطور رہبر بھیجا تھا، اس کی رہبری میں مغرب سے کچھ پہلے دارالعلوم کے مہمان خانہ پہونچے، مہمان خانہ میں سامان رکھ کر مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت مولانا

عبدالحق صاحب کے گھر پر چائے وغیرہ پی گئی، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ نے بھی اپنے صاحبزادہ کو مہمان خانہ میں بھیجا کہ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں، لیکن پہلے سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی کے یہاں کھانے کا پروگرام طے تھا اس لئے ان سے معذرت فرمادی، البتہ دوسرے دن ناشتہ پر حاضری کا وعدہ کیا۔

اعظم گڑھ کے طلبہ اور ان کی انجمن کے ذمہ داروں کا اصرار تھا کہ حضرت مولانا کے اعزاز میں استقبالیہ دیا جائے، اس کے لئے وہاں کے دارالحدیث میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب کی صدارت میں بعد نماز عشاء پروگرام شروع ہوا، جو سوا گیارہ بجے ختم ہوا، عشاء کی نماز سے پہلے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند مہمان خانہ میں ملاقات کے لئے تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب کے، حضرت مولانا مدظلہ سے دیرینہ تعلقات ہیں، حضرت مولانا نے ان سے کچھ کتابوں کی فرمائش کی جن کو انہوں نے دوسرے دن بجھوادیا، ان میں خاص طور سے ''حرمت مصاہرت'' اور ''تحفۃ الالمعی'' کی ساتویں جلد تھی۔

تیسرے دن صبح میں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ کی دعوت پر ان کے مکان تشریف لے گئے اور چائے نوش فرمائی، اس کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ کے یہاں ناشتہ پر حاضری ہوئی، جس کی اطلاع حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے مولانا ارشد مدنی صاحب کو پہلے ہی دے دی تھی، وہاں ناشتہ کے بعد فرمایا کہ اس کی اطلاع مولانا محمد طلحہ صاحب کو ضرور کردیں، ورنہ وہ ناراض ہوں گے،

اس کے بعد تقریباً ۹؍بجے مفتی سعید احمد صاحب تشریف لائے ان سے حضرت مولانا نے کچھ جدید فقہی سوالات کئے جن میں سے بعض کے جوابات انہوں نے دیئے ، اتنے میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب تشریف لائے ،اس کے بعد وہاں سے واپسی کا نظام بن گیا اور نظام الدین تقریباً ڈھائی بجے واپسی ہوئی، نماز ظہر کے بعد آرام فرمایا اور شام کو ۷؍بجے بذریعہ ہوائی جہاز لکھنؤ تشریف لائے، لکھنؤ ایرپورٹ پر حضرت مولانا کے پوتے عزیزی فرید الدین ندوی سلمہٗ اور آپ کے نواسے حافظ احمد عالم موجود تھے، وہاں سے دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملاقات ہوئی اور خوشی کا اظہار فرمایا، دوسرے دن حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاذ حدیث دارالعلوم کی رفاقت میں دارالعلوم کے جدید علمی و تحقیقی مرکز ''المجمع العلمی للدراسات فی علوم القرآن و الحدیث'' تشریف لائے ،اس کے علمی کاموں کو دیکھا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند کا ایک اہم سفر

از: ادارہ الشارق

۲۲؍جون ۲۰۰۹ء کی شام کو حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ کی دارالعلوم دیوبند آمد پر انجمن طلبۂ اعظم گڑھ دارالعلوم دیوبند نے دارالحدیث میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا، جس کی صدارت حضرت مولانا عبدالحق اعظمی مدظلہ نے فرمائی، جلسہ کی مکمل تفصیل ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

ناظم جلسہ: ابوذر اعظمی

(تمہید)

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الله الصالحين، أمابعد!

پہلے بسم اللہ پھر حمد و ثنا اللہ کی
پھر کروں تعریف میں پیارے رسول اللہ کی

شکریہ خوانی عبادت اور زیادتی نعمت کا سبب ہے اور ناشکری کفرانِ نعمت ہے ارشاد باری ہے ﴿**لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد**﴾ اس لئے سب سے پہلے اس خداوند قدوس کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے گوشت کے ایک لوتھڑے کو قوت گفتار عطا فرمائی اور فصاحت و بلاغت کے غازہ سے

نواز کر اس کے حسن کو دو بالا کر دیا اور صلاۃ وسلام کا نذرانہ محبوب نبی امی کے لئے جنہیں جوامع الکلم عطا کئے گئے۔

تلاوت قرآن پاک: تو آیئے تلاوت باسعادت کے لیے دعوت دیتا ہوں قاری ندیم احمد اعظمی کو وہ آئیں اور تلاوت کلام اللہ پیش کریں۔

نعت پاک: اس کے بعد میں نعت پاک کے لیے دعوت دیتا ہوں ظفر احمد اعظمی کو احسان دانش کے اس شعر کے ساتھ ؎

نفس نفس پہ برکتیں قدم قدم پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعؐ عاصیاں گذر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی وہ جہاں جہاں گذر گیا
کہاں ممکن تمہاری نعت حضرت مختصر یہ ہے
دو عالم مل کے جو کچھ بھی کہیں اس سے سوا تم ہو

اظہار جذبات اور خطبہ استقبالیہ

سامعین ذی وقار! تعظیم وتکریم کے جذبات اپنے مشفق مہمان کی خدمت میں پیش ہیں جنہوں نے ہم طلبۂ دارالعلوم خصوصاً طلبہ اعظم گڑھ کو خدمت کا سنہرا موقع عنایت فرمایا، تشکر وامتنان کی سوغات اپنے معزز مہمان کی بارگاہ میں نذر ہے جنہوں نے ایک وادی غیر ذی زرع میں قلعہ تیار کیا، تحریر وصحافت کے میدان میں حضرت نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی ایک تاریخ مرتب ہوسکتی ہے، درس وتدریس کا باب کھولئے تو مسند درس پر متمکن ہو کر حضرت نے عرب وعجم کے اندر وہ

خدمات انجام دیں جو ایک زریں باب ہے، ہمیں فخر ہے کہ ہم بھی انہیں کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت اس خطے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے بارے میں اقبال سہیل نے الہامی شعر کہا تھا کہ ؎

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

دارالعلوم میں طلبہ اعظم گڑھ کی علامہ شبلی کے نام سے جو لائبریری قائم ہے وہ حضرت کی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے، میری مراد حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب اعظمی ندوی مظاہری کی ذات گرامی ہے۔

تعارف مہمان خصوصی

محترم سامعین! آپ کے سامنے جو شخصیت جلوہ افروز ہے، ان کے فیض کے دھارے ہندوستان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرحدوں سے دور اور بہت دور عرب ممالک میں بھی بہہ رہے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں کوئی دینی درسگاہ ایسی نہیں ہے جہاں حضرت والا کا دامے، درمے، قدمے، سخنے تعاون نہ ہو، اس کے علاوہ حضرت والا مختلف مدارس کے سرپرست ہیں اور متعدد کتابوں پر اپنی تحقیق کا وہ انوکھا کام انجام دیا ہے جسے دیکھ کر امامانِ سلف کی یادیں تازہ ہونے لگتی ہیں، ایک بہت ہی بڑا کام جو حضرت موصوف کی جانفشانی اور تگ ودو کے نتیجے میں رونما ہوا ہے وہ ہے جامعہ اسلامیہ مظفر پور کی تاسیس، اس جامعہ کی بنیاد سے پہلے کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ اس جنگل میں بھی کبھی علمی گل ولالہ کی بہار آئے گی، لیکن حضرت کی محنت نے آج جنگل کو منگل بنا دیا اور آج وہی منگل بلبلان علم وہنر کی چہچہاہٹ سے ایک پُر

کیف منظر کی تصویر کشی کر رہا ہے، نیز حضرت والا کے پاس علمی تجربہ کی گہرائی، شعور کی پختگی، علمی اور عملی سچائی کا وہ ذخیرہ ہے کہ اگر وہ ہمارے سامنے بکھیر دیں تو ہمیں بہت فائدہ ہوگا، اس لئے حضرت والا کی جناب میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ اپنے نصائح عالیہ اور افادات عالیہ سے مستفید فرمائیں، حُسن علم وعمل اور حسن صورت و جمال کے پیکر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ العالی!

حضرت والا کا خطاب

نحمده و نصلي على رسوله الكريم أما بعد !

جناب صدر اور عزیزان طلبہ!

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

میں نے خیال کیا تھا کہ آپ لوگوں کی شدید مشغولیت کے زمانہ میں مجھے دس منٹ سے زیادہ کہنا مناسب نہیں ہے لیکن میرے تعارف میں جو لمبی تقریریں کی گئیں ان کا تقاضہ ہے کہ میں اپنی بات کو ذرا تفصیل سے پیش کروں جو طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ حضرات نے جس جگہ یعنی دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں بیٹھا کر گفتگو کرنے کا موقع دیا ہے، اس کے لیے میں آپ حضرات کا شکر گذار ہوں، یہ دارالعلوم عالم اسلامی اور عالم عربی میں بہت اہم مقام رکھتا ہے، دارالعلوم دیوبند یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور اکابر کی یادگار رہے، یہ دارالعلوم غیبی نظام کے تحت قائم کیا

گیا تھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر صدی میں اسلام کی حفاظت کے لئے اوراس کی پاسبانی کے لئے ایسے افراد پیدا کئے جنھوں نے اسلام کے دفاع اوراس کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا، یہ دارالعلوم بھی ایسے دَور میں قائم کیا گیا تھا کہ اس ملک میں اسلام کو اس کی ضرورت تھی ، یہی منہج اور یہی طریقہ اسلام کے دفاع اور پاسبانی کے لئے مناسب تھا، اسی منہج پر دیگر مدارس بھی قائم ہوتے چلے گئے ، یہ دارالعلوم مدرسہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے ، یہ وہ جگہ ہے جس نے اس صدی میں ہندوستان میں مجددانہ کارنامہ انجام دیا ہے، یہ اسلام کا مجدد ہے، خواہ اسلام کے دفاع اور دعوت کا میدان ہو یا کتاب وسنت کی شرح وترجمانی کا میدان ہو، ہمارے اکابر درحقیقت ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

کے مصداق تھے، اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کے فہم کے لئے ان کے سینوں کوکھول دیا تھا۔

بینی اندر از علوم انبیا
بے کتاب و بے معید و اوستا

ان کی بعض تحقیقات ایسی ہیں کہ متقدمین کے یہاں بھی نہیں ملتیں، آپ کو معلوم ہے کہ میرا قیام تقریباً ۳۶ سال سے عرب امارات میں ہے، زندگی کا بڑا حصہ یونیورسٹی میں حدیث شریف کے درس وتدریس میں گزاردیا، بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے ڈاکٹر حضرات اور علماء وفضلا سے ملاقاتیں رہی ہیں، مختلف سیرت وسنت کی کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا، کئی یونیورسٹیوں میں خاص طور سے مکہ یونیورسٹی کی مجلس علمی کا رکن بھی ہوں، آج کل بخاری شریف اوراس کے ساتھ حضرت مولانا احمد

علی صاحبؒ کے حاشیہ پر تحقیق وتعلیق کا کام کررہا ہوں، میں نے اپنے ہر لکچر میں کوشش کی ہے کہ اپنے اکابر کی کوئی تحقیق ضرور پیش کروں، آپ نے بخاری شریف کا باب اول پڑھ لیا ہوگا، **باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول الله** ﷺ، اس میں جو تحقیقات بیان کی گئی ہیں وہ اور حضرت شیخ الہندؒ نے جو تحقیق وتوجیہ ترجمۃ الباب و حدیث کے ربط کے سلسلے میں بیان کی ہیں وہ بھی سن چکے ہوں گے، یہاں پر جو علمی اشکال ہے اس کا متقدمین کی کتابوں میں بھی جواب دیا گیا ہے لیکن ان سب کے جواب تشنہ رہے، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی کتاب الابواب والتراجم میں جو اشارے کئے ہیں اور ترجمۃ الباب کا مقصود وحی کی عظمت وعصمت قرار دیا ہے، ترجمۃ الباب پر جس طرح مدلول التزامی سے استدلال فرمایا ہے، ترجمۃ الباب اور اس کے تحت احادیث کا ربط جس طرح بیان فرمایا ہے وہ تحقیق بالکل نادر ہے اور جب میں نے اپنے کسی محاضرے میں اس کی تفسیر کی تو سامعین جن میں بڑے بڑے علماء وباحثین و قضاۃ تھے بہت ہی متاثر ہوئے اور ہندوستانی علماء کے حدیث میں رسوخ کے قائل ہوئے، اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی کتاب الابواب والتراجم میں یہ عندیہ دیا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی کتاب مرتب ومبوب ہے، جن علماء نے ماضی میں جیسے ابوالولید باجی اور ان کے بعد علامہ عینی ان حضرات نے اصیلی کے قول کی بنا پر یہ کہا کہ کتاب کے کچھ ابواب غیر مرتب تھے، مرتب کرنے میں تقدیم وتاخیر ہوئی، علامہ قسطلانی نے اس پر رد کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے سامنے ان کی کتاب مرتب ومبوب پڑھی گئی ہے، حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو اپنے شیوخ علی بن مدینی متوفی ۲۳۴ھ، یحیٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ، احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے سامنے

پیش کیا فاستحسنوہ سب نے تحسین کی، کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ کتاب غیر مرتب ہے۔

بہر حال حضرت شیخ الہندؒ کے ابواب وتراجم میں جو اشارے کئے گئے ہیں اور انہوں نے جو پندرہ اصول تراجم کے بیان فرمائے ہیں ان کی روشنی میں امام بخاری کی کتاب مرتب نظر آرہی ہے، ان کے رسالے کے اجمال کی شرح ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اپنی کتاب **الأبواب و التراجم** میں پوری تفصیل وتوضیح کے ساتھ بیان کر دی ہے اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ پوری کتاب مرتب ومنظم ہے، صحیح البخاری کے وہ تراجم جن میں کوئی حدیث باب کے تحت ذکر نہیں فرمائی یا کسی آیت قرآنی کو ترجمہ بنا کر چھوڑ دیا، ان کی جو شرح حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی اور اس کی تفصیل حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمائی ہے یہ کسی اور جگہ نہیں ملے گی۔

اسی طرح علامہ کشمیریؒ کی فیض الباری میں بعض بعض نکتے ایسے ملتے ہیں، جو متقدمین کے یہاں بھی نہیں ملتے، مثلاً تدوین حدیث کے سلسلے میں ایک اشکال یہ کیا گیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد کتابت حدیث کی اجازت دی جا چکی تھی، صحابہ کرام وتابعین نے لکھنا شروع کیا اور اس کے کئی مجموعے تیار ہوئے، لیکن یہ کتابت کا کام انفرادی ہی رہا حتی کہ خلافت راشدہ میں اور اخیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے تدوین حدیث کا حکم ابوبکر بن حزم متوفی ۱۲۰ھ، اور محمد بن شہاب الزہری متوفی ۱۲۴ھ کو دیا، اس پر سوال یہ تھا کہ جب حدیث شریف مصدر ثانی ہے تو اس کی تدوین میں یہ تاخیر کیوں؟

اس کا جواب لکھنے میں مجھے بڑی دشواری پیش آئی، اس کا جواب فیض الباری

کتاب العلم میں مل گیا، علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کیوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد احادیث کی تدوین ہوئی ہوتی تو وہ یا تو متواترہ ہوتیں یا مشہورہ، ان سے ثابت ہونے والے احکام فرض و واجب یا سنت مؤکدہ ہوتے، جس پر عمل کرنا امت کے لئے شاق ہوتا، شارع علیہ السلام کا منشأ یہ تھا کہ فقہاء نے جو درجات قائم کئے ہیں فرض، واجب، سنت، مستحب، اولیٰ، خلاف اولیٰ یہ سارے درجات قائم رہیں۔

یہ توجیہ بھی جس کو عرصہ ہوا میں الفرقان اور الجمعیۃ ایڈیشن میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں، علامہ کشمیریؒ کی اس توجیہ کو جب میں نے بیان کیا تو لوگوں نے بے حد پسند فرمایا، مولانا انظر شاہ کشمیری مرحوم نے جب اس کو پڑھا تو وہ سفر کر کے میرے پاس آئے، وہ اصرار کرتے رہے کہ والد صاحب کے اس طرح کے نکتے کسی کتاب میں جمع کر دیں۔

تیسری مثال میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں کہ جب مجھے حضرت شیخ الحدیثؒ نے بذل المجہود کی خدمت کے لئے قاہرہ بھیجا تو ہمیں جامعہ ازہر میں ایک پی، ایچ، ڈی کے رسالے کے مناقشہ کے جلسے میں شرکت کا موقع ملا، وہاں ایک سوال یہ آیا کہ حدیث میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے مرض الوفاۃ کا وقت قریب آیا تو جبرئیل علیہ السلام ان سے قریب ہوئے، موسیٰ علیہ السلام نے پہچانا نہیں اس لئے ان کے چہرے پر کھینچ کر تھپڑ مارا، "وخرجت عینه" ان کی آنکھ نکل آئی، مجھ سے ازہر کے رئیس القسم فی الحدیث نے پوچھا کہ اس کا کیا جواب ہے، یہ تو عقل کے خلاف ہے، میں نے جواب دیا کہ **شیخ الشیوخ الشیخ الجنجوهی أجاب عن**

هـذا الإشـكـال جـوابـاً شافياً وقال: لأن ملك الموت جاء في صورة البشـر فتـأثـر كـمـا يتـأثر به البشر، لأن موسى عليه السلام لم يعرفه، أخرجه البخاري في موضعين). (باب من أحب الدفن في الأرض المقدسة ح: ۱۳۳۹، وباب وفاة موسیٰ، ح:۳۴۰۷)

یہ میں نے آپ کے سامنے کچھ اشارے بیان کئے ہیں کہ آپ کے اکابر علمی وروحانی لحاظ سے بہت اونچے مقام پر فائز تھے، اور دار العلوم کا یہ دار الحدیث جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں اپنی خصوصیات وروایات کے لحاظ سے غیر معمولی جگہ ہے، اللہ کا شکر ہے کہ جو سلسلہ اکابر سے چلا آرہا تھا وہ قائم ودائم ہے، آپ کے مدرسہ میں اچھے اچھے فضلاء موجود ہیں ان سے استفادہ کی کوشش کیجئے ورنہ یہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

شاعر جاہلی کہتا ہے:

و أذكـر أيـام الـحـمـى ثـم أنثني
عـلـى كبـدى مـن خشية أن يتـصـدّعـا
فـليسـت عشيات الـحـمـى بـرواجـع
عـليـك ولـكـن خـلِّ عـينيـك تـدمـعـا

شاعر کہہ رہا ہے کہ میں ماضی کو اس طرح یاد کر رہا ہوں کہ میں اپنے سینے کو تھامے ہوئے ہوں کہ کہیں پھٹ نہ جائے، لیکن کیا کیا جائے، یہاں سے جانے کے بعد یہ ایام آپ کو یاد آئیں گے، لہذا اس کو غنیمت سمجھا جائے اور بھرپور استفادہ کی کوشش کی جائے۔

دو چیزیں ہیں ایک تو اخلاص کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ علم حاصل کیجئے،

اخلاص کے حصول کے لیے کسی اللہ والے کی صحبت اور استفادہ بھی ضروری ہے، جس کسی سے مناسبت ہو، اس کے بغیر کوئی دینی بڑا کام نہیں انجام پا سکتا۔

می روید تخم دل از آب و گل
بے نگاہ از خداوندانِ دل

یہ اس مدرسہ کا شعار رہا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس علم میں مجاہدہ ہے، جس قدر مجاہدہ کریں گے آپ اس میں کمال پیدا کریں گے، آپ ترقی کریں گے، زمانے کا شکوہ بے جا ہے، اگر آپ میں کوئی کمال پیدا ہو گیا تو لاکھ مخالفت کے باوجود اللہ آپ کو اونچا کرے گا اور آپ سے دنیا کو فیض پہنچے گا۔

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

اخیر میں شکریہ ادا کرتا ہوں آپ حضرات شیوخ اور ان عزیزان طلبہ کا جنھوں نے مجھے یہ موقعہ عطا فرمایا کہ اس بزم حدیث شریف میں شرکت نصیب ہوئی۔

گجرات کا ایک علمی سفر

بقلم: مولوی فریدالدین ندوی

میرے دادا جان کے گجرات اور علمائے گجرات سے دیرینہ تعلقات ہیں، وہاں کے علماء وفضلاء دادا جان کا علم حدیث کی دنیا میں جو مقام ومرتبہ ہے اس کی قدردانی فرماتے ہیں اوران کے کاموں کو بہت قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، خاص طور سے جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے منتظمین اور وہاں کے ناظم اعلیٰ جناب حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی سے آپ کا والہانہ تعلق ہے، وہاں آپ نے تقریباً چار سال قیام فرمایا ہے، اور آپ اس جامعہ کے سب سے پہلے شیخ الحدیث رہے ہیں، دادا جان ہی نے وہاں بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ کا آغاز فرمایا تھا، ان دیرینہ اور گہرے تعلقات کی وجہ سے وہاں کے احباب بہ اصرار دعوت دے رہے تھے، لیکن دادا جان بار بار ارادہ کرنے کے باوجود کثرت کار کی وجہ سے وہاں پہونچنے سے قاصر رہے، امسال جب ابوظبی سے ۲۰ رشوال کو ہندوستان آمد ہوئی اور آپ براہ راست شارجہ سے لکھنو دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، وہاں ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی دامت برکاتہم

سے ملاقاتیں ہوئیں، سابقہ روایت کے مطابق ۲۳؍شوال کو دادا جان نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بخاری شریف کا افتتاحی درس دیا، اور۲۴؍شوال کو وطن اعظم گڑھ تشریف آوری ہوئی۔

یہاں پہونچ کر جامعہ اسلامیہ اور مرکز الشیخ أبي الحسن کے مختلف امور ومسائل کو انجام دینے میں منہمک رہے، ۶؍اکتوبر کو جامعہ اسلامیہ میں بخاری شریف کا افتتاحی درس دیا جس میں علاقہ کے مختلف مدارس کے علماء نے شرکت کی، ۹، ۱۰؍اکتوبر کو دارالمصنفین میں (سیرت کے مصادر ومراجع) کے موضوع پر ہونے والے سمینار میں شرکت کی، اسی دوران مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اور مولانا خلیل احمد صاحب راوت نے بذریعہ فون ترکیسر تشریف لانے کی دعوت دی، اس دعوت پر دادا جان نے گجرات کے سفر کا عزم کرلیا۔

سرزمین گجرات ماضی میں بھی اسلام کی ایک شاندار تاریخ رکھتی ہے، جہاں بڑے بڑے اہل فضل وکمال باہر سے تشریف لائے، اور خود اس سرزمین پر بھی بڑے باکمال پیدا ہوئے، جس کی سرگذشت حضرت مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب ''یادِ ایام'' میں دیکھی جاسکتی ہے، سورت ضلع میں ترکیسر کا قصبہ ایک روحانی تاریخ کا حامل ہے، یہاں پر حضرت موسیٰ جی نقشبندی کا مزار ہے، جنہوں نے اپنے شیخ ومرشد کے اشارہ پر دعوت وتربیت کا مرکز ترکیسر کی سرزمین کو بنایا، ان کے خلفاء میں مولانا عین القضاۃ لکھنویؒ ہیں جن کا ہدایہ اور بعض دوسری کتابوں پر حاشیہ بھی ہے اور وہ لکھنؤ کے مدرسہ فرقانیہ کے بانی بھی ہیں جس سے قراء کی بڑی جماعت نکلی اور ایک عالَم ان سے فیض یاب ہوا، ترکیسر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً تین یا چار ہزار کے درمیان ہے،

ترکیسر کے مدرسہ میں حفظ قرآن اور ابتدائی مکتب کا سلسلہ بہت زمانہ سے قائم تھا لیکن اس کے ذمہ داروں کی عنایت وتوجہ سے (جن میں راوت فیملی کا خاص رول ہے) اس جامعہ میں دورۂ حدیث کا سلسلہ شروع کیا گیا، درحقیقت یہ مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی سرپرستی میں انجام پاتا رہا ہے اور انہیں کی دعوت پر دادا جان دارالعلوم ندوۃ العلماء کو چھوڑنے کے بعد وہاں تشریف لے گئے، چوں کہ دادا جان کی اُس وقت شہرت ہو چکی تھی، ''محدثین عظام'' طبع ہو چکی تھی اور آپ کے علمی وتحقیقی مضامین و مقالات معارف، الفرقان اور برہان جیسے مؤقر رسائل میں طبع ہو کر اہل علم وتحقیق سے دادِتحسین حاصل کررہے تھے، دادا جان کی ترکیسر آمد پر ان کے ذوق علمی کو دیکھ کر مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے مختلف کتب خانوں سے عاریۃً کتابیں حاصل کیں اور بہت سی کتابیں باہر ممالک سے بھی منگوائیں، اوران کی علمی ذوق کی آبیاری کے لیے اسباب ووسائل کی فراہمی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اور وہاں کے منتظمین نے دادا جان کے ساتھ نہایت ہی تکریم کا معاملہ فرمایا(**فجزاهم الله على حسن صنيعهم**)۔

دادا جان نے جب سفر کا ارادہ کیا تو راقم السطور کو رفاقت کی سعادت سے سرفراز فرمایا، اعظم گڑھ سے ممبئی کے راستے یہ سفر ہوا، ۱۴؍اکتوبر کو ممبئی سے بذریعہ ٹرین سورت کے لیے روانگی ہوئی، ۲؍بجے سورت پہونچے، حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اور جناب خلیل راوت صاحب نے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، اسٹیشن سے ترکیسر تشریف لائے، وہاں پہونچ کر علماء اور طلبہ سے ملاقاتیں ہوئیں، جامعہ فلاح دارین کے نائب مہتمم مولانا ارشد صاحب حفظہ اللہ نے جو حضرت مولانا قمر

الزماں صاحب الہ آبادی کے مسترشدین میں ہیں، دادا جان کا بڑا اہتمام فرمایا، اور آپ کا ہر طرح سے خیال رکھا، وہیں مولانا ایوب صاحب سورتی جولندن میں ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے ہیں سے اچانک ملاقات ہوئی، آپ دادا جان سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ ترکیسر میں خاصا وقت بخاری شریف پڑھانے میں دیں گے، ان کے ساتھ ساتھ مولانا صلاح الدین جو حضرت مولانا ذوالفقار کے مسترشدین میں ہیں ان سے اور دیگر علماء سے ملاقات رہی، اس پر دادا جان نے فرمایا کہ مولانا عبداللہ صاحب نے تمام بزرگوں کے مسترشدین کا مجمع یہاں اکٹھا کر دیا ہے، یہ ان کی وسعت نظر کی دلیل ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب نے دادا جان کی آمد پر بخاری شریف کا افتتاحی درس بعد نماز عشاء جامعہ کی مسجد میں رکھا تھا، چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق دادا جان کے ذریعہ بخاری شریف کا افتتاحی درس مسجد میں دیا گیا، جس میں طلبہ وعلماء کے علاوہ بیرونی لوگ بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، قرآن مجید کی تلاوت کے بعد جناب مولانا عبداللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ ہذا نے تعارفی کلمات پیش کیے، آپ نے فرمایا کہ:

''آج کا یہ دن ہمارے لیے بہت ہی مبارک دن ہے کہ ایک عرصہ کے بعد ہم اپنے درمیان دارالعلوم فلاح دارین کے سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم کو پار ہے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس ادارہ میں بخاری شریف کا درس دیا تھا، وہ یہاں تشریف فرما ہیں، آپ ایک ممتاز محدث ہیں، آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علم حدیث کی خدمت میں لگایا ہے، اور تدریس حدیث کے ساتھ تصنیف وتالیف اور تحقیق کا ذوق بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو

مرحمت فرمایا ہے، اور اس لحاظ سے بھی آپ حدیث کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ حضرت مولانا نے اس علم مبارک کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے، آج ہمارے اس جلسہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو علمائے گجرات کی طرف سے خراج عقیدت پیش کریں کہ آپ نے اپنی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں کے ساتھ ہمارے اکابر علماء ومحدثین کی کتابوں کو خلیج سے محیط تک پہونچا دیا، **من الخليج إلى المحيط**‘‘۔

اس کے بعد مولانا اقبال صاحب مدنی نے عربی زبان میں ناظم مولانا خلیل راوت صاحب کی طرف سے ایک سپاس نامہ پیش کر کے تمام لوگوں کی طرف سے محبت وعقیدت کا اظہار کیا، اس کے بعد دادا جان نے حمد وثنا کے بعد حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری شریف کی حدیث اول کی قراءت کی، ابتدا میں آپ نے دار العلوم فلاح دارین ترکیسر سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر فرمایا، ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اور جناب خلیل راوت صاحب اور ان کی فیملی اور وہاں کے باشندوں کی محبت کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ یہ میری وہ جگہ ہے جہاں مجھے حدیث شریف کی پوری تیاری کا موقع ملا، یہاں کے قیام میں میرے قلم سے کئی اہم کتابیں نکلیں اور کئی علمی مضامین کی طرف اشارہ فرمایا جو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے، اس کے بعد ایک گھنٹہ بخاری شریف کا درس دیا اور ان کی دعا پر اس جلسہ کا اختتام ہوا۔

تقریر کے بعد قرب وجوار سے آئے ہوئے بہت سے محبین نے ملاقاتیں کیں، ان میں خاص طور سے بھائی عبدالحفیظ منیار کو دادا جان نے تلاش کروایا، ان سے رابطہ بھی ہو چکا تھا لیکن اچانک علالت کی وجہ سے وہ تشریف نہ لا سکے۔

۱۵/اکتوبر بروز جمعہ ترکیسر سے صبح ناشتہ کے بعد ہم لوگ کاپودرہ کے لیے

روانہ ہو رہے تھے کہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب بدات کے داماد مولانا مفتی محمد یونس صاحب کا فون آیا کہ ہمارے والد صاحب سے ملاقات کے لیے ضرور تشریف لے جائیں، چنانچہ ان کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے گئے، ان کے والد اور اعزہ سے ملاقات ہوئی، ان کے والد کے پاس داداجان نے ان کا ذکر خیر کیا اور ناشتہ کر کے وہاں سے آگے کے لیے روانگی ہوئی۔

کاپودرہ پہونچ کر دس بجے مسجد عائشہ میں علماء وفضلاء اور اساتذۂ مدارس کے درمیان پہونچے، اس اجتماع کے شرکاء میں خاص طور سے حضرت مفتی احمد خان پوری مفتی ڈابھیل اور مولانا مفتی احمد دیولوی ناظم جامعہ علوم قرآن جمبوسر اور ان کے ہمراہ مولانا اقبال خانپوری جو داداجان کے خاص شاگرد ہیں وہ بھی تھے، اکل کوا سے حضرت مولانا غلام وستانوی صاحب جو حضرت باندویؒ کے خاص خلفاء میں ہیں اور داداجان سے خاص تعلق رکھتے ہیں وہ بھی تشریف لائے تھے اور جناب مفتی عبداللہ صاحب ناظم جامعہ اسلامیہ ہانسوٹ ان کے علاوہ مختلف مدارس کے شیوخ، احباب وعلماء موجود تھے داداجان کا ایک خصوصی خطاب ہوا اور پھر نماز جمعہ سے قبل کاپودرہ کی جامع مسجد میں مجمع عام کے سامنے عمومی خطاب ہوا، کھانا تناول کر کے وہیں آرام کیا گیا اور بعد نماز عصر کاپودرہ سے حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کے ہمراہ جامعہ قاسمیہ عربیہ بھڑوچ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں دریائے نربدا کو دیکھ کر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نظم یاد آئی جس میں انہوں نے بھڑوچ میں اترنے والے صحابہؓ وتابعینؒ کے قافلہ کو یاد کر کے ان کی آمد کی ایک پاکیزہ تصویر پیش کی ہے:

نربدا! اے نربدا! اے جادۂ بحر عرب! گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحر عرب

جانتا ہے تو میری تاریخ کا پوشیدہ راز　　تیرے دروازہ پہ ٹھہرا تھا، مرا پہلا جہاز
تو گذشتہ کاروانوں کا نشان راہ ہے　　ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
رشتۂ ہند وعرب تجھ سے ہوا تھا استوار　　تیرے ساحل کا ہراک ذرہ ہے اس کی یادگار

شہر بھڑوچ سے گزرنا ہوا جس کا ذکر اسلامی تاریخ میں بار بار آیا ہے، جہاں پر ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ مدفون ہیں جو اسلام کے اوائل مؤلفین اور اتباع تابعین میں ہیں، اب ان کا مزار سمندر میں آ گیا ہے، مغرب سے پہلے ہم لوگ جامعہ قاسمیہ بھڑوچ میں داخل ہوئے، مدرسہ کی نہایت پُرشکوہ عمارتیں ہیں جو نہایت مرتب تعمیر کی گئی ہیں، اس کے وسط میں ایک سرسبز وشاداب میدان ہے اسی میں بیٹھ کر چائے کی ایک نشست ہوئی، یہاں پر مولانا محمد حنیف صاحب جو اس جامعہ کے شیخ الحدیث ہیں اور اس کے مہتمم مولانا ابراہیم مظاہری صاحب اور دیگر مدرسین نے استقبال کیا، مولانا محمد حنیف صاحب بہت دنوں سے دادا جان کو اس مدرسہ کی زیارت کی دعوت دے رہے تھے جس کا موقع اس سفر میں ملا، چائے سے فارغ ہو کر مہتمم مولانا ابراہیم صاحب کے ساتھ مدرسہ کا سرسری معائنہ کیا گیا، دادا جان مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف لے گئے، یہ کتب خانہ جامعہ کے لوگوں کے ذوق علمی کی شہادت دے رہا تھا، مختلف علوم وفنون کی کتابیں سلیقہ سے رکھی گئی ہیں، علم حدیث کے اکثر مراجع ومصادر وہاں موجود ہیں، داد جان نے فہارس پر ایک نظر ڈالی اور اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔

بعد نماز عشاء بخاری شریف کا افتتاحی پروگرام وہاں کی مسجد میں رکھا گیا تھا، جب ہم لوگ مجلس درس میں پہونچے تو علماء اور طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد نظر آئی، معلوم ہوا کہ امسال اس ادارہ میں ۶۵ طلبہ دورۂ حدیث میں ہیں، تلاوت کے بعد

جناب مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم نے دادا جان کا والہانہ انداز میں نہایت ہی محبت وعقیدت کے ساتھ تعارف کرایا، ان کا یہ تعارف بڑا عالمانہ و فاضلانہ تھا، ان سے قبل مولانا ابراہیم صاحب مظاہری نے عربی زبان میں ایک سپاس نامہ پیش کیا، وہاں پہونچ کر دادا جان سفر کی تکان سے مضمحل ہو رہے تھے لیکن پورے نشاط سے درس کا آغاز فرمایا، اور آخر میں ان حضرات کی محبت کا شکریہ ادا کیا، وہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ اپنی قیام گاہ کاپودرہ دولت کدہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب، (کاپودرہ کا قصبہ اپنی صفائی وستھرائی میں سورت میں بے مثال ہے) واپس آئے۔

دوسرے دن ۱۶/اکتوبر کو تقریباً ۹ بجے کاپودرہ سے دارالعلوم اسلامیہ ماٹلی والا بھڑوچ کے لیے روانگی ہوئی، وہاں پہونچ کر جناب مولانا اقبال صاحب جو مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی کے مسترشدین میں سے ہیں ان کا اصرار تھا کہ اس ادارہ میں بھی حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری کا افتتاحی درس دیا جائے، چنانچہ پروگرام وہاں کی کشادہ مسجد میں رکھا گیا، تلاوت قرآن پاک کے بعد مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے تعارفی کلمات پیش کئے، اس کے بعد دادا جان نے بخاری شریف کا درس دیا، یہاں کے شیخ الحدیث مولانا ابوالحسن صاحب بہاری ہیں جن کا دادا جان سے چالیس سال سے تعارف ہے، انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گجرات کے مدارس میں گذارا ہے، اور اب اس مدرسہ میں شیخ الحدیث ہیں، دادا جان کی آمد پر ان حضرات نے جس محبت وتعلق کا اظہار کیا اس کا دادا جان کے قلب و دماغ پر خاص اثر ہوا، اس لیے پورے انبساط ونشاط کے ساتھ درس کا آغاز فرمایا، آپ نے صحابئ رسول حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھا ۔

إن الرسول لنورٌ يستضاءُ به
وسيفٌ من سيوف الله مسلول

اورفرمایا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس شعر میں حضور ﷺ کی صفت جمال وجلال دونوں کو پیش کردیا ہے، جس طرح جمال محمدی ہے اسی طرح جلال محمدی بھی ہے، اور اخیر میں چلتے چلاتے یہ شعر پڑھا ؎

یا رب ترے عشاق سے ہو جائے ملاقات
قائم ہے جن کے فیض سے ارض و سماوات

دوپہر کا کھانا اسی مدرسہ میں تناول کیا گیا اور وہاں کے مہتمم مولانا اقبال صاحب نے ''زجاجة المصابیح'' کے حاشیہ اور تحقیق کا مسودہ لاکر مشورہ فرمایا، اس کتاب پر وہاں تحقیق وتعلیق کا کام ہورہا ہے، کام کا بڑا حصہ حاجی عبداللہ صاحب مرحوم جو وہاں کے تبلیغی جماعت کے امیر تھے ان کے صاحبزادے نے کیا ہے، حاجی عبداللہ مرحوم سے داداجان کا تعلق رہا ہے اس کام میں دادا جان نے کچھ مشورے دئے، اور کچھ چیزیں تحریر کیں، اور مشورہ دیا کہ اس کام کی نوعیت اس طرح سے بنائی جائے تو تعلیق وحاشیہ کی اہمیت بڑھ جائے گی۔

اس کے بعد وہاں سے مولانا اقبال صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب وغیرہ کے ہمراہ بھڑوچ اسٹیشن آنا ہوا، دو بجے کی ٹرین سے ممبئ واپسی ہوئی، پانچ بجے ممبئ پہونچ کر مغرب کی نماز ادا کی گئی، وہاں پہلے سے چچا محترم ڈاکٹر صفی الدین صاحب منتظر تھے ان سے ملاقات ہوئی۔

۱۷/اکتوبر کو گیارہ بجکر چالیس منٹ پر فلائٹ کے ذریعہ لکھنؤ اور پھر ندوۃ

العلماء واپسی ہوئی، وہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی وغیرہ سے ملاقات ہوئی، رات میں مولانا صلاح الدین صاحب ندوی کے ساتھ امروہہ کا سفر ہوا، ۱۸/تاریخ کو مرادآباد پہونچے ،مولانا نظار الاسلام صاحب ندوی جو حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم کے خاص حاضر باش ہیں، انہوں نے وہاں استقبال کیا، ہم لوگوں کے لیے قیام کا انتظام کر رکھا تھا، ناشتہ کے بعد ان کی گاڑی سے امروہہ جناب حکیم شعیب صاحب کے یہاں ساڑھے دس بجے پہونچے، حکیم صاحب نے بہت ہی توجہ سے دادا جان کی نبض دیکھی اور دوائیں تیار کرائیں، ان سے ملاقات بہت طویل رہی، واپسی میں جناب صبیح الدین صاحب جو مرادآباد کے بڑے تاجر ہیں ان کے یہاں کھانا تناول کیا گیا، اور شام میں لکھنؤ واپسی ہوئی، تقریباً دس بجے رات میں ندوۃ العلماء پہونچے، وہاں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی انتظار فرما رہے تھے، آپ نے دادا جان سے فرمایا: آج آپ کی وجہ سے یہاں رہ گیا ہوں۔

ندوۃ العلماء میں قیام گاہ پر دادا جان سے ملاقات کے لیے مولانا سجاد صاحب نعمانی، مولانا عبداللہ صاحب حسنی ندوی، مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی اور جناب قاری مشتاق صاحب وغیرہ تشریف لائے، لکھنؤ سے ۱۹/اکتوبر کو ۴/بجے شام میں واپسی ہوئی، بارش کا سلسلہ راستہ سے ہی شروع ہو گیا تھا، اس لیے سلطان پور پہونچ کر رائے اور راہ بدلنی پڑی، اور مدرسہ سیدنا عمر فاروق سیف اللہ گنج میں قیام کیا گیا، وہاں کے مہتمم مولانا سہیل صاحب ندوی پہلے سے منتظر تھے جن کا معمول ہے کہ سال کے شروع میں مشکوٰۃ شریف کے درس کا افتتاح دادا جان سے کراتے ہیں،

چنانچہ کھانا وغیرہ سے فراغت کے بعد دادا جان نے مشکاۃ شریف کی پہلی حدیث کا درس دیا جو بیس منٹ تک جاری رہا، رات بھر آرام کر کے دوسرے دن صبح واپسی ہوئی، اور ۹/ بجے بعافیت گھر پہونچ گئے الحمدللہ اولا وآخرا۔

دہلی کا سفر برائے شاہ ولی اللہ ایوارڈ

بقلم: صلاح الدین ندوی پرتا بگڑھی

آئی او ایس کے چیرمین جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب نے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ کو اچانک فون سے یہ اطلاع دی اور باقاعدہ دعوت نامہ بھیجا کہ حدیث وسنت کی نمایاں وممتاز خدمت کے اعتراف میں شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے لیے کمیٹی نے آپ کے نام کا انتخاب فرمایا ہے اور اس کے لیے ۲۶؍فروری ۲۰۱۱ء کو جامعہ ہمدرد کے آڈیٹوریم میں ساڑھے چار بجے یہ پروگرام شروع ہوگا، آپ کے قیام وغیرہ کا نظم کردیا گیا ہے امید ہے کہ اپنی آمد کی اطلاع فرمائیں گے۔

حضرت مولانا کو اپنی ذاتی ضرورت کی وجہ سے دہلی دو دن پہلے آنا تھا، اس لئے ڈاکٹر ولی الدین ندوی جو دبئی کے اسلامی کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں ان کے ہمراہ ۲۳؍فروری کو ایر امارات سے سوا آٹھ بجے دہلی پہونچے، ایرپورٹ پر آئی او ایس کی طرف سے محمد حماد ندوی اور راقم کے علاوہ ابوظبی سفارت خانہ کی گاڑی اور نمائندہ وغیرہ استقبال کے لئے موجود تھے، اور یہ بتلایا گیا کہ یہ گاڑی آپ کے ساتھ رہے گی، قیام جامعہ ہمدرد کے اسکالر ہاؤس میں تھا، بعد میں نظام الدین کے قرب کی وجہ سے سفیان ہوٹل میں آگئے، وہاں جناب مولانا زبیر الحسن ومولانا محمد سعد یوسف کاندھلوی ومولانا احمد لاڈ صاحب ودیگر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، ان کے ساتھ کھانا وغیرہ کھایا

گیا،ان حضرات نے مولانا کی آمداوراعزاز کی خبر پرنہایت مسرت کااظہارفرمایا۔

دوسرے دن سفارت خانہ کے حسن عیسیٰ الحوسنی الوزیرالمفوض سے حضرت مدظلہ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ سفیر صاحب ابوظبی گئے ہیں، شام کو ہندوستان کے نائب صدر عالی جناب حامد انصاری صاحب سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات ہوئی، ان سے حضرت مولانا کا بہت پرانا تعلق ہے، وہ بڑی محبت و بے تکلفی سے پیش آئے۔

۲۵/فروری ۲۰۱۱ء بروز جمعہ ناشتہ وغیرہ کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ متوفی ۱۰۵۲ھ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کی نیت سے روانہ ہوئے، حضرت محدث دہلویؒ مہرولی کے قریب حوض شمسی کے کنارے مدفون ہیں، نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنی کتاب ''اتحاف النبلاء'' کے صفحہ ۳۰۴ پر تحریر فرمایا ہے:''کاتب حروف متعدد مرتبہ ان کے مزار شریف کی زیارت سے فیض یاب ہوا، اوراس مقام پر عجیب و غریب کشش ودل بستگی محسوس کی ہے''، نیز موصوف نے ''تقصار جیودالاحرار'' ص ۱۱۲ میں لکھا کہ:''بندۂ عاجز دہلی میں ان کے مزار مبارک پر پہونچا اور جن برکات کا مشاہدہ کیا بیان نہیں کی جاسکتیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے''، اس سے پہلے حضرت مولانا مدظلہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مزار کی زیارت بار بار کر چکے تھے اس لئے اس مرتبہ خصوصیت سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مزار پر حاضری کی تمنا تھی، ان کے تینوں فرزند شیخ نورالحق مشرقی، علی محمد، ومحمد ہاشم کی قبریں جو مزار کے قریب ہی ہیں ان پر بھی فاتحہ پڑھا اور وہاں کے مکتبہ کی زیارت کی اور بعض کتابوں کے نام بھی نوٹ کرائے، واپسی بہت اچھے راستے سے ہوئی، نماز جمعہ قاضی

حوض خاص گرین پارک کی مسجد میں ادا کی، وہاں سے نظام الدین مرکز آ کر مولانا زبیرالحسن صاحب ومولانا محمد سعد یوسف کے دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا، شیخ محدث کی قبر کی زیارت سے بہت ہی مسرور ہوئے، کیوں کہ شیخ کی کتابوں پر ایک نہایت وقیع کام کرنے کا ارادہ ہے، اسی دن شام کو جناب الیاس اعظمی صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ جو حضرت مولانا کے عزیز بھی ہیں ملاقات کے لیے ہوٹل تشریف لائے اور کہا کہ پروگرام میں شرکت کے لیے لکھنؤ سے آیا ہوں۔

۲۶؍فروری ۲۰۱۱ء بروز سنیچر جناب محترم حکیم شعیب اختر صاحب امروہوی جو حضرت کے معالج بھی ہیں ہوٹل میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ میں بھی پروگرام میں شرکت کے لیے آیا ہوں، اسی دن نظام الدین مرکز میں کھانا کھا کر جامعہ ہمدرد کے لیے روانہ ہوئے، آئی او ایس کی طرف سے گاڑی آئی ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی جو کہ مولانا کے شاگرد ہیں اور اس وقت جامعہ ملیہ میں پروفیسر ہیں وہ بھی گاڑی لے کر آ گئے اور کہا کہ حضرت استاذ محترم کو لے کر اپنی گاڑی پر جاؤں گا، مولانا معاذ احمد کاندھلوی سے اچانک معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی وحضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی کا وہاں قریب ہی میں قیام تھا کہ ان کے رفیق سفر برادرم مصباح الدین ندوی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ان کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی، جب پروگرام ہال میں پہونچے تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، سہارنپور سے مولانا محمد شاہد صاحب ومولانا معاذ احمد کاندھلوی بھی آ گئے تھے، اس کے بعد پروگرام کا آغاز ہوا، جس کی تفصیل اگلے صفحات پر آ رہی ہے۔

روداد تقریب شاہ ولی اللہ ایوارڈ:

۲۰۰۸ء میں صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ تفویض کر کے مولانا کی علمی خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا جو ملکی پیمانہ پر پوری ہندوستانی قوم کی جانب سے خراج عقیدت اور تحسین وستائش کا مظہر ثابت ہوا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم کو فروغ دینے والے ادارہ ''انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز'' (آئی او ایس) نے آٹھواں شاہ ولی اللہ ایوارڈ بعنوان ''علوم حدیث'' ماہر علم حدیث حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ کے نام مختص کیا، حضرت مولانا کو علم حدیث سے منسوب شاہ ولی اللہ ایوارڈ بجا طور پر حق بہ حقدار رسید کے مصداق ہے، بلا شبہ حضرت مولانا نے اپنی قیمتی اور فاضلانہ تصنیفات وتحقیقات سے علوم الحدیث کے سرمایہ میں بیش بہا اضافہ فرمایا ہے، ایوارڈ کے اجزاء سند توصیف، مومنٹو، اور نقد ایک لاکھ کے چیک کی خطیر رقم بجائے خود علم حدیث کی نسبت سے لائق اعزاز بن گئی۔

ادارہ ''آئی او ایس'' نے تفویض ایوارڈ کے لیے ۲۶ر فروری ۲۰۱۱ء کی تاریخ مقرر کی تھی، مقام ایوارڈ کنونشن سینٹر، جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر، نئی دہلی میں حضرت مولانا مدظلہ کو بڑے اہتمام سے دعوت دی گئی جس میں ان کو ''شاہ ولی اللہ اور علم حدیث'' کے عنوان پر اظہار خیال بھی کرنا تھا، حضرت مولانا اپنے رفقاء بالخصوص مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی اسسٹنٹ پروفیسر اسلامی کالج دبئی کے ہمراہ العین سے دہلی تشریف لائے اور میزبانوں کی خواہش کے مطابق جامعہ ہمدرد کے اسکالر ہاؤس میں فروکش ہوئے، لیکن نظام الدین اور اس کے علماء سے قدیم روابط کی کشش کی وجہ سے قریب

کے سفیان ہوٹل میں آ گئے جہاں نظام الدین کے علماء بالخصوص جناب مولانا زبیر الحسن صاحب، جناب مولانا محمد سعد صاحب اور جناب مولانا احمد لاڈ صاحب وغیرہم سے ملاقاتیں رہیں، ۲۶ رفروری ۴ ربجے شام کو جناب ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی، شاگرد حضرت مولانا مدظلہ و پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ہمراہ کنونشن سینٹر پہونچے، لکھنؤ سے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لا بورڈ اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندوی اور حافظ مصباح الدین کے علاوہ سہارنپور سے جناب مولانا محمد شاہد صاحب اور مولانا معاذ کاندھلوی بھی تھے۔

پروگرام کا آغاز ڈاکٹر نکہت حسین ندوی صاحب نے تلاوت کلام پاک سے کیا، اس کے بعد جناب ڈاکٹر اشتیاق دانش (ممبر سکریٹری شاہ ولی اللہ ایوارڈ بورڈ و اسسٹنٹ سکریٹری جنرل آئی او ایس) نے مولانا کے لیے تعارفی کلمات پیش کیے، محترم جناب ایس ایم شفیق صاحب نے خدمت اقدس میں درج ذیل عقیدت بھرا سپاس نامہ پیش کیا:

”سپاس نامہ“

بہ اعتراف خدمات جلیلہ **حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری** ممتاز محقق و ماہر علوم حدیث

بہ تقریب تفویض شاہ ولی اللہ ایوارڈ برائے ۲۰۱۰ء

محترم ومکرم!

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی، علم حدیث کی خدمت اور تدریس و تصنیف و تحقیق کے میدان میں عالمی سطح پر ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں، آنجناب کی

علمی دیدہ ریزیوں اور تحقیقی کاوشوں کی ضوفشانیاں بے شمار اہل علم کو فیض یاب کر رہی ہیں، علم حدیث کے ساتھ پاکیزہ نسبت جہاں آپ کی جاذب نظر شخصیت کو پُر انوار بنا رہی ہے، وہیں تحقیق وتصنیف کی تازہ بہ تازہ آمد آپ کی علمی قامت کو دراز و بالا کرتی جارہی ہے۔

صوبہ اتر پردیش کے مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں مظفر پور میں ۲۴/دسمبر ۱۹۳۴ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، وطن کے قریب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسی عظیم تعلیمی دانش گاہوں سے آپ نے درسی نصاب کی تکمیل کی، آپ کی شخصیت کے نکھار اور علم حدیث کے ساتھ انتساب بلکہ اشتغال پیدا کرنے میں مذکورہ دونوں اداروں کے باکمال اساتذہ ومشائخ کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے فیوض کا خصوصی دخل ہے، ان دونوں بزرگوں کی عالمانہ شفقت، خصوصی توجہات اور دعاؤں کی قیمتی سوغات نے آنجناب کے علمی سفر کو ہمیشہ مہمیز کیا، اور اسی سفر کی ایک منزل امام بیہقی کی ''کتاب الزہد الکبیر'' کی وہ عالمانہ تحقیق وتعلیق ہے، جس پر عالم اسلام کی نامور درسگاہ جامعۃ الازہر مصر نے ۱۹۷۶ء میں آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔

مصنف ومحقق!

آنجناب کو اللہ نے خدمت علم حدیث کی توفیق کے ساتھ علمی دنیا میں شہرت اور وسیع مقبولیت سے بھی نوازا ہے، آپ نے علم اور حدیث کی خدمت سے ہی اپنے سفر علمی کا آغاز کیا، چنانچہ آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدرسہ فلاح دارین ترکیسر

میں شیخ الحدیث رہے، رابطہ عالم اسلامی میں خدمت انجام دی، پھر ۱۹۷۵ء میں محکمہ شرعیہ ابوظبی (متحدہ عرب امارات) میں باحث شرعی مقرر ہوئے، وہیں بتدریج مستقل قاضی شرعی (جسٹس) کے منصب پر سرفراز ہوئے، اس کے ساتھ ہی متحدہ عرب امارات یونیورسٹی میں محاضر فی الحدیث کی خدمت انجام دی، پھر اسی یونیورسٹی میں پروفیسر حدیث مقرر ہوئے، اوراب مستشار ممثل صدر دولۃ الامارات کے باوقار منصب پر فائز ہیں، اس طرح آپ کا یہ سفر حقیقت میں علم اور حدیث کی خدمت کا تسلسل بنا ہوا ہے۔

عالی جناب!

تحقیق وتصنیف وتدریس حدیث آنجناب کا شوق فراواں رہا ہے، آپ بیک وقت محدث ومصنف بھی ہیں اور محقق وسیرت نگار بھی، چنانچہ جہاں آپ نے درس و تدریس کی بزمیں آراستہ کیں، اور حدیث شریف کی اہم کتابوں کا درس دیا، وہیں حدیث واسماء الرجال اور سیرت وسوانح کے موضوعات پر متعدد تصنیفات اور تحقیقات آپ کے محققانہ قلم سے نکل کر علمی حلقوں کو فیض یاب کرتی رہیں، بیسیوں کتابیں اور درجنوں مقالات آپ کے خامہ تحقیق کے نتائج کے ساتھ اہل علم کے ہاتھوں تک پہنچ چکے ہیں، آپ کے تصنیفی سفر کا نقش اول ہی اتنا بافیض اور بابرکت ثابت ہوا کہ ''محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے'' کے نام سے جب یہ پہلی تصنیف سامنے آئی تو وقت کے جید ومستند علماء نے اسے ''سلیس وشگفتہ'' معلومات کا خزانہ اور بڑی محنت و دیدہ ریزی اور دینی شغف کے ساتھ لکھی جانے والی کتاب بتایا، پھر تو آپ کے گہربار قلم سے یکے بعد دیگرے علمی خزانے سامنے آنے لگے، ان میں نئی تصنیفات بھی ہیں،

اور قدیم قیمتی تالیفات کی تحقیق وتعلیق بھی، یہ کتابیں عربی زبان میں طبع ہوئیں جو پورے عالم اسلام کی علمی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لی گئیں،اور برصغیر کی زبان اردو میں بھی متعدد تصنیفات تشنہ کامان علم کو سیراب کرتی رہیں، ان میں علم رجال الحدیث، اعلام المحدثین بالہند، الامام ابوداود، الامام البخاری، الامام النسائی، الامام مالک ومکانۃ کتابہ الموطا، الامام الترمذی، الامام الطحاوی، المستشرقون وعلم الحدیث، لمحۃ عن تعریف اہم مراجع السنہ، علم الحدیث فی الہند، اسرار تراجم البخاری، اور دراسۃ لکتب السیرۃ القدیمۃ ومصادرھا الاولی، وغیرہ عربی زبان میں آپ کی تحقیقی تصنیفات ومقالات ہیں، تو دوسری جانب فن اسماء الرجال، صحبتے با اولیاء، اسباب زلزلہ، اور امام مالک اور ان کی کتاب موطا کا مقام جیسی کتابیں اردو زبان میں آپ کے تصنیفی کارنامے ہیں، لیکن ان دونوں قسم کی تالیفات کے علاوہ آپ کی قبائے علم کا زریں تکمہ آپ کی وہ تحقیق و تعلیق اور تخریج وتحشیہ کی عرق ریز خدمات ہیں، جن سے آراستہ ہوکر آنے والی ضخیم تصنیفات کے نام ہیں: الزہد الکبیر، ظفر الامانی، التعلیق الممجد، بذل المجہود، اور اوجز المسالک، یہ تحقیقات یوں تو تعداد میں پانچ کتابیں ہیں، لیکن ان میں سے ایک ایک کتاب ۱۴؍اور ۱۸؍جلدوں کی ضخامت میں طبع ہوئی ہے، علمی تحقیق کی اس دیدہ وری اور ژرف نگاہی کو دیکھ کر ہی اہل نظر نے آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ ’’یہ اکادمی کا کام ہے، ایک آدمی کا نہیں‘‘۔

آنجناب کے اس عظیم الشان تحقیقی سفر کی منزل ابھی تمام نہیں ہوئی ہے، بلکہ مزید دوسری اور اہم کتابوں کی تحقیق وتعلیق کا کام ابھی جاری ہے، جن میں سرفہرست **’’الجامع الصحيح للإمام البخاري بحاشية المحدث السهارنفوري**

مع المقارنة بعشر نسخ معتمدة منها نسخة الإمام الصغاني'' زیورطبع سے آراستہ ہوکر (۱۵) جلدوں میں منظر عام پرآنے والی ہے (الحمدللہ کتاب طبع ہو چکی ہے) ۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

بانی وسرپرست!

آپ نے اپنی خدمات کا دائرہ صرف علمی کاموں تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کے ساتھ دیگر تعلیمی اور تربیتی مشاغل بھی آپ نے جاری رکھے، چنانچہ اپنے وطن مظفرپور، اعظم گڑھ میں آپ نے جامعہ اسلامیہ کے نام سے جو عظیم الشان تعلیمی ادارہ قائم فرمایا وہ آپ کے دوررس ذہن کی وسعت وآفاقیت کی قابل دید مثال ہے، اسی ادارہ کے احاطہ میں آپ نے ایک عظیم الشان کتب خانہ اور تحقیقی ادارہ ''مرکز الشیخ ابی الحسن علی الندوی'' کے نام سے قائم فرمایا جو آپ کے ذوق علمی کی دلیل بھی ہے اور حسن ذوق کا شاہکار بھی، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالمصنفین اعظم گڑھ، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، اور دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کی موقر مجلس شوریٰ کے رکن اور کئی اداروں کے سرپرست بھی ہیں، اسی کے ساتھ عالم اسلامی وعربی کی مختلف ممتاز یونیورسٹیوں کے پی ایچ ڈی اور پروفیسر کی ترقیات کے ممبر ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل رہا ہے۔

علوم اسلامیہ کے میدان میں آپ کی انہیں عظیم خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۸ء میں آپ کو صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ عطا کیا گیا ہے۔

اور آج انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی، آپ کی خدمات کے

اعتراف میں شاہ ولی اللہ ایوارڈ برائے سال ۲۰۱۰ء پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف''

اس کے بعد تفویض چیک کا فریضہ حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب (صدر آل انڈیا ملی کونسل) نے انجام دیا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) اور محترم جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب (چیرمین آئی او ایس) کے ذریعہ مومنٹو عطا کیا گیا، آخر میں پہلے حضرت مولانا ڈاکٹر ندوی مدظلہ نے اپنے جذبات وتأثرات کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے اپنی علمی وحدیثی وابستگی کا اظہار فرمایا، تأثرات حسب ذیل ہیں:

تأثرات

''**الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ، أما بعد !**

حضرات: اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے حد وحساب ہم سب پر انعامات ہیں، اسی ذات عالی نے ہمیں اس موقر مجلس میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی، اس موقر مجلس میں اس ممتاز معہد نے یہ طے کیا ہے کہ اس ناچیز کی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اسم گرامی سے منسوب جائزہ کے ذریعہ تکریم کرے گا، اس ناچیز نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حدیث نبویؐ کی جو خدمت انجام دی ہے آج کی یہ مجلس اسی

مناسبت سے منعقد کی گئی ہے۔

حضرات! یہ انعام جس کی نسبت اپنے زمانہ کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذات گرامی کی طرف ہے وہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک عظیم الشان شخصیت کے مالک ہیں، جن کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے مختلف میدانوں میں ہیں، بالخصوص علم حدیث کا اس ملک میں جو چرچا ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا رہین منت ہے، شاہ صاحبؒ اور ان کے صاحبزادگان اور ان کے شاگردوں نے علم حدیث کا علَم ایسا بلند کیا کہ بلا مبالغہ آج کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، ہندوستان کے تمام مشائخ حدیث کا سلسلہ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذات گرامی تک پہونچتا ہے، یہ ناچیز بھی اسی مبارک سلسلہ سے وابستہ ہے، جن مشائخ حدیث سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ان میں چند کی طرف اشارہ کر رہا ہوں:

(۱) حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۲) حضرت مولانا شاہ حلیم عطا سلونیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

(۳) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ جو علامہ کشمیریؒ کے خاص شاگرد ہیں۔

(۴) حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کی اسناد بہ یک واسطہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ تک پہونچتی ہے، جو سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور مسند الہند حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے شاگرد ہیں، شیخ کتانی نے اپنی

کتاب ''فہرس الفہارس'' میں لکھا ہے کہ یہ سند بہت ہی عالی ہے اور یہ جملہ استعمال فرمایا ہے: ''**يروي عاليا عن محدث الهند الشيخ عبدالعزيز الدهلوي و محدث الهند بعده الشيخ محمد إسحاق الهندي، فحصل له بالرواية عنهما الفخر الذي لا يدرک والشأو الذي لا يلحق،** ''ان دونوں بزرگوں سے روایت حدیث میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد بادیؒ کو خصوصی شرف حاصل ہے، وہ سند جس درجہ پر پہونچ رہی ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہے''، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلامی ملکوں کی اسانید سے تقابل کے بعد یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سند سب سے عالی ہے۔

حضرت شاہ دہلویؒ کی حدیثی خدمات میں موطا کی شرح فارسی مصفی اور عربی مسوی ہے، الحمدللہ ہم کو جب حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کی کتاب ''**التعليق الممجد على موطأ محمد**'' (۳ جلدوں میں) اور حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی کتاب ''**أوجز المسالک إلى موطأ الإمام مالک**'' (۱۸ جلدوں میں) کی تحقیق کرنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ ان دونوں بزرگوں نے ''مصفی'' اور ''مسوی'' کی خصوصیات کو اپنی کتاب میں جمع فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے **سمو الشيخ سلطان بن زايد آل نهيان ممثل صدر دولة الإمارات حفظهماالله** کو کہ یہ کتابیں ان کے تعاون سے طبع ہوئیں اور ان کے حکم سے پورے عالم اسلامی وعربی کے مکتبات ومراکز میں تقسیم ہوئیں۔

حضرات! ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بعد شاہ صاحبؒ کی دوسری معرکۃ الآراء کتاب ''**إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**'' فارسی زبان میں ہے، اس کتاب

میں شاہ صاحب نے جو نکات علمیہ اور تحقیقات عجیبہ پیش کیے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر کتاب وسنت پر کس قدر گہری تھی، اس فارسی زبان کی کتاب کا ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''معارف'' کے شذرات میں اس کتاب کے ترجمہ کی تمنا کی تھی، اس ناچیز کو اس اہم کام کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی، اس کا عربی ترجمہ مع تحقیق وتعلیق میری نگرانی میں مکمل ہو چکا ہے اور امید ہے کہ بہت جلد اشاعت کے مرحلوں سے گزر کر عربی داں حلقوں میں عام ہوگی [۱]۔

حضرات! بخاری شریف کی شروح وتعلیقات میں ایک اہم حاشیہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا ہے حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے پوری تحقیق اور اس کے نصوص کا دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں دنیا میں پہلی بار دہلی کے مطبع احمدی سے اس کو شائع فرمایا تھا، اس وقت ان کے پاس جو اور نسخے تھے ان میں امام صغانی کا نسخہ بھی تھا، الحمدللہ اس نسخہ کا عکس ہمارے پاس بھی ہے، میں نے جب تحقیق و مقابلہ کیا تو یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی کہ مولانا احمد علیؒ نے اس سے بکثرت استفادہ کیا تھا، لیکن اس موقع پر جو بات کہنی ہے وہ یہ کہ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے پاس ان کے شیخ شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کا بھی نسخہ تھا جس کو انہوں نے مکہ معظمہ میں پڑھا تھا اور یہ نسخہ حضرت شاہ دہلویؒ کے نسخہ سے مطابق ہونے کی وجہ سے بہترین نسخہ مانا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ دہلویؒ کا نسخہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری کے نسخہ کے مطابق تھا اور یہ وہ نسخہ ہے جس کا تذکرہ حضرت شاہ دہلویؒ نے

---

[۱] الحمدللہ یہ کتاب بھی پانچ جلدوں میں چھپ گئی ہے اور مقبول خاص وعام ہو رہی ہے۔

اپنی دو کتابوں ''انسان العین فی مشائخ الحرمین'' اور ''الانتباہ'' میں کیا ہے، اور تعریف بھی کی ہے کہ متاخرین علماء کے نزدیک صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں سب سے زیادہ معتبر یہی نسخہ ہے اور اس کی بھی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ بن سالم نے اس کی تصحیح نسخہ یونینی سے مقارنہ کے بعد کی اور اس پر اضافہ بھی کیا، اور یہ محض فضل ایزدی ہے کہ اس ناچیز کو عبداللہ بن سالم بصری مکی کا نسخہ جو بقول حضرت شاہ ولی اللہ نسخہ یونینیہ وزیادۃ علیہا پر مشتمل ہے مل گیا، اس لیے میں نے تمام نسخوں اور خاص طور پر صغانی کے نسخہ سے مقارنہ اور ان کے علاوہ دیگر نسخ سے مولانا احمد علی کے نسخہ کا مقابلہ کیا اور بہ ضرورت ان میں اضافہ کر کے بخاری شریف کا صحیح ترین اور جامع ترین نسخہ تیار کیا ہے، اسی طرح مولانا احمد علی صاحب نے جن نادر شروح وحواشی سے استفادہ کیا تھا اس ناچیز نے ان سب نادر مطبوعات ومخطوطات کو جمع کر کے حاشیہ سہارنپوری کی تحقیق وتعلیق کی ہے، اور اب الحمد للہ یہ کتاب (۱۵) جلدوں میں زیر طبع ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے **سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نہیان ممثل صدر دولة الإمارات حفظهما الله** کو کہ یہ کتاب ان کے تعاون سے طبع ہو رہی ہے[۱]۔

صحیح بخاری کے تراجم کی شرح میں حضرت شاہؒ کا ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے ابتداءاً (۱۴) اصول بیان فرمائے، ہمارے شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ نے جب بخاری شریف کے الابواب والتراجم کی شرح لکھی تو ان کے سامنے حضرت شاہ دہلویؒ کا یہ رسالہ بھی رہا، اور انہوں نے ان اصولوں کی شرح اور ان پر اضافہ فرما کر ان اصول کو ۷۰ کی تعداد تک پہونچادیا ہے، اس طرح حضرت شیخ

---

[۱] الحمد للہ یہ کتاب بھی چھپ کر پوری دنیا میں مقبول ہو رہی ہے۔

الحدیث صاحبؒ نے اس موضوع پر پوری انسائیکلوپیڈیا تیار کردی ہے، الحمدللہ اب اس شرح کو مزید تحقیقات وتعلیقات کے ساتھ شائع کرنے کی توفیق ہمارے صاحبزادہ ڈاکٹر ولی الدین ندوی کو ہماری نگرانی میں ہورہی ہے[۱]۔

حضرات! علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی ترویج واشاعت کی خاطر ہم نے مظفر پور اعظم گڑھ میں ایک ادارہ **جامعہ اسلامیہ** اور اس میں ایک اسلامی سنٹر **"مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدارسات الاسلامیۃ"** کے نام سے قائم کیا ہے، اس میں ہم نے ایک عظیم الشان علمی کتاب خانہ بنانے کی کوشش کی ہے، اور پورے عالم اسلامی سے مختلف علوم خصوصاً علم حدیث کے موضوع پر چیدہ کتابیں جمع کرنے کی سعی جاری ہے، کتابوں کی تعداد (۸۰) اسّی ہزار تک پہونچ چکی ہے ان میں مخطوطات تقریباً ۴ ہزار کی تعداد میں ہیں۔

اخیر میں اس تکریم پر یہ ناچیز آپ کے اس موقر معہد اور اس کے سرپرستوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کررہا ہے، اور امید رکھتا ہے کہ اس معہد اور ہمارے مرکز کے مابین ہر طرح کے علمی وثقافتی روابط قائم رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو امت اسلامیہ اور پوری انسانیت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، آمین"۔

بعد ازاں شاہ ولی اللہ اور علم حدیث کے عنوان پر خطاب کے لیے حضرت مولانا مدظلہ کا نام متعین کیا گیا تھا، جو بطور نمائندہ جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی ناظم جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ نے بہت سلیقہ سے مقالہ کی صورت میں پیش کیا، مقالہ کا متن پیش ہے:

---

[۱] الحمدللہ یہ کتاب بھی اب چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

تلخیص مقالہ بعنوان:

حضرت شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (ولادت ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ):

''مجدد علم وحکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سرزمین ہند کے ان علماء میں ہیں، جن کی نظیر نہ صرف ان کے معاصرین اور ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی میں بھی نہیں ملتی۔

ہمارے اس ملک میں آج جو علم وحکمت باقی ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا صدقہ ہے، بالخصوص علم حدیث کا اس ملک میں جو چرچا ہے، اور بارہویں صدی سے آج تک پوری دنیائے اسلام میں علماء ہندوستان کو جو خصوصی امتیاز رہا ہے، وہ سب حضرت شاہ ولی اللہؒ کا رہین منت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سرزمین ہند پر اسلام کی کرنیں قرن اول ہی میں پہنچ چکی تھیں، مگر ۶۰۲ھ کے بعد جو قطب الدین ایبک کا عہد ہے، باقاعدہ اسلام نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا، درۂ خیبر سے آنے والوں میں حدیث کا کوئی مستند عالم نہیں ہوا، صرف شیخ اسماعیل محدث کی ذات مستثنٰی ہے، یہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان میں علم حدیث وتفسیر کو لاہور میں لائے، ان کی وفات ۴۴۰ھ میں ہوئی۔

آٹھویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد رشید حافظ سخاوی کے متعدد شاگرد ہندوستان آئے جن میں دو ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک مولانا رفیع الدین صفوی جنہوں نے شمالی ہند کے مشہور شہر آگرہ میں درس حدیث کا حلقہ قائم کیا اور دوسرے مولانا راجح بن داؤد نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد میں

مدت تک درس حدیث دیا۔

نویں صدی ہجری میں گجرات میں حدثنا واخبرنا کا غلغلہ بلند ہوا، شیخ علی متقی صاحب کنز العمال وشیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کے وجود سے وہاں علم کی خوب گرم بازاری رہی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وجود سے ہندوستان بالخصوص شمالی ہند میں آپ کی ذات سے علم حدیث کا چرچا ہوا۔

سطور بالا میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اس کا مقصد ایک اجمالی تعارف ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے پیشتر ہندوستان علم حدیث سے بیگانہ نہیں تھا، البتہ شاہ صاحبؒ کے ذریعہ آج اس ملک کا منارہ بحمد اللہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اب اسلامی ممالک میں کوئی ملک اس حیثیت سے اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، شاہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں صحاحِ ستہ کی تدریس کا رواج نہیں ہوا تھا، بلکہ خود حدیث کا جو سرمایہ ہندوستان میں انہوں نے پڑھا تھا، وہ کل یہ تھا ’’پوری مشکوٰۃ کے چند ابواب یعنی کتاب البیع سے کتاب الآداب تک پڑھی تھی، اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی کتاب الطہارۃ تک اور مذاہب اربعہ کی فقہ اوران کی اصول فقہ کی کتابوں اوران احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں نور غیبی کی مدد سے ’’فقہاء محدثین‘‘ کا طریقہ دل نشیں ہوا، غرض والد ماجد کی وفات سے بارہ برس اس طرح گزرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا، اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابوطاہر قدس سرہ ودیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی، مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرور عالم

ﷺ میری توجہ کا خاص مرکز رہا،اور الحمدللہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض وبرکات کی بے پایاں بارش ہوئی، نیز اسی سفر میں حرمین شریفین اور عالم اسلامی کے بہت سے علماء کرام کے ساتھ خوب صحبتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابوطاہر کردی مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا، پھر ۱۱۴۴ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی اور بتاریخ ۱۴؍رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہٖ تعالیٰ صحیح وسلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’علم حدیث پدر من از مدینہ منورہ آوردہ، چاردہ ماہ درحرمین بسر بودہ سند کردہ‘‘ میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے، چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی۔

شاہ صاحب کی علمی استعداد کا اندازہ اس دور طالب علمی میں جب شیخ ابوطاہر کردی سے پڑھ رہے تھے، خود شیخ ابوطاہر کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ’’**يسند عني اللفظ وكنت أصحح منه المعنى**‘‘ یہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ حرمین شریفین سے جن ارادوں کی تکمیل کے لیے ہندوستان واپس ہوئے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر واشاعت کوسب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استاذِ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا ’’ہرچہ خواندہ ام فراموش کردہ ام الاعلم دین‘‘ (حدیث)، میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا، بجز علم حدیث کے۔

شاہ صاحبؒ کا درسِ حدیث: شاہ صاحبؒ حجاز مقدس سے ہندوستان واپس

تشریف لائے، اور یہاں آ کر تین مشغلہ اختیار فرمایا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی کا بیان ہے، ''خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے، اور صرف حدیث پڑھاتے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''حرمین میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں: (۱) سرد، (۲) بحث و تحقیق ، (۳) درس کا وہ طریقہ ہے جس کا نام امعان و تعمق کا طریقہ ہوسکتا ہے، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے سارے متعلقات مالہا و ماعلیہا پر بحث کی جائے، اس تیسرے طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے واعظوں وقصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے، اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لیے مفید بتایا ہے، اور پہلا طریقہ دورۂ حدیث کے لیے قرار دیا، اس لیے شاہ صاحبؒ کے یہاں مشکوٰۃ شریف بحث و تحقیق سے اور صحاحِ ستہ سرداً ہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں، ان پر طلبہ کو متنبہ کیا جاتا تھا، مثلاً بخاری کی غرض احادیث صحیحہ کے انتخاب کے ساتھ طرق استنباط ہے، اس لیے صحیح بخاری کے تراجم ابواب نہایت مہتم بالشان سمجھے گئے ہیں اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے ''فقہ البخاری فی تراجمہ'' بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے، شاہ صاحبؒ نے ایک رسالہ شرح تراجم ابواب بخاری پر لکھا ہے، جو عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے، ابتداء رسالہ میں چودہ اصول بیان فرمائے ہیں، جن کے بارے میں خود شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ ہر طالب علم کے لیے ان اصولوں کا یاد رکھنا واجب ہے، بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تدریس حدیث کا کیا طرز تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورۂ حدیث کہتے ہیں اس کے بانی اول فی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ

صاحبؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔

تصنیف وتالیف کی راہ میں خدمت حدیث: شاہ صاحبؒ کا بیش قیمت علمی ترکہ پوری ملت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کے لیے سرمایۂ فخر ہے لیکن اس علمی حقیقت تک ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحبؒ کے خارق عادت علمی وذہنی کمالات کا مشاہدہ (بعد زمانی و بعد مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہوسکا آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

کتاب وسنت کا باہم ربط: قرآن وحدیث میں متن وشرح کا ربط ہے، کتاب اللہ بمنزلہ متن ہے، اور حدیث بمنزلہ شرح، قرآن مجید میں بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے، امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

فكانت السنة بمنزلة التفسير والشرح لمعاني أحكام الكتاب، گویا سنت، کتاب اللہ کے احکام کے لیے بمنزلہ تفسیر وشرح کے ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''الرسالہ'' میں احادیث کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہ قرآن پاک میں مذکور ہے دوسری وہ جو قرآن کے مجمل حکم کی تشریح ہے، تیسری وہ جس کا ذکر بظاہر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے اور نہ اجمالاً، اس کے متعلق امام شافعیؒ نے علماء کے چار نظریئے نقل کئے ہیں، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ اقوال بھی صحیفۂ ربانی سے مستنبط ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک بھی حدیث کے تمام ابواب کتاب اللہ سے مستنبط ہیں، اپنی کتاب ''خیر کثیر'' میں فرماتے ہیں ''میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے مستنبط کرنے پر قادر ہوگیا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے

متعلق ایک رسالہ لکھ دوں''، اس کی تفصیل بھی فرمائی ہے اور اس کے نمونے منتشر طور پر ان کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جن سے اس موضوع پر آئندہ کام کرنے میں پوری طرح رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

حدیث وفقہ کا ربط: جس طرح حدیث کتاب اللہ کی شرح ہے، اسی طرح فقہاء کے اجتہادات درحقیقت احادیث رسول اللہ ﷺ کی شرح وتفصیل ہیں، شاہ صاحب جس دور میں پیدا ہوئے تمام بلاد اسلامیہ میں علم حدیث پر زوال آ چکا تھا، بالخصوص ترکستان، ایران وماوراء النہر کے حنفی فقہاء کی ساری دلچسپیاں صرف فقہ ومعقولات و تصوف سے تھیں، فقہ کا رشتہ گویا حدیث سے الگ ہو کر رہ گیا تھا، شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں پوری قوت سے حدیث وفقہ کے رشتے کو اجاگر کیا، کیوں کہ حدیث سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے حنفی، شافعی، گروہی عصبیتوں کا بازار گرم تھا، ہر ایک دوسرے کی تردید وتغلیط میں مشغول تھا، حالانکہ ائمہ فقہ میں ہر امام کا استدلال کسی نہ کسی حدیث سے ہے، شاہ صاحبؒ نے جس طرح فقہ حنفی کو پڑھا اسی طرح ائمہ ثلاثہ کی فقہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، بالخصوص ''امام شافعی کی ''کتاب الام'' تو بکثرت مطالعہ میں رہی، حجۃ اللہ البالغہ، **عقد الجید** میں اس سے جابجا نقل بھی فرمایا ہے، شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح کیا، اور یہ بتایا کہ فقہ اسلامی اور اسلامی قوانین کا تعلق کتاب وسنت کے سرچشموں سے ہے، ضرورت ہے کہ یہ تعلق مسلسل تروتازہ رہے اور ہر مذہب کا پیرو ان علل واسباب سے واقف رہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے، تاکہ مذہبی عصبیت کا زہر کم ہو، اس سلسلے میں رسالہ الانصاف، **عقد الجید**، حجۃ اللہ البالغہ کے بعض

ابواب بالخصوص موطا کی شرح فارسی مصفیٰ اور عربی تعلیق مسویٰ سے پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نواب صدیق حسن خانؒ مشہور عالم حدیث لکھتے ہیں: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن وسنت پر پیش کرتے ہیں، اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن وحدیث پر تطبیق دیتے ہیں، اور ان کا یہ تمام طریقہ مذہب حنفی ہے، شاہ صاحبؒ حنفیہ کے اس قول کو ترجیح دیتے تھے جو انہیں کتاب وسنت سے اقرب معلوم ہوتا تھا، اس میں حدیث فہمی کا کامل معیار پیش کیا ہے، اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی راہ اچھی طرح کھول دی ہے۔

رموز شریعت واسرار سنت: شاہ صاحبؒ کی تصنیفات عام زمانہ کی روش سے بالکل مختلف ہیں، علم حدیث پر شاہ صاحبؒ نے جس نہج پر کام کیا، اور اس کے اسرار و حکم کو قلمبند فرمایا، اس کا اندازہ حجۃ اللہ البالغہ از کتاب الایمان تا ختم کتاب اور إزالة الخفاء کے بعض ابواب سے لگایا جا سکتا ہے، ان ابواب میں احادیث کے جو حقائق و رموز بیان فرماتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی جا سکتی، فرماتے ہیں: ''حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام وقوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت، اور وہ ساری باتیں جو پیغمبرؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، اور جن کی آپؐ نے تعلیم دی ہے ان سب کے اسرار ورموز کو بیان کرنا دراصل ایک فن ہے، اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ بات میں نے کہی ہے کسی سے یہ بن نہ آیا، اس فن کی بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہے، تو چاہئے کہ کتاب ''قواعد'' کو دیکھے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔

شاہ صاحبؒ کے لیے یہ نیا موضوع نہیں جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں خود فرماتے ہیں، امام غزالیؒ، امام خطابیؒ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے احکام شرعی کے حِکم و مصالح بیان کئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی حیثیت اشارات ونکات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس اہتمام و جامعیت اور وسعت کے ساتھ اسلام کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحبؒ سے پہلے نہیں ملتی، شاہ صاحبؒ نے آنے والے حالات وضروریات کے احساس کے تحت حدیث کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات واقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دئے ہیں، عہد حاضر میں ضرورت ہے کہ حدیث کے ذخیرے پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی واجتماعی مسائل میں فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا ہے، اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی تصنیفات سے بہت کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے سلسلۂ حدیث کی مقبولیت: آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو زور وشور ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے امیر خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہے گا، حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتویؒ ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا کہ تم کس کے شاگرد ہو؟

انہوں نے اپنے استاذ مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی صاحب کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاق صاحب کے، شاہ اسحاق صاحب سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد ہیں؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام سن کر محدث صاحب رکے، بولے ان کو میں جانتا ہوں، اوراس کے بعد فرمایا کہ: شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں، وہاں جنت ہے، اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے، یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے، وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں''۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے بعد ملک میں علم حدیث کی نشر واشاعت سے متعلق تفصیلات کے ساتھ حضرت مولانا ڈاکٹر ندوی کے اختصاص فی الحدیث کا ذکر فرمایا، اخیر میں صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم نے بڑی جامعیت کے ساتھ صدارتی کلمات سے سامعین کو مستفید فرمایا، انہوں نے آئی او ایس اوراس کے سرپرست و چیرمین محترم جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب کو بلند کلمات تہنیت سے نوازا، ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ کو شاہ ولی اللہ ایوارڈ تفویض کیے جانے پر مبارک باد دی، جلسہ کا اختتام حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ کی دعا پر ہوا۔

سفر الہ آباد اور خصوصی ایوارڈ

بقلم: مولانا خطیب الرحمٰن ندوی

آل انڈیا مظاہرہ قراءت میں شرکت اور خدمات حدیث کے اعتراف میں ایوارڈ:

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کے سلسلہ کے حضرت مولانا شاہ بدر علی رائے بریلویؒ کے ممتاز و جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری ثم الہ آبادیؒ کے بعد ایک عرصہ تک اصلاح و تربیت کی شمع روشن رکھی، بے شمار گم گشتگانِ راہ کو منزل سے ہمکنار کیا، کتنوں کو آپ کی صحبت بااثر نے خداشناسی کی لذت بخشی اور خدا جانے کتنے نفوس کو ایمانی نور سے مجلّٰی فرمایا، حضرت نوراللہ مرقدہٗ اس دور آخر میں بہت بلند نسبت کے حامل بزرگوں میں تھے، افسوس کہ وہ ۲/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ میں (۹۶) چھیانوے سال کی عمر میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور دنیا ان کے ظاہری فیض سے محروم ہوگئی۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ اپنے دور کے شیخ کامل، عارف باللہ، بقیۃ السلف اور شیخ المشائخ تھے، عامۃ الخلائق کے علاوہ اصحاب فضل و کمال کا مرجع بنے ہوئے تھے، ''ان کا درِفیض ہر ایک کے لیے ہر آن کھلا رہتا تھا، جس سے علماء، صلحاء، خواص و عوام سبھی اپنی اپنی طلب و ظرف کے مطابق فیوض و برکات سے اپنا اپنا دامن

بھر کر لوٹتے تھے''، ان کی مجلس میں قلب و روح کو سکون وطمانینت کی نعمت سرمدی حاصل ہوتی تھی، وہ ''در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق'' کے حقیقی معنوں میں مصداق تھے، یہی وجہ تھی کہ وقت کے مشائخ عظام بھی بارگاہِ احمدی میں اپنی حاضری کو باعث شرف وسعادت خیال فرماتے تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے تھے کہ ''حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظم گڑھی والہ آبادیؒ کے بعد اب مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری یادگار سلف رہ گئے ہیں، جب کبھی توفیق ہوتی ہے انہی کی خدمت میں حاضر ہو کر ذکر الٰہی وفکر آخرت اور تواضع و اخلاص کے وہ نمونے و مناظر دیکھ لیتا ہوں جواب صرف کتابوں کے اندر ملتے ہیں''۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کی زندہ یادگار ہیں اور نقشبندیت و چشتیت دونوں رنگوں کے سنگم ہیں، مولانا موصوف کی نسبت مع اللہ اس درجہ قوی ہے جس کی مثال نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے''۔

حضرت محی السنہ شاہ ہردوئی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا پرتاپ گڑھیؒ کے ایک وعظ کے بعد سامعین سے فرمایا کہ ''آج آپ لوگوں نے گویا حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ کا وعظ سن لیا''، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کے دونثری وشعری مجموعوں 'روح البیان' اور 'عرفان محبت' میں تصوف و احسان کے جو مضامین بیان کئے گئے ہیں وہ سالکین شریعت وطریقت کے لیے نسخہ کیمیا سے کم نہیں،

خودروح البیان اورعرفان محبت نام ہی سے قلب ونظر کوطہارت و پاکیزگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

حضرت مولانا پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کوایک عرصہ ہوا،لیکن ان کی نسبت کے حاملین کے ذریعہ ان کے سلسلہ اور تعلیمات کی اشاعت بحمد اللہ آج بھی جاری وساری ہے، منجملہ اس نسبت کے فیوض وبرکات کے جامعہ اسلامیہ افضل المعارف الہ آباد کے احاطہ میں آل انڈیا مظاہرۂ قراءت کا عظیم الشان اور اپنی نوعیت کا منفرد جلسہ ہے،جس کا انعقاد حضرت پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادۂ گرامی محترم جناب قاری مشتاق احمد صاحب (بانی مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ) کی تحریک واہتمام سے عمل میں آیا، وہی اس عظیم اجلاس کے روح رواں تھے۔

جلسہ کی تاریخ ۲۶ / ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲ / مارچ ۲۰۱۱ء (بروز بدھ) مقرر تھی، حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے دو نامور خلفاء حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب اور حضرت مولانا عمار احمد صاحب مدظلہما کی سرپرستی، اور عالم اسلام کی معروف اور علم حدیث کی مشہور ہستی اور خود حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ کی صدارت نے اس مظاہرۂ قراءت کو ظاہری ومعنوی اعتبار اور زینت بخشی، (حضرت مولانا ندوی مظاہری اس اجلاس کی صدارت کے لیے اپنے وطن تشریف لائے تھے اور اپنے قریبی عزیز ڈاکٹر صفی الدین صاحب ایم بی بی ایس کے ولیمہ میں شرکت کر کے الہ آباد کا سفر اختیار فرمایا تھا) بعد نماز عشاء جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی، علم ومعرفت سے آراستہ و پیراستہ نورانی شخصیتوں کی موجودگی اور قرآن عظیم کے حاملین کی نسبت نے شرکائے اجلاس کو روحانیت سے معطر اور نہال

کر دیا تھا،الہ آباد، پرتاپ گڑھ اور سلطانپور کے علاوہ اعظم گڑھ،مئو، جونپور اور بنارس جیسے دور دراز مقامات سے بھی شیدائیوں کا ہجوم تھا، جو حضرت شاہ پرتاپ گڑھیؒ اور قرآن عظیم کے تعلق سے والہانہ و پروانہ وار حاضر ہوئے تھے، کتنے ایسے بھی تھے جو حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے ان خلفاء کی زیارت و دید کے لیے مشتاق اور بے تاب تھے، گویا ان کا اصل مقصود ہی اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کی زیارت سے شادکام ہونا تھا۔

جلسہ کے ناظم ونقیب جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی مدرسہ امدادیہ مرادآباد تھے، موصوف قراءت قرآن کے مظاہروں اور مقابلوں کی نظامت وادارت کے فن سے خوب واقف ہیں، زبان و بیان کی فصاحت اور لب ولہجہ کی سنجیدگی ومتانت کے ساتھ پروگرام کو آگے بڑھانے اور ہر ایک کو اس کے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے سمجھنے اور برتنے کا سلیقہ اور قرینہ ان کی نمایاں خصوصیت ہے، اس کے لیے واقعی وہ قابل داد ہیں، انہوں نے تلاوت قرآن مجید کے لیے دو کم سن بچوں عزیزان محمد فرحان سلمہ متعلم جامعہ افضل المعارف اور محمد سعد سلمہ متعلم مدرسہ فلاح دارین ترکیسر گجرات (نواسۂ حضرت مولانا قمرالزماں صاحب دامت برکاتہم) کو آواز دی، اس طرح کلام ربانی سے اس مجلس عرفانی کا آغاز ہوا، اس کے بعد حضرت شاہ پرتاپ گڑھیؒ کے خادم خاص اور حافظ کلام محترم جناب کامل صاحب چائلی زید مجدہ نے آل انڈیا مظاہرۂ قراءت کی مناسبت سے درج ذیل اپنے طویل قصیدہ سے سامعین کو مسحور کر دیا۔

ابتدا کرتے ہیں اس کے نام سے جو ہے رحیم — مہرباں بندوں پہ ہے اپنے جو ہے بیحد کریم
ہو رہا ہے جلسہ یہ اس نوعیت کا پہلی بار — روح پرور دل نشین و دل رُبا و شاندار
ناظم جلسہ ہیں ساجد اعظمیؔ شیریں زباں — خوش خصال و نیک طینت اور مقرر خوش بیاں
حضرت مشتاق احمدؔ ابن احمدؔ پُر ضیا — یادگارِ شیخ کامل رہروِ راہِ صفا
منعقد کرتے ہیں جلسہ وہ الہ آباد میں — شاہ احمدؒ کی محبت اور ان کی یاد میں
نامور ہندوستاں کے آتے ہیں قراء یہاں — ان کی آمد سے ہوا در اصل جلسہ ضوفشاں
نورِ قرآں سے مزین ان کے سینے آج ہیں — مخزنِ دل میں نہاں روشن نگینے آج ہیں
چند لمحوں بعد دکھلائیں گے وہ اپنا کمال — اور قرآں کا دکھائیں گے سر محفل جمال
مخرج و تجوید کیا ہے وہ بتائیں گے یہاں — لہجۂ قرآن بھی بتلائے گی ان کی زباں
صدرِ جلسہ آج علامہ تقی الدیںؔ ہیں — نائب احمدؒ ہیں جو اور لائق تحسین ہیں
صدرِ ہندوستان نے ایوارڈ بخشا آپ کو — کس قدر اعزاز و عزت سے نوازا آپ کو
اہل دل اہل نظر اہل قلم اور نکتہ داں — ماہر فن حدیث سرور کون و مکاں
حضرت مشتاق احمدؔ ابن احمدؒ متقی — آج کا ایوارڈ اس نسبت سے دیں گے وہ ابھی
شیخ دوراں حضرت قمرالزماں اہل زباں — صاحب فہم و ذکا اہل نظر اور نکتہ داں
حضرت عمارؔ صاحب شاہ احمدؒ کے مراد — شیخ کو رکھتے ہیں جو تا زندگی مسرور و شاد
آج ان کی ہی دعاؤں کے یہ سب ثمرات ہیں — جو نظر آتے ہیں سب کو ان کے ہی برکات ہیں
سرپرستی جلسے کو دونوں کی حاصل آج ہے — بزم قرأت اس لیے پُر نور کامل آج ہے
حضرت اقدسؒ کا ہر عاشق ہمیں محبوب ہے — ان سے ملنے کا ذریعہ دوستو یہ خوب ہے
قلب مومن اے خدا روشن رہے ایمان سے — اور رہے لبریز یا رب عظمت قرآن سے

تا قیامت اے خدا یہ سلسلہ جاری رہے　　تا ابد دل پر مسلسل کیف یہ طاری رہے
قاری صاحب حضرت مشتاق احمد محترم　　ان کے حق میں حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں ہم
ہے دعا کاملؔ کی یہ اے خالق کون و مکاں
فضل سے تو کر عطا سب کو فلاحِ دو جہاں

اس کے بعد محترم قاری مشتاق احمد صاحب زید مجدہ نے معزز علمائے کرام اور قرائے عظام کی خدمت میں تشکر و امتنان کے ساتھ جلسہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی، اور انہیں کی تجویز کے مطابق حضرت مولانا عمار احمد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں پُر مغز اور پُر از معلومات مقالہ پیش کیا، مقالہ کا ملخص درج ذیل ہے:

"الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد!

آج کا دن اور یہ ساعت نہایت بابرکت ہے جس میں یہ عظیم الشان اجتماع ہمارے شیخ و مرشد شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یاد میں منعقد ہو رہا ہے، اور انتہائی مسرت کی بات ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادے محترم جناب قاری مشتاق احمد صاحب مدظلہ (بانی و ناظم مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ) اپنی خاص نوعیت کے مظاہرۂ قراءت کا یہ جلسہ پہلی بار سرزمین الہ آباد پر ہمارے اس ادارہ جامعہ اسلامیہ افضل المعارف میں منعقد فرما رہے ہیں، اس اجتماع میں شرکت کے لیے اطراف ملک سے قرائے کرام تشریف لا چکے ہیں جو ان شاء اللہ نوع بہ نوع

لہجوں میں کلام پاک کی قراءت سے سامعین کے قلوب کو گرمائیں گے۔

چوں کہ یہ اجتماع حضرت مرشدی نوراللہ مرقدہٗ کی یاد میں منعقد ہو رہا ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضرت نوراللہ مرقدہٗ کا تذکرہ بھی کیا جائے۔

بلاشبہ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ مغتنماتِ روزگار میں سے تھے، اور آپؒ کی ہر ہر شان سے اتباعِ سنت نمایاں تھی، افسوس کہ اس وقت ہم اس ہستی سے ظاہراً محروم ہیں، لیکن ان کا فیض روحانی آج بھی جاری ہے اور ان شاءاللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

آپؒ پھولپور ضلع پرتاپ گڑھ کے ایک شریف اور تعلیم یافتہ گھرانہ میں پیدا ہوئے، آپؒ کے والد محترم جناب غلام محمد صاحب اپنے موضع کے تعلیم یافتہ با اثر لوگوں میں تھے، اس کے ساتھ نہایت صالح اور دیندار انسان تھے، اویس زماں قطب دوراں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نوراللہ مرقدہٗ سے شرف بیعت بھی حاصل تھا اور برابر حضرتؒ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی تھی، ان کے صرف چھ صاحبزادیاں تولد ہوئیں، کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی، اس کے لیے حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ سے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ ان شاءاللہ تمہارے بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام ''محمد احمد'' رکھنا۔

چنانچہ اس دعا کی مقبولیت ظاہر ہوئی اور ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں اس شیخ وقت کی ولادت ہوئی، والد محترم نے شیخ کی ہدایت کے مطابق آپؒ کا نام ''محمد احمد'' رکھا اور آپؒ اسی نام سے معروف ہوئے۔

دنیا سے بے رغبتی اور اہل دنیا سے کنارہ کشی آپؒ پر غالب تھی، وعظ وارشاد کا

جذبہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے اندر ودیعت فرمایا تھا، اپنے ہم عمر بچوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا کرتے تھے، آپؒ کے ابتدائی حالات میں انتہائی حالات کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل فرمائی، اپنے اساتذہ کا غایت درجہ ادب و احترام فرماتے تھے، اس لیے تمام اساتذہ کے منظورِ نظر رہے، درسیات کی تکمیل اور فارسی وعربی کی تعلیم اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید بدر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اور حدیث بھی سید صاحبؒ ہی سے پڑھی۔

آپ نے حضرت مولانا سید بدر علی شاہ صاحبؒ سے اور انہوں نے حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ سے اور انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی اور اجازت حاصل فرمائی، اس طور پر آپؒ کو علم حدیث میں بھی اپنے دور کی سند ارفع حاصل تھی، مگر غلبۂ تواضع کی بنا پر کبھی اپنی شان علمی کا اظہار تک نہ فرماتے اور اس باب میں بھی اپنے شیخ کے نقش قدم پر چل کر ایک مثال قائم فرمادی، ان کی بھی یہی شان تھی کہ اپنے کو اس انداز سے رکھتے کہ ہمیں کوئی شخص عالم نہ سمجھنے پائے، حالاں کہ جامعہ از ہر مصر کے فارغ التحصیل تھے اور وہاں اٹھارہ سال رہ کر مصر وشام کے علماء سے استفادہ فرمایا تھا اور پوری بخاری شریف آپؒ کو حفظ تھی۔

حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ دورِ حاضر کے جتنے مشائخ کرام گذرے ہیں قریب قریب سب ہی کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، چنانچہ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری دی، البتہ باضابطہ بیعت کا تعلق پہلے حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحب کوڑا جہان آبادی قدس سرہٗ سے قائم

ہوا جو لکھنؤ میں ڈالی گنج سے قریب ٹیلہ والی مسجد میں قیام پذیر تھے،تقریباً چار سال کا عرصہ حضرت کی خدمت میں گذارا،اور اجازت بیعت سے مشرف ہونے کے بعد حضرت ہی کے ایماء سے حضرت مولانا سید بدرعلی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں سدھونہ ضلع رائے بریلی حاضری ہوئی اور تجدید بیعت کے ساتھ نسبت نقشبندیہ مجددیہ سے بھی سرفراز ہوئے اور حضرت مولانا سید بدرعلی صاحبؒ نے بھی خلافت واجازت سے مشرف فرمایا،اس طور پر چشتیہ ونقشبندیہ دونوں سلسلوں میں خلافت حاصل ہوئی۔

وصال سے چار پانچ روز قبل چھوٹے صاحبزادے قاری مشتاق احمد صاحب سے فرمایا کہ ''میرا کام پورا ہو چکا،اب بہت جلد میں جانے والا ہوں''،قاری صاحب نے پوچھا کہاں جانے والے ہیں؟ تو ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے وہاں۔

منجھلے صاحبزادے محترم ارشاد احمد صاحب کا بیان ہے کہ اخیر وقت میں سرہانے بیٹھ کر بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا اور جو حضرات وہاں موجود تھے سب ہی کی زبان پر کلمہ جاری تھا،اسی حالت میں اچانک حضرتؒ خود بخود داہنے کروٹ ہو گئے، آکسیجن کی نلی بھی ایک طرف ہٹ گئی،میں نے ذرا قریب ہو کر دیکھا تو لب مبارک اس وقت بھی جنبش کر رہے تھے،منھ کے قریب کان لگا کر سنا تو لفظ اللہ صاف سنائی دیا،اس کے بعد زبان بند ہو گئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر کے رفیق اعلیٰ سے جاملی،۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۱ء کو اس دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرمائی''۔

اس کے بعد محترم قاری مشتاق احمد صاحب کی جانب سے حضرت مولانا

ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم سرپرست جامعہ اسلامیہ کو خدمات حدیث کے صلہ میں ''خصوصی ایوارڈ'' عطا کیا گیا، یہ ایوارڈ ایک خوبصورت مومنٹو اور قیمتی شال پر مشتمل تھا، جو درحقیقت حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے فیض یافتہ ایک عظیم محدث اور اہل دل کی خدمات حدیث کا اعتراف اور خراج عقیدت تھا، مومنٹو حضرت مولانا عمار احمد صاحب نے اور شال حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم نے پیش کی، جو گویا ''ردائے علمی'' اور بزرگوں سے عطائے خلافت یا خرقۂ خلافت کے تصور کا عملی جامہ تھی۔

اب حضرت مولانا محترم کے صدارتی کلمات کا موقع تھا، ناظم جلسہ جناب مولانا ڈاکٹر ساجد الاعظمی صاحب نے دار العلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ فلاح دارین ترکیسر، جامعۃ الامارات العین، جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کی نسبتوں کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے رشتۂ تلمذ اور متعدد تصنیفی و تحقیقی کارناموں کے حوالہ سے صدر جلسہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے وعظ و بیان کی فرمائش کی، صدر محترم مدظلہ نے مفید و مؤثر خطاب فرمایا، حمد و ثنا کے بعد ہی یہ شعر ان کی زبان پر جاری ہو گیا ؎

یا رب ترے عشاق سے ہو جائے ملاقات
قائم ہیں جن کے فیض سے یہ ارض و سماوات

انہوں نے اپنے مفصل بیان میں اپنے سلسلۂ اسناد حدیث کی تفصیل بھی پیش فرمائی، جو ان کی تحریر و تقریر کی خاص شناخت ہو چکی ہے، چنانچہ بطور خاص اس سند ارفع کا بھی ذکر فرمایا جو آپ کو حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے واسطہ سے حاصل ہے، حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کو اپنے شیخ و مرشد حضرت سید بدر علی رائے بریلویؒ

سے،ان کو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے،ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے یہ عالی سند حاصل تھی،اس پروگرام میں شرکت اور''خصوصی ایوارڈ'' کے ذریعہ اعزاز ملنے پر بہت مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا،خطاب کے دوران مجمع سراپا گوش برآواز تھا۔

حضرت مولانا کے خطاب کے بعد تجوید وقراءت کا مظاہرہ شروع ہوا،اور مسلسل چھ سات گھنٹے جاری رہا،ماہرین فن قراء کی فہرست طویل تھی،اس لحاظ سے بالاستیعاب اسماءنویسی کی گنجائش کہاں؟ لیکن کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے مایہ ناز اور خوش الحان قراءاسٹیج پر تھے،جو لکھنؤ،الہ آباد،دیوبند،دہلی،حیدرآباداور مدراس کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں کی نمائندگی کررہے تھے،انہوں نے قرآن پاک کی مختلف لہجوں میں تلاوت سے سامعین کے قلوب کو جلا بخشی،کلام الٰہی کی برکت سے حاضرین کی محویت بھی قابل دید تھی،وہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے قرآن کے ایک ایک حرف اور لہجہ کو رگ وپے میں جذب کررہے تھے،علمائے حق کے جلو میں قرائے عظام کی کہکشاں سے عرش بریں سے فرش زمیں تک انوار وبرکات کی طنابیں قائم تھیں، ساری رات نورانی پھواریں سایہ فگن رہیں،اور ٹھیک پونے پانچ بجے صبح کو افضل المعارف کے بانی وناظم حضرت مولانا عمار احمد صاحب مدظلہ کی دعا پر آل انڈیا مظاہرۂ قراءت کا یہ اجلاس اپنے اختتام کو پہونچا۔

میزبانی کے فرائض انجام دینے میں محترم قاری مشتاق احمد صاحب،حضرت مولانا قمرالزمان صاحب اور حضرت مولانا عمار احمد صاحب تو بنیادی طور پر شامل تھے، پورا نظم قاری صاحب کے کنٹرول میں تھا،حضرت مولانا قمرالزمان صاحب دامت

برکاتہم اپنے صاحبزادگان کے ساتھ جلوہ افروز تھے، جامعہ اسلامیہ افضل المعارف کا وسیع صحن، مظاہرہ گاہ تھا اس لیے طبعی طور پر حضرت مولانا عمار احمد صاحب دامت برکاتہم، اوران کے صاحبزادگان کے علاوہ افضل المعارف کے اساتذہ وطلبہ سب نے مہمانوں کی راحت وسہولت کی خاطر اپنے کو سراپا عمل بنا دیا تھا، حضرت پرتاپ گڑھیؒ کے منجھلے صاحبزادے محترم ارشاد احمد صاحب پوری بشاشت سے استقبالیہ ذمہ داری پر مستعد تھے، سبھی حضرات مہمانوں کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے اخروی سے مالا مال فرمائے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صبح ناشتہ کے بعد حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے، انہوں نے چائے وغیرہ سے تکریم فرمائی اوراپنی تازہ ومفیدترین دوجلدوں پر مشتمل تصنیف ''ریاض السنۃ'' تلخیص ''ترجمان السنۃ'' عنایت فرمائی، طے شدہ پروگرام کے مطابق دونوں بزرگ اوران کے رفقاء جمنا پار تاریخی مقام ''مہیوا'' کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت مولانا قمرالزماں صاحب کے قائم کردہ مدرسہ ''بیت القرآن الکریم'' کی زیارت کی، مہیوا کی بستی اس اعتبار سے بڑی دل آویز ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے نقش پا سے سرفراز رہی ہے، اس نسبت اشرف کے ساتھ کسی شیخ طریقت اوراہل دل محدث کی معیت میں سفر خود ہی خوش گوار اور پُر بہار ہوجاتا ہے، مہیوا کی سیر میں جناب مولانا مقصود احمد صاحب قاسمی استاذ حدیث مدرسہ بیت المعارف کے علاوہ حضرت مولانا الہ آبادی کے نورنظر عزیزان مولانا عبداللہ قاسمی سلمہ ومولانا عبیداللہ ندوی سلمہ بھی تھے، وہاں سے واپسی میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ

کے مزار بمقام ''آرام باغ'' شہرخموشاں نامی قبرستان فاتحہ خوانی کی غرض سے تشریف لے گئے، رخصت ہوتے ہوتے عزیزم مولوی عبداللہ سلمہ نے سبھی مہمانوں اور میز بانوں کو ٹھنڈے مشروب سے سیراب کیا اور وہیں سے مہمانوں کا قافلہ اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہوگیا ،اس رفاقت میں محترم کامل صاحب چائلی، حضرت مولانا کے پوتے محمد علی، نواسہ امجد عالم، مولوی ابوثاقب صاحب ندوی اور راقم الحروف بھی شامل رہا اور بفضلہٖ تعالیٰ عصر سے پہلے یہ کارواں جامعہ اسلامیہ بخیر وعافیت پہنچ گیا۔

دہلی، بنگلور، لکھنؤ کے علمی و دعوتی اسفار

بقلم: صلاح الدین ندوی پرتاپگڑھی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے بانی وسرپرست حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ کی علمی و تحقیقی خدمات کے صلہ واعتراف میں ۲۰۰۸ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تھا لیکن دو سال گذرنے کے بعد بھی راشٹر پتی بھون میں وہ تقریب بوجوہ منعقد نہیں ہوسکی جو روایتی طور پر تقسیم اعزازات کے لیے معروف ہے، امسال ۳۰ر مارچ کو اچانک راشٹریہ سنسکرت سنستھان (ڈیم یونیورسٹی) نئی دہلی سے اطلاع دی گئی کہ ۶ر مئی ۲۰۱۱ء کو راشٹر پتی بھون میں عربی زبان کی غیر معمولی خدمت پر صدر جمہوریہ ایوارڈ کی سند عطا کیے جانے کی تقریب ہوگی، حضرت مولانا کی موجودگی اس میں ضروری ہے اس لیے وہ ضرور تشریف لائیں اور یہ بھی کہ ایک رفیق سفر کی آمد ورفت اور قیام وطعام کی پوری ذمہ داری بھی منتظمین کی ہوگی۔

حضرت مولانا ۴ر مئی بروز بدھ امارات ایرلائنس دبئی سے روانہ ہوکر ڈھائی بجے دہلی ایرپورٹ پہونچے، ابوظبی ایمبیسی میں آمد کی اطلاع ہوچکی تھی اس لئے وہاں سے بذریعہ کار مقررہ قیام گاہ ’’جنپت ہوٹل‘‘ پہونچے، ہوٹل میں بہت سے محققین اور اسکالروں سے ملاقاتیں ہوئیں، جامعہ ملیہ شعبۂ عربی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر شفیق

احمد خان ندوی خاص طور سے ملاقات کے لیے آئے ،اسی دن شام کو عصر کی نماز کے بعد محلّہ مہندیان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مزار پر حاضری و فاتحہ خوانی کے بعد مغرب کی نماز ادا کی گئی ،اس کے بعد مرکز نظام الدین حاضری ہوئی ، وہاں مولانا زبیرالحسن صاحب اور دیگر علماء سے ملاقات کر کے ہوٹل واپسی ہوئی ، پروگرام سے ایک دن پہلے ۵رمئی کو راشٹر پتی بھون جانے کا نظام تھا تا کہ پروگرام کے سلسلہ میں ضروری مراسم سے باخبر ہوا جائے ،۵رمئی کی صبح مولانا کے صاحبزادے ڈاکٹر صفی الدین صاحب جو ممبئی کے ڈی وائی پاٹل میڈیکل کالج میں ایم ایس کر رہے ہیں آ گئے ،اور انگریزی زبان میں گفتگو کے لیے حضرت مولانا کے ترجمان بن گئے۔

۶رمئی کو راشٹر پتی بھون جانا ہوا جہاں سبھی شرکاء کو محترمہ پرتبھا دیوی سنگھ پاٹل صدر جمہوریہ ہند کے ذریعہ سند توصیف اور ایک شال دی گئی ، وہیں پر وزیر تعلیم جناب کپل سبل صاحب سے ملاقات ہوئی ، وہ بہت ہی احترام سے پیش آئے ، خاص طور سے سمو الشیخ نہیان بن مبارک آل نہیان وزیر التعلیم العالی فی دولۃ الامارات سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا ، ساتھ ہی اپنا خصوصی نمبر دیا کہ کل صبح آفس تشریف لائیں تا کہ اطمینان سے ملاقات و گفتگو ہو سکے ، لیکن دوسرے دن بنگلور کے سفر کی وجہ سے معذرت کر دی گئی۔

ہوٹل میں واپس آنے کے بعد قریب کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی گئی ، نماز کے بعد کھانے سے فراغت کے بعد کچھ ٹی وی والے انٹرویو کے لیے آ گئے اور حضرت مولانا سے عربی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کئے ، ان کا ایک سوال یہ تھا کہ آپ نے جامع ازہر سے پی ایچ ڈی کی ہے لیکن عربی تعلیم کا آغاز کس طرح کیا تھا؟

اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی زبان سیکھنے کا اہتمام ہے، میں نے وہاں سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد جامعہ ازھر سے پی ایچ ڈی کی ہے، میرا قیام ۳۶/سالوں سے امارات میں ہے وہاں یونیورسٹی میں ترقی کر کے پروفیسر کے درجہ پر پہونچا تھا، ان کا ایک سوال یہ تھا کہ اس سے ہندوستان کو کیا فائدہ پہونچے گا؟

حضرت مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ہند وعرب کے تعلقات مضبوط ہوں گے، امارات کے ایک عرب وزیر نے مجھ سے کہا کہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ 'ھندی یدرس العرب' ایک ہندوستانی، عرب کو ان کی زبان میں تعلیم دیتا ہے۔

دوسرے دن ہمارا سفر بنگلور کے لیے ہوا، بنگلور میں مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی مہتمم دارالعلوم سبیل الرشاد نے اپنے والد حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ کی حیات وخدمات پر ایک سیمینار اور مدرسے کی پنجاہ سالہ کارکردگی کے عنوان سے جشن طلائی کا اہتمام کیا تھا، جس میں علمائے کرام کے علاوہ سیاسی لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا، اس اجلاس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لاء بورڈ، ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ جناب حامد انصاری صاحب، اور کرناٹک کے گورنر کی شرکت بھی متوقع تھی، ڈاکٹر صفی الدین صاحب دہلی سے ممبئ چلے گئے، لیکن راقم بنگلور تک رفیق سفر رہا، ساڑھے ۷/ بجے کی فلائٹ سے ساڑھے ۱۰/ بجے بنگلور ایرپورٹ پہونچے، ایرپورٹ پر ہمارا استقبال کیا گیا، وہاں سے ہم لوگ سید محمد بیری صاحب کی آفس میں آئے، جناب ڈاکٹر ولی الدین ندوی ناظم جامعہ ایک روز پہلے دبئ سے آگئے تھے، ظہر کی نماز کے بعد بنگلور کے مشہور تاجر

جناب عرفان عبدالرزاق صاحب کے یہاں کھانے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عصر سے پہلے دارالعلوم سبیل الرشاد پہونچے، عصر کے بعد پروگرام شروع ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا نے فرمائی، مقالات پیش کئے گئے، اخیر میں حضرت مولانا نے صدارتی کلمات سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

"**حضرات علمائے کرام!** اس مبارک مجلس میں شرکت کے لیے میں بہت تاخیر سے پہونچا اور ابھی حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ کے بارے میں جو کلمات میں نے سنے اس کی روشنی میں بعض اشارات کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدارس جو ہندوستان میں قائم کئے گئے ہیں، وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے منفرد ہیں، ان کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

کا مصداق ہوں۔

مشہور حدیث ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر صدی کے اخیر میں کسی ایک شخص یا پوری جماعت پیدا فرمائے گا جو اس دین کی تجدید کرتی رہے گی، اس کی حفاظت کرتی رہے گی، ہمارے اس ملک میں جو جماعت گزری ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے سلسلے کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر علماء کی یہ پوری جماعت مجددین کی جماعت ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ان کی بعض تحقیقات ایسی ہیں جو متقدمین کے یہاں بھی نہیں ملتیں، ساتھ ساتھ وہ صاحب ذکر تھے، اللہ والے تھے۔

مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجددین کی جماعت سوسال کے بعد پیدا ہوتی ہے تو درمیانی صدی میں یہ سلسلہ کیسے قائم رہتا ہے؟ اس کا نظام من جانب اللہ یہ ہے کہ سلف کے جانشین خلف میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے جو دین کو اس کی خصوصیات کے ساتھ قائم رکھیں گے، "لاتزال طائفة من أمتي منصورين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة" میری امت میں قیامت تک ہمیشہ ایک جماعت موجود رہے گی جو حق پر قائم رہے گی، ان کا ساتھ چھوڑ کر کوئی ان کو نقصان نہیں پہونچا سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحب، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہیں، اس طرح حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ بھی اس جماعت کے ایک فرد ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے اور اسلام کی خدمت کے لئے شاہ صاحب کی پوری جماعت کو اور ان کے شاگردوں کو، اور ان سے وابستہ رہنے والوں کو پورے عالم میں امتیازی حیثیت دی ہے، حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ بھی شریعت وطریقت دونوں کے جامع تھے، ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی دونوں خصوصیات کے جامع تھے، حضرت مولانا نے علم اور ذکر میں خاص مقام پیدا کیا، انہوں نے اللہ کی محبت میں اپنے کو مٹایا تھا۔

کچھ ہونا مرا ذلت وخواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

انہوں نے اپنے کو مٹایا تو اللہ نے ان کو چمکایا، ابھی آپ نے سنا کہ ان کے دل کی کیا

حالت تھی، ان کے شاگردوں میں کیا تاثیر ہے، یہ سب ان کے اخلاص کی برکت ہے۔

میرے دوستو! یہ جو سیمینار ہو رہا ہے اس سے درس وعبرت حاصل کریں، دیکھیں کہ حضرت مولانا کی زندگی سے ہمیں کیا پیغام ملتا ہے، ایک پیغام یہ ہے کہ علم میں اپنا مقام پیدا کریں، دوسرا یہ ہے کہ اپنے اندر اللہ کی محبت پیدا کریں، جب اللہ تعالیٰ کی محبت آئے گی تو دین کے کام کرنے اور تربیت کرنے کا سلیقہ پیدا ہوگا، جب اپنے دل کی دنیا آباد ہوگی تو اس سے اللہ کی محبت پیدا ہوگی، جیسا کہ حضرت مولانا نے یہ مدرسہ قائم کر کے آپ کو بتا دیا ہے، ان شاء اللہ یہ سیمینار زیادہ سے زیادہ نافع ثابت ہوگا، ہمارے لیے بھی اور آپ کے لیے بھی، اخیر میں یہ درخواست ہے کہ حضرت مولانا کی زندگی کا کیا پیغام ہے اس کو بھی اپنانے کی ضرورت ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے یہاں جب میرا قیام بذل المجہود کے سلسلہ میں تھا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ ابوالسعود صاحبؒ کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، کسی اللہ والے کا خصوصیت سے اہتمام کرنا خود اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہمارے استاذ ومربی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کو الہ آباد ایک کتاب بھیجی، اس پر حضرت پرتاپ گڑھیؒ نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت شیخ الحدیثؒ کو اس کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کہ حضرت مولانا کی خوشی اس بات کی دلیل ہے کہ عند اللہ یہ کتاب مقبول ہے، میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا ایک مقبول بندے کی نظر میں بہت ہی زیادہ محبوب تھے بڑا اہتمام فرماتے، اس مدرسے کے پڑھے ہوئے ماشاء اللہ

ہرجگہ دین ودعوت کا کام کررہے ہیں اورترقی کرتے چلے جارہے ہیں، اللہ کرے کہ یہ سیمینارسب کے لیے نافع ہو، **وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین**''.

مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مفتی محمد اشرف علی صاحب اور مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب سے ملاقات کے بعد اپنی جائے قیام بنگلورشہر کے ایک ہوٹل میں واپسی ہوئی، ٹرافک کی وجہ سے قیام گاہ پہونچنے میں کافی تاخیر ہوگئی، اس لیے عشاء کے بعد کی نشست میں شرکت نہ ہوسکی، صبح ناشتہ کر کے دارالعلوم سبیل الرشاد کے لیے روانہ ہوئے، تو حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ، مولانا عبدالرحیم انصاری اودیگر علمائے کرام سے ملاقات ہوئی، سمینار کے آخری اجلاس میں نائب صدر جمہوریہ ہند جناب حامد انصاری صاحب کی شرکت متوقع تھی، اسٹیج پر سامنے دس کرسیاں لگائی گئیں تھیں جن پر جناب حامد انصاری صاحب نائب صدر جمہوریہ ہند، کے رحمٰن خان ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا، ہنس راج بھاردواج گورنرصوبہ کرناٹک، وزیرحج واوقاف کرناٹک، مولانا ماجد صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، حضرت مولانا دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی جلوہ افروز تھے، تمام معزز مہمانوں کی قیمتی شال سے تکریم کی گئی۔

اس کے بعد جلسہ کی باضابطہ کارروائی شروع ہوئی، مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی نے کلیدی خطبہ پڑھا، مدرسے کے بنیادی مقاصد اوراس کے فضلاء کا تفصیل سے ذکر کیا، اس کے بعد جناب کے، رحمٰن خان کا بیان ہوا جو درحقیقت مہمانوں کی ترحیب کے ساتھ اس مدرسہ سے ذاتی تعلق کے تئیں ایک عمدہ اور معیاری

بیان تھا، اس کے بعد ہنس راج بھاردواج گورنر کرناٹک کی پر جوش تقریر نے سامعین میں ایک ولولہ پیدا کر دیا، انہوں نے حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تعلقات اور مسلم پرسنل لاء بورڈ سے اپنی واقفیت کا اظہار کیا، اس کے بعد نائب صدر جمہوریہ ہند جناب حامد انصاری صاحب مائک پر تشریف لائے، انہوں نے پہلے حضرت مولانا مدظلہ کا بڑی گہرائی سے تذکرہ کیا اور حضرت مولانا کو ایک قدیم اور دیرینہ رفیق کی حیثیت سے یاد فرمایا، انہوں نے مدارس کے اندر دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دلائی، جلسہ کے دوران ہم لوگ مفتی محمد اشرف علی صاحب، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا سید محمد مصطفیٰ رفاعی ندوی وغیرہ سے رخصت ہو کر ہوٹل آئے اور جناب سید صدیق بیری صاحب کے ہمراہ ایر پورٹ روانہ ہوئے، شام ۶ / بجے کی فلائٹ سے دبئی روانگی ہوئی، الحمد للہ حضرت مولانا ۹ / بجے شب میں دبئی پہونچے اور وہاں سے اپنے مستقر العین بخیر وعافیت پہونچ گئے۔

سمینار ''علمائے فرنگی محل کی علمی خدمات'' میں شرکت

بقلم: صلاح الدین ندوی پرتا پگڑھی

گذشتہ مارچ میں حضرت مولانا ہندوستان تشریف لائے تو براہ راست دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضری ہوئی، حضرت مولانا کی قیام گاہ پر جناب مولانا خالد رشید فرنگی محلی تشریف لائے تھے اور'' علماء فرنگی محل کی خدمات اور علامہ عبدالحی لکھنوی'' پر سیمینار میں شرکت کی دعوت دی اور بتایا کہ وہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور فقہ اکیڈمی کے تعاون سے لکھنؤ میں ۲۰/۲۱/۲۲ رمئی کو ایک سیمینار منعقد کر رہے ہیں، اس کے پہلے اجلاس میں باصرار شرکت کی درخواست کی، حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ سفر میرے لیے بہت ہی دشوار ہے، ایک ہفتہ پہلے ہندوستان سے واپسی کے بعد آنا بہت مشکل ہے، لیکن میز بانوں کی محبت وتعلق اور علامہ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا احترام کرتے ہوئے سفر کا ارادہ کرلیا، ۱۹ رمئی کو ڈیڑھ بجے شارجہ سے انڈین ایرلائنس سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہو کر ساڑھے چھ بجے لکھنؤ ایر پورٹ پہونچے، وہاں مولانا ابوثاقب ندوی، مولانا محمد رافع ندوی اور حضرت مولانا کے پوتے محمد علی اور راقم السطور

کے علاوہ مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے چند آدمیوں کو گاڑی لے کر لکھنؤ ایرپورٹ بھیجا، ان کا اصرار تھا کہ آپ کے قیام کا نظم ہوٹل میں کیا گیا ہے وہیں قیام فرمائیں، لیکن حضرت مولانا نے اس سے معذرت کر لی اور ندوۃ العلماء میں قیام کا فیصلہ فرمایا، ایرپورٹ سے دارالعلوم فرنگی محل حاضری ہوئی، وہاں ملاقات کر کے ندوۃ العلماء واپسی ہوئی، مہتمم صاحب و دیگر حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، دوسرے دن بروز جمعہ عصر کی نماز کے بعد مہتم ندوۃ العلماء کے ہمراہ دارالعلوم فرنگی محل حاضری ہوئی، وہاں مغرب کی نماز ادا کی گئی، اسٹیج بہت قرینہ سے سجایا گیا تھا، افتتاحی جلسے کا آغاز ہوا، تلاوت قرآن پاک کے بعد مولانا خالد رشید فرنگی محلی نے ترحیبی کلمات پیش کئے اور ان کے بڑے بھائی جناب طارق رشید صاحب نے علمائے فرنگی محل کا مختصر تعارف کرایا، اس کے بعد جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے عالمانہ فاضلانہ کلیدی خطبہ پیش کیا، اس کے علاوہ مختلف علمائے کرام نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، جلسہ بڑا پرکشش و علمی بن گیا۔

حضرت مولانا نے اپنے بیان میں حمد وثنا کے بعد إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس قرآن کی حفاظت کے لئے ہر صدی میں علماء واشخاص پیدا ہوتے رہے ہیں جو دین کی پاسبانی کرتے رہے، نیز یہ دین اپنے اندر خود طاقت رکھتا ہے کہ کسی تغیر وتبدل کو برداشت نہیں کرسکتا،'' إن اللہ عز وجل یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مأة من یجدد لها دینها'' اللہ تعالی ہر صدی میں کسی ایک شخص یا پوری جماعت کو دین کی حفاظت و پاسبانی کے لیے پیدا کرتا رہے گا، یہ مجددین و مصلحین کا سلسلہ تا قیامت قائم رہے گا، ہر صدی کے شروع

میں مجددین کی جماعت پیدا ہوتی رہے گی، حضورﷺ کا ارشادگرامی ہے "لاتزال طائفةمن أمتى منصورين لايضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة "ہر زمانے میں ایک جماعت دین کو قائم کرنے والی موجود رہے گی، لوگوں کے بے یارومددگار چھوڑ دینے سے اثر نہیں پڑے گا، یہاں تک کہ دین کے مزاج میں سو سال گزرنے کے بعد مزاجوں میں تبدیلی آسکتی ہے لیکن اسلام اپنے مزاج وکیفیات کے ساتھ باقی رہے گا، ارشادگرامی ہے:"إنمامثل أمتى مثل الغيث لا يدرى آخره خير أم أوله" میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، اس امت میں شروع سے لے کر اخیر تک خیریت ونافعیت باقی رہے گی، بلاشبہ "الفضل للمتقدمين" اس نافعیت میں درجات ہیں، ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو اپنے زمانے کے مجدد تھے ان کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے شاگردوں نے ان کے کارناموں اور روایات کو پوری قوت کے ساتھ باقی رکھا، ان کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ اور پوری جماعت نے ان کے علوم وروایات وخصوصیات کو باقی رکھا اور بعد والوں کو منتقل کرتے رہے، یہاں تک کہ تیسرے دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، علامہ عبدالحی لکھنویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہم پوری جماعت مجددین ومصلحین کی جماعت ہے، جو انہیں علوم کی حامل رہی جو شاہ ولی اللہؒ کے اخلاف تک ان کے علوم کو منتقل کرتی رہی، ان اخلاف نے اپنے سلف کی روایات کو باقی رکھا اور اپنے بعد والوں اور وہ اپنے بعد والوں تک منتقل فرماتے رہے، اس میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فیض سے بھرپور مستفیض

ہوئے، ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ بیک واسطہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد ہیں، ان کے والد صاحبؒ علم وذکر میں ولی اللّٰہی روایات کے حامل تھے، انہوں نے اپنے صاحبزادے کی طرف علم وذکر دونوں کو منتقل کیا، ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ عبدالحیؒ کو تدریس وتالیف دونوں کا شوق وذوق غالب تھا، عمر ۳۹؍سال وچند ماہ پائی، اس قلیل مدت میں بعض کی تحقیق کے مطابق ۱۱۰؍یا ۱۱۵؍کتابیں تالیف کیں، میرے لڑکے ڈاکٹر ولی الدین ندوی نے ”الإمام عبد الحي اللكهنوي وجهوده في علم الحديث“ کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی اور مفصل مقالہ لکھا، وہ تمام مکتبات کی چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہونچے کہ علامہ کی تالیفات کی تعداد ۱۲۰؍ ہے، ان میں اکثر ”مرکز ابوالحسن ندوی“ مظفرپور اعظم گڑھ میں موجود ہیں، علامہ عبدالحی مؤید من اللہ اور موفق من اللہ تھے، ان کے والد بزرگوار کی دعائیں ان کے شامل حال رہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے جس طرح ان کا اکرام فرمایا اور جس طرح دعائیں دیں، بلاشبہ وہ دعائیں عنداللہ مقبول ہوئیں جن کا مظہر علامہ عبدالحی کی ذات گرامی اور ان کی تالیفات ہیں۔

می نہ روید تخم دل از آب وگل　　　بے نگاہ از خداوندان دل

بے شک ضرورت تھی کہ علماء فرنگی محل وعلامہ عبدالحیؒ پر سیمینار منعقد کیا جائے تاکہ ان کے علوم کو مرتب وزندہ کیا جا سکے، اس پر یہ ناچیز مولانا خالد رشید فرنگی محلی، ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی (مرحوم)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ان کے رفقائے کار، شہر کے حاضرین اور مقالہ نگاروں کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ انہیں کی عنایات وتوجہات سے فکر ونظر کی یہ محفل سجائی گئی اور دعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے، فرنگی محل کی علمی خدمات میں تسلسل قائم رہے اور اس جگہ کو علمی وفکری خدمات کا بہترین مرکز بنادے، اس سلسلہ میں جو علمی تعاون ہوگا وہ کیا جائے گا۔

اخیر میں دو تجویزیں پیش ہیں امید کہ قابل توجہ سمجھی جائیں گی۔

(۱) علامہ عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جو کتابیں اس وقت نادرالوجود ہیں اور شائع نہیں ہوسکی ہیں ان کی طباعت واشاعت کا انتظام کیا جائے۔

(۲) ان کی مؤلفات میں "السعاية في كشف مافي شرح الوقاية" جس کو حضرت علامہ نے بہت ہی اہتمام سے شروع فرمایا تھا اور اللہ سے دعا مانگی تھی اے اللہ جس طرح ابتدا کی توفیق عطا فرمائی انتہا کی بھی توفیق عطا فرما، لیکن "فصل في القراءة" میں "فروع مهمة متعلقة بالقراءة في الصلاة" تک پہونچ سکی تھی کہ حضرت علامہ اس دار فانی سے رخصت ہوگئے، بلاشبہ ان کی سب سے بڑی اور جامع تصنیف یہی ہے، اگر یہ پوری ہوگئی ہوتی تو ان کتابوں میں جگہ پاتی جو ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل کے بیان میں انفرادی شان رکھتی ہیں، جیسے "الاستذکار" اور "التمهيد"، یہ دونوں کتابیں حافظ المغرب ابوعمر ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ کی تصنیف ہیں، اسی طرح حافظ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ کی "المغنی" اور حافظ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کی "البناية شرح الهداية" ہیں، اس کتاب کا تکملہ علمائے ہند پر قرض ہے، حضرت علامہ نے سعایہ کے مقدمہ میں اپنی تالیف کا منہج پوری تفصیل سے بیان کردیا ہے، اگر اس منہج کو سامنے رکھ کر علماء وفقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دے دی جائے جو اس کام کو بحسن خوبی انجام تک پہونچادے تو امت اسلامیہ پر

بہت بڑا کرم ہوگا، جس طرح مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" کا تکملہ تحریر فرمایا ہے، اگر چہ اصل اور تکملہ میں بیّن فرق ہے لیکن پوری کتاب سے استفادہ کی راہ ہموار ہوگئی ہے، اس سے حضرت علامہ کی روح مبارک خوش ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان خدمت انجام دینے والوں کو اجر عظیم کا حقدار بنادے گا اور ان کی یہ یادگار تا قیامت باقی رہے گی"۔

اس کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی امام عیدگاہ عیش باغ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب کو "فخر المتأخرین علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی ایوارڈ" تفویض فرمائیں، جس کو ان حضرات کے شکریہ کے ساتھ حضرت مولانا نے قبول فرمایا، اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی، اور کھانے سے فارغ ہوکر حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ ندوۃ العلماء واپسی ہوئی۔

دوسرے دن مقالات کی مجلس تھی، صبح کی نشست کی صدارت حضرت مولانا نے فرمائی، یہ پروگرام ساڑھے نو بجے سے شروع ہوا، اس میں کل ۶/ مقالات پیش کئے گئے، سوا گیارہ بجے مقالات کا سلسلہ ختم ہوا، اخیر میں حضرت مولانا نے مندرجہ ذیل باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

(۱) جب کوئی مقالہ علمی شخصیت پر ہو تو اس کی مؤلفات کی طرف نشاندہی ضروری ہے، اگر وہ طبع شدہ ہوں تو ان کا پتہ ظاہر کیا جائے اور اگر مخطوطہ ہو تو ان کے بارے میں بھی معلومات پیش کی جائیں۔

(۲) مقالات کا مجموعہ شائع کیا جائے تو اس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو مکررات کو حذف کردے، جو مقالات علمی وتحقیقی امتیاز کے حامل ہوں انہیں کو شائع

کیا جائے، امید کہ ان باتوں پر توجہ دی جائے گی۔

اس وقت عالم عربی میں سیمینار کا دستور ہے کہ ان مقالات کو سیمینار سے چند ماہ قبل منگوا لئے جاتے ہیں کہ کون مقالہ سیمینار میں پڑھا جائے اور کون نہ پڑھا جائے، جو مقالات پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں انہیں حضرات کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، یہاں یہ صورت تو ممکن نہیں لیکن شائع کرنے میں ان اصول کو اختیار کرنا ممکن ہے، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔

جلسے کے اختتام کے بعد مولانا خالد رشید صاحب وطارق رشید صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب وغیرہ سے رخصت ہوکر ندوۃ العلماء واپسی ہوئی، دوپہر کا کھانا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ تناول کیا گیا، شام کو بہت سے علماء وطلبہ سے ملاقاتیں ہوئیں، علماء میں خاص طور سے مفتی محمد ظہور صاحب ندوی، مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی بھٹکلی اور مولانا ابوالبقا ندوی صاحب قابل ذکر ہیں۔

بھٹکل، لکھنؤ، مرادآباد اور رائے بریلی

کا

ایک علمی تاریخی سفر

بقلم: فریدالدین ندوی

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی اپنی تاسیس کے پچاس سالہ جشن میں شرکت کے لیے دادا جان کے نام وہاں کے جنرل سکریٹری مولانا محمد الیاس صاحب ندوی (بھٹکلی) کا دعوت نامہ موصول ہوا، اور ٹیلیفون پر بھی انہوں نے شرکت کی دعوت دی اس لیے دادا جان نے ۱۹/مارچ کو دبی طیران الامارات سے روانہ ہوکر ممبئی ہوتے ہوئے ساڑھے بارہ بجے منگلور ایرپورٹ پہنچے، وہاں ہمارا استقبال کیا گیا اور ہم لوگ منگلور سے بھٹکل کے لیے روانہ ہوئے، اس جہاز میں اور بھی خصوصی مہمان شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے، وہاں سے ہم لوگ روانہ ہوکر تین گھنٹہ میں بھٹکل پہنچے، وہاں مولانا الیاس صاحب ندوی اور دیگر عمائدین جن میں سعید بھائی نوائط، حمید بھائی، مظفر کولا صاحب، محتشم عبدالباری صاحب اور مولانا منیری صاحب کے علاوہ دیگر حضرات سے ملاقات کے بعد وہاں آئے ہوئے مہمان علماء ومشائخ سے ملاقات کا سلسلہ رہا۔

حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی پر سیمینار:

مولانا مجیب اللہ ندوی کی خدمات اور کارناموں پر ان کے بڑے صاحبزادے جناب ڈاکٹر عبداللہ عمار صاحب نے ایک سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا تھا، صدارت کے لیے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہٗ کا اور مہمان خصوصی کے طور پر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب مدظلہٗ کا نام تھا، حضرت مولانا مدظلہٗ وقت پر تشریف نہ لا سکے اس لیے داداجان کو صدر جلسہ مقرر کرنے پر اصرار کیا گیا مگر انہوں نے اپنی علالت کی وجہ سے معذرت کی، البتہ جلسہ کی پہلی نشست میں شرکت فرمائی اور حضرت مولانا مجیب اللہ صاحبؒ کی شخصیت وکارنامے اور ان کے قائم کردہ ادارہ ''جامعۃ الرشاد'' پر ایک تعارفی تقریر کی اور اس کی بقا اور ترقی کی دعا پر اپنی گفتگو ختم فرما کر طبیعت کے ناساز ہونے کی بنیاد پر واپس چلے آئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں شرکت:

داداجان ۱۳/۳/۲۰۱۲ء کو اپنی گاڑی سے ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر دس بجے دن میں لکھنؤ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں مدرسہ سیدنا عمر فاروق سلطان پور کے مہتمم مولانا محمد سہیل ندوی صاحب نے دوپہر کے کھانے نظم کیا تھا اس لیے ان کے مدرسہ میں دوپہر کا کھانا تناول کر کے آرام کیا گیا اور وہاں سے لکھنؤ کے لیے روانگی ہوئی، مغرب کے قریب دارالعلوم ندوۃ العلماء پہنچے، وہاں حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم اور دیگر اکابر سے سلام ومصافحہ ہوا، دوسرے دن مجلس شوریٰ میں شرکت کے بعد شام کو گیارہ بجے کی ٹرین سے مرادآباد کے لیے روانگی ہوئی، روانگی سے پہلے عشاء کے بعد جناب مولانا خالد فرنگی محلی صاحب داداجان کی

جائے قیام پر تشریف لائے اور دوسرے دن کے لیے دعوت دی لیکن سفر کی وجہ سے معذرت کی گئی، البتہ فرنگی محل کے مدرسہ کی تعلیم وترقی کے لیے گفتگو کے دوران داداجان نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اوران کے ساتھ تعاون کا ارادہ فرمایا۔

ہم لوگ لکھنؤ سے روانہ ہوکر علی الصباح مرادآباد پہنچ گئے، وہاں مولانا نظار الاسلام ندوی نے استقبال کیا، حکیم شعیب اختر صاحب کے یہاں امروہہ حاضر ہوئے، حکیم صاحب نے بہت ہی اہتمام سے دوائیں تیار کرائیں اور پُر تکلف دعوت کی، داداجان نے ان کو دعائیں دیں۔

مدرسہ شاہی مرادآباد کی زیارت:

وہاں سے ہم لوگ حسب پروگرام مدرسہ شاہی پہنچے، مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب کو اطلاع کردی گئی تھی، نیز حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کو نظام بتادیا گیا تھا اس لیے انہوں نے بھی دوپہر کے کھانے کا نظم فرمایا تھا، راستہ میں گاڑی کے خراب ہونے سے ہم لوگ وہاں تاخیر سے پہنچے، داداجان راستہ میں بار بار یہ فرماتے رہے کہ مدرسہ شاہی ہمارے اکابر کی یادگار ہے، وہ اپنے ساتھ بہت زبردست تاریخ رکھتا ہے، اس کے قصے بھی سنائے، بہرحال کھانے سے فراغت کے بعد ہم لوگوں نے عصر تک آرام کیا، عصر کے بعد حضرت مہتمم مولانا اشہد رشیدی صاحب اور مفتی محمد سلمان صاحب اور دیگر مدرسین تشریف لائے، ان حضرات سے بہت ہی اچھی علمی گفتگو رہی، مغرب کی نماز کے بعد مسجد ہی میں حضرت مہتمم صاحب نے بیان کا اعلان فرمایا اور مولانا مفتی محمد سلمان صاحب نے داداجان کے علمی وحدیثی کاموں کا تعارف کرایا، اس کے بعد داداجان نے مختصر بیان کیا،

دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم اورمدرسہ شاہی اور دیگر مدارس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ہمارے ان مدارس سے ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نیابت فکری واصلاحی بھی کی، اور علمی وتحقیقی اورتدریسی بھی کی، ان کی بعض بعض تحقیقات متقدمین محدثین کے یہاں بھی نہیں ملتیں اور یہ باتیں چالیس سال عرب ممالک وامارات کے قیام کی روشنی میں عرض کررہاہوں۔

ان علماء کے کارناموں اور تحقیقات کا اعتراف مصر، شام، سعودیہ عربیہ، امارات وغیرہ کے علماء کو بھی ہے، ان کی تحقیقات کی بعض مثالیں بھی اپنی تقریر میں پیش کیں، طلبہ کو مخاطب کرکے فرمایا، اس وقت یہ نیت کریں کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم میں اپنی روشنی کو پھیلائیں، زمانہ کا شکوہ بیجا ہے، آج بھی آپ کی باتیں سننے کے لیے پوری دنیا تیار ہے ؎

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ　　　تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ہماری روانگی سے پہلے جناب مولانا مفتی محمد سلمان صاحب نے اپنی اکثر کتابوں کو ہدیہ کیا اور بھی بعض علماء نے ہدیہ میں کتابیں پیش کیں جن میں خاص طور سے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب دادا جان کی جائے قیام پرتشریف لائے اور بہت ہی علمی گفتگو رہی، انہوں نے اپنی کتابوں کو ہدیہ کیا، اوران کی کتاب فتاوی تاتار خانیہ کا بھی ذکر کیا، دادا جان نے فرمایا کہ یہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ ایک بڑا عظیم کارنامہ ہے، اللہ کرے کہ یہ کتاب پورے عالم میں عام ہو۔

اس کے بعد مرادآباد سے صبح کی ٹرین سے واپسی ہوئی اور فجر سے پہلے ندوہ پہنچے، اس کے بعد رائے بریلی حاضر ہوئے، وہاں حضرت مولانا محمد واضح صاحب کے

پوتے کے ولیمہ میں شرکت ہوئی اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور دیگر اکابر کے مقبرے پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کیا اور وہاں سے اپنے وطن مظفر پور ۹/ بجے شب میں واپسی ہوئی۔

ایک یادگار علمی ودعوتی سفر

بقلم: فریدالدین ندوی

داداجان حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ العالی (أطال الله حياته ومتعنا ببقائه) نے ۹/جون کو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ سے اورنگ آباد (مہاراشٹر) کا سفر فرمایا، یہ سفر لکھنؤ، ممبئی، پونا، اورنگ آباد، خلدآباد جیسے اہم تاریخی مقامات پر مشتمل تھا۔

محترم داداجان مدظلہٗ حسب نظام ۹/جون کو اپنے وطن اعظم گڑھ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لیے روانہ ہوئے جہاں انہیں طلبہ حدیث کو بخاری شریف کا آخری درس دینا تھا، ابھی سلطان پور کے قریب ہی پہنچے تھے کہ یہ اطلاع ملی کہ داداجان کے چچا (بمنزلہ والد بزرگوار) کا اچانک انتقال ہوگیا، جو عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور عرصہ سے علیل چل رہے تھے، چنانچہ راستے سے فوراً واپسی ہوگئی اور سارا نظام لکھنؤ کا بدل گیا۔

دوسرے دن ۱۰/جون کو نماز جنازہ وتدفین ہوئی اس لیے کہ داداجان کے چچا زاد بھائی زبیر احمد صاحب کو ابوظبی سے آکر اس میں شرکت کرنا تھا، انہوں نے اوران کی بیوی بچوں نے مرحوم کی بہت خدمت کی تھی، جنازہ میں بہت بڑا مجمع تھا، نماز جنازہ دادا جان نے پڑھائی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، إنالله وإنا إليه راجعون.

پروگرام کے مطابق ۱۱ر جون کی صبح کو سفر ہوا، دوپہر میں دارالعلوم ندوۃ العلماء پہونچے اور کھانا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ کے دسترخوان پر تناول فرمایا جو داداجان کے شدت سے منتظر تھے۔

۱۲ر جون کو ساڑھے ۱۰ر بجے دارالعلوم میں بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور ایک مفصل تقریر فرمائی جس میں طلبہ کی بڑی تعداد شریک تھی، مغرب کے بعد جناب مولانا خالد رشید فرنگی محلی صاحب تعزیت وملاقات کے لیے دارالعلوم تشریف لائے اور دیر تک داداجان سے گفتگو فرمائی۔

۱۳ر جون کو لکھنؤ سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ممبئی کے لیے روانگی ہوئی، ممبئی ایرپورٹ پر چچاجان ڈاکٹر صفی الدین صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔

۱۶ر جون کو ممبئی سے پونا جانا ہوا، جہاں ہمارے عزیز ڈاکٹر شفاعت مرزا صاحب کے اہل خانہ کی زیارت وملاقات مقصود تھی لیکن جمعہ کی نماز سے پہلے وہاں کی جامع مسجد میں آدھے گھنٹہ محاسبہ نفس کے عنوان سے بہت ہی مفصل بیان ہوا، جامع مسجد حاضرین سے کھچاکھچ بھری ہوئی تھی، پونا سے واپسی پر خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کی دعوت پر جس کو داداجان بہت پہلے منظور فرما چکے تھے اورنگ آباد کا سفر ہوا، اس کے لیے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب خود ممبئی تشریف لائے، اور ممبئی سے داداجان، چچاجان، اور اس ناچیز سب کا سفر ہوائی جہاز سے طے کر رکھا تھا اس لیے وہ اپنے ہمراہ ہم لوگوں کو لے کر اورنگ آباد ایرپورٹ پر ۴ر بجے دن میں پہونچے، وہاں علماء اور عمائدین نے ہمارا استقبال کیا اور داداجان نے دعا کرائی، یہ وہی اورنگ آباد ہے جس کی سرزمین میں عالمگیرؒ کے جاہ وجلال اور فضل وکمال کا عظیم

سرمایہ دفن ہے، یہاں کی پن چکی، مسجدیں، مزارات، قلعے، فصیلیں ایک ایک چیز میں ماضی کی بے پناہ عظمت پیوست ہے۔

اورنگ آباد سے چل کر ہم لوگ مرہٹواڑہ زون ہی میں مولانا وستانوی صاحب کی نگرانی میں ایک میڈیکل کالج کے تعمیری کاموں کا جائزہ لیا اور ان کے اس عظیم الشان کام پر جس کو انھوں نے انجام دیا ہے بہت دعائیں دیں، اور وہاں کے مدرسہ ابوہریرہؓ کی عالیشان مسجد میں ریاض الصالحین ختم کرائی اور شعبۂ تحفیظ القرآن کے فارغ التحصیل طلبہ جن کی تعداد ۴۰ تھی ان کے حفظ قرآن کی تکمیل کر کے دعا فرمائی، لیکن ریاض الصالحین کی مناسبت سے بڑی اہم تقریر فرمائی، حضرت شیخ الاسلام امام نوویؒ، ان کے حالات زندگی اور ریاض الصالحین کی اہمیت اور اس کی حدیثوں سے زندگی میں خوشگوار تبدیلی پر بہت پُرمغز درس سے مستفید فرمایا۔

مغرب کی نماز کے بعد وہاں سے ہمارا قافلہ موضع رنجنی کے مدرسہ منہاج العلوم پہنچا جو جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کی ایک بڑی شاخ ہے، اس میں تکمیل حفظ قرآن اور مشکوۃ شریف کی مناسبت سے ایک بڑا جلسہ منعقد کیا گیا تھا، مدرسہ کے ذمہ داروں نے حضرت داداجان کا پھولوں سے اور رومالوں سے پُرخلوص استقبال کیا، معلوم ہوا کہ اس ادارے کے تحت ڈیڑھ سو مکاتب چل رہے ہیں، اس میں مدرسہ مریم للبنات کی طالبات نے قرآن مجید کو اپنے ہاتھوں سے موجودہ رسم الخط میں پیش کیا جو ایک غیر معمولی چیز تھی۔

مشکوۃ شریف کی تقریر بھی بہت اہم اور علمی تقریر تھی جس میں مشکوۃ اور اس کے مؤلف کے مقام ومرتبہ کے علاوہ شروع کتاب سے اخیر کتاب تک کی مناسبت،

خصوصاً آخری باب ''بابُ ثواب هذه الأمة'' اوراس کی آخری حدیث عن بھز بن حکیم عن أبیه عن جده أنه سمع رسول الله ﷺ یقول في قوله تعالیٰ: کنتم خیر أمة أخرجت للناس، قال: ''أنتم تتمون سبعین أمة، أنتم خیرها وأکرمها علی الله تعالیٰ'' پر بہت ہی عالمانہ ومحققانہ کلام فرمایا۔

وہاں سے ہم لوگ رات ہی میں عنبر پہنچے اور حضرت مولانا وستانوی مدظلہ کے صاحبزادے مولانا محمد سعید وستانوی کے مکان پر قیام رہا، جس سے دادا جان کو بڑی راحت ملی۔

فجر کے بعد وہاں کی بڑی مسجد میں ذکر کی مناسبت سے ایک بڑا مجمع موجود تھا دادا جان نماز کے بعد مختصر بیان فرما کر اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے اور مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا مفصل بیان ہوا۔

وہاں سے ہم لوگ ناشتہ کے بعد ختم بخاری شریف کی تقریب میں شرکت کے لیے مدرسہ عمر بن الخطابؓ کنجکھیڑا کے لیے روانہ ہوئے اور راستے میں خلد آباد میں خلد آشیاں حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے مزار پر حاضر ہوئے جو ماضی کی یاد تازہ کر رہا تھا، شہنشاہ ہند عالمگیرؒ کے مزار پر حاضری کے وقت ایسا اطمینان وسکون محسوس ہو رہا تھا جو کسی اللہ والے کی مجلس میں کسی جویائے حق کو حاصل ہوتا ہے، اس عظیم تر شہنشاہ کا ذکر ہندوستانی مصنفین کے علاوہ شام کے زبردست عالم اور مصنف علامہ فضل اللہ محبی نے اپنی کتاب '' خلاصة الأثر في أعیان القرن الثاني عشر'' میں بہت والہانہ طور پر کیا ہے، درمیان میں تھوڑی دیر کے لیے مدرسہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) للبنات میں قیام رہا، وہاں کی بچیوں کا نظام تعلیم وتربیت دیکھ کر دادا جان بہت

متأثر ومسرور ہوئے اورلوگوں کی فرمائش پر دعا کرائی۔

بخاری شریف کی تقریب تقریباً ۱۲/ بجے شروع ہوئی، اس تقریب میں دوردراز سے علماء اور فضلاء کی بڑی تعداد شریک ہوئی، مالیگاؤں اوراس کے اطراف کے علماء وفضلاء بھی اس میں شریک ہوئے اور داداجان سے اجازت حدیث حاصل کی، حاضرین کا ایسا ہجوم تھا کہ دعا کے بعد داداجان کو مجمع سے نکلنے میں آدھے گھنٹے لگ گئے، یہاں پر دعا کرانے والوں کا بڑا مجمع تھا، ان لوگوں کی محبت اور دین داری سے داداجان پر عجیب وغریب اثر ہوا، وہاں سے کھانے سے فارغ ہوکر ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے، مالیگاؤں کے احباب کے شدید اصرار پر آئندہ کے لیے ان کی دعوت قبول فرمالی۔

اسی طرح مولانا ریاض الدین صاحب ندوی مہتمم مدرسہ کاشف العلوم اورنگ آباد کا بھی ختم بخاری شریف کے لیے شدید اصرار رہا، چنانچہ آئندہ کے لیے ان سب سے داداجان نے حاضری کا وعدہ کیا۔

وہاں سے ہم لوگ ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ میں شاہ جہاں پور میں مدرسۃ البنات کے سنگ بنیاد کی مناسبت سے عوام کا زبردست مجمع تھا، ان لوگوں کی خواہش وفرمائش پر داداجان نے توکل اور اخلاص کے موضوع پر مختصر بیان سے مستفید فرمایا، اس کے بعد سنگِ بنیاد داداجان کے ہاتھوں رکھا گیا، معلوم ہوا کہ مولانا وستانوی صاحب کی اپیل پر بہت بڑی رقم اس مدرسہ کی تعمیر کے لیے اکٹھا کی گئی ہے اور انہیں کو اس مدرسہ کا سرپرست بنایا گیا ہے، داداجان کے استقبال وملاقات کے لیے ایک لمبی قطار تھی وہاں سے ہم لوگ ایرپورٹ پہنچے۔

۱۸؍جون کی شام کو ہم لوگ دہلی آگئے اور ۱۹؍جون کو فجر کی نماز کے بعد مرکز نظام الدین میں جناب مولانا محمد زبیر الحسن صاحب اور جناب مولانا احمد لاٹ صاحب سے ملاقات ہوئی، ۱۱؍بجے حسب پروگرام سعودی سفیر دکتور محمد سعود الساطی کی رہائش پر جانا ہوا، وہاں ان سے سعودیہ عربیہ کے ولی عہد اور وزیر داخلہ امیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود کی تعزیت پیش کی اور وہاں معائنہ رجسٹر میں اپنے تأثرات تحریر فرمائے۔

اس کے بعد داداجان کا پروگرام مشائخ وصلحاء کے مزارات کی زیارت کرنا تھا، سب سے پہلے مہدیان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اوران کے خانوادوں کے مقبروں پر حاضری دے کر ایصال ثواب کیا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے علمی کاموں کو قبول فرما، خاص طور سے ''ازالۃ الخفاء'' کی تکمیل کے لیے دعا فرمائی جو عنقریب داداجان کی تحقیق سے شائع ہونے والی ہے، اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ متوفی ۱۰۵۲ھ کے مزار پر حاضری دی اور ایصال ثواب کے بعد دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مایۂ ناز تصنیف ''لمعات التنقیح شرح مشکاۃ المصابیح'' کی طباعت واشاعت کو آسان فرمائے، یہ کتاب بھی داداجان کی تحقیق وتعلیق سے شائع ہونے والی ہے، وہاں سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بڑے خلفاء ہیں، یہاں سے فارغ ہوکر ہم لوگ اپنی قیام گاہ واپس ہوئے اور شام کو بذریعہ ہوائی جہاز بنارس ہوکر اپنے وطن مظفر پور اعظم گڑھ پہنچے، **فللّٰه الحمد علی کل حال.**

مدرسہ مظاہر علوم و دارالعلوم دیوبند

کی

ایک اور زیارت

بقلم: صلاح الدین ندوی پرتاپ گڑھی

سرپرست جامعہ اسلامیہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہٗ کا تعلق مظاہر علوم سہارنپور سے قدیم بھی ہے اور مستحکم بھی، حضرت مولانا اس کے فیض یافتہ ہیں اور اس کی شوریٰ کے رکن بھی، اس مختلف الجہات تعلق کے باعث وہاں کے اسفار برابر ہوتے رہے، لیکن ادھر عرصہ سے کثرت مشاغل کی وجہ سے سہارنپور کا سفر نہ ہوسکا اور نہ اس کی مجلس شوریٰ میں شرکت فرماسکے تھے، مظاہر علوم کے ذمہ داروں کو بھی اس کا شدت سے احساس تھا، حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہٗ کا بطور خاص مسلسل اصرار تھا کہ حضرت مولانا سہارنپور تشریف لے آئیں، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم مظاہر علوم اور حضرت مولانا محمد شاہد صاحب امین عام مظاہر علوم کی طرف سے بھی تقاضے ہوتے رہے، ان بزرگوں کے اصرار اور تقاضے سے حضرت مولانا نے سفر کا موقع نکالا اور سہارنپور کا سفر فرمایا۔

سہولت کے پیش نظر رفیق مکرم جناب مولوی ابوثاقب صاحب ندوی ایک روز قبل ۲۳ر ستمبر سنیچر کو دہلی پہنچ گئے تھے، احقر، حضرت مولانا کے ہمراہ رہا۔

۲۴ر ستمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار لکھنؤ پہونچے اور وہاں سے بذریعہ طیارہ دہلی روانہ ہوئے، اور دہلی سے شتابدی اکسپریس سے سہارنپور کا سفر ہوا، تقریباً ۱۰ر بجے ٹرین سہارنپور اسٹیشن پہنچی، مولانا معاذ احمد کاندھلوی ندوی اور مولانا محمد عثمان مظاہری اسٹیشن آئے اور اپنے ہمراہ مظاہر علوم کے مہمان خانہ لے گئے جہاں حضرت مولانا محمد سلمان صاحب اور مولانا محمد شاہد صاحب نے پُر تپاک استقبال کیا، دوپہر کا کھانا حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے دولت کدہ پر ہوا، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عصر سے قبل حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم ملاقات کے لیے مہمان خانہ تشریف لائے، ان سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں، حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہٗ نے حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "**الإمام المحدث الشیخ محمد زکریا الکاندھلوي ومآثرہ العلمیة**"، پیش کی، جو کچھ روز پہلے بیروت سے طبع ہوکر آئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہٗ کو برابر یہ خیال رہا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی سوانح مرتب کریں کہ موصوف، حضرت شیخ کے تلمیذ خاص بھی ہیں اور مرید باصفا بھی، صاحب درس بھی ہیں اور صاحب نگارش بھی، حضرت شیخ کے ملفوظات کو انہوں نے مرتب بھی کیا، لیکن حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب کردہ سوانح "**حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ**" حضرت شیخ کے حالات پر ایسی مفصل اور جامع

کتاب تھی جس کے بعد گویا کسی اور سوانح کی ضرورت نہیں، اسی لیے حضرت مولانا نے اسی کو عرب دنیا میں پیش کرنے کا ارادہ کرلیا۔

کتاب اصلاً اردو میں ہے جس کو حضرت مولانا ڈاکٹر ندوی مظاہری دامت برکاتہم کے زیر اشراف، صالح اور باکمال عالم مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی نے عربی میں منتقل کیا ہے اور ترجمہ کا حق ادا کردیا ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے حالات وکمالات پر ایک وقیع اور مفصل تحریر مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب ندوی ناظم جامعہ اسلامیہ کے قلم سے بطور تکملہ شامل ہے، بہرحال حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ نے حضرت مولانا ندوی مدظلہٗ کی جانب سے اس ہدیۂ پُرخلوص پر بڑی مسرت اور قدردانی کا اظہار کیا اور مترجم، ناشر وطابع کو بہت دعائیں دیں، عصر کے بعد حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث اور دوسرے کئی اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔

مغرب کے بعد مسجد میں اساتذہ وطلبہ کے سامنے خطاب ہوا، خطاب سے پہلے مولانا محمد شاہد صاحب زید مجدہٗ نے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب مدظلہٗ کا تعارف پیش کیا، یہ تعارف حضرت مولانا ندوی کے صاحبِ تصانیف ہونے کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے والہانہ تعلق وعقیدت اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اوجز المسالک اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے بلند مرتبت استاذ ومربی حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی بذل المجھود کی فاضلانہ تعلیق وتحقیق اور تصحیح اور اس کی شاندار طباعت کے تعلق سے بہت جنچا تلا اور جامع تعارف تھا، یہ تعارفی کلمات اس طرح تھے:

''**الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ!** مقام مسرت وخوشی بلکہ لائق تشکر و امتنان بات یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان علم وفضل کی ایک مشہور و برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری زادمجدہم تشریف فرما ہیں، جن طلبہ و اساتذہ کرام نے احادیث کی کتابیں پڑھیں ہیں اور احادیث سے ان کا ذوق رہا ہے انہوں نے یقیناً حضرت مولانا کی تصنیف کردہ خاص طور سے فن حدیث پر متعدد کتابیں اور ان پر تعلیقات وتحقیقات وتشریحات دیکھے ہوں گے، خصوصیت کے ساتھ مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی جو تالیفات ہیں ان تالیفات سے حضرت مولانا کی ذات گرامی کو عشق ہے، زندگی کا بڑا حصہ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ پوری زندگی حضرت مولانا نے حضرت شیخ کی تالیفات کی تحقیق وتعلیق، تشریح وتوضیح اور ان کی طباعت واشاعت پر صرف کردی تو یہ کہنا مبالغہ اور بے جا نہ ہوگا، حضرت مولانا کی جس طریقے سے مظاہر علوم علمی تربیت گاہ ہے، ایسے ہی روحانی تربیت گاہ ہے، علوم نبوت چاہے ان کا تعلق علوم درسیہ سے ہو یا علوم روحانیہ سے حضرت مولانا نے مدرسہ مظاہر علوم کی چہار دیواری سے حاصل کئے، اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی تربیت میں اور ہفتہ دو ہفتہ مہینہ دو مہینہ کی بات نہیں ہے سالہا سال اور طویل عرصہ تک حضرت شیخ کی خدمت میں خانقاہی حیثیت سے گزارے، اور ذکر وفکر، سلوک واحسان کی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے مالا مال فرمایا، اس وقت اللہ کا فضل وکرم ہے کہ عالم عرب ہو یا عالم اسلام ہو یا عالم علم وفضل ہو آپ کی تحقیقات جو حضرت کی تصنیفات پر ہیں آج ساری دنیا کے اندر پڑھی جا رہی ہیں، ساری دنیا میں ان کی شہرت وتعارف ہے اور ساری دنیا میں وہ نیک نامی کے ساتھ

پڑھی جا رہی ہیں، اسی طریقے سے عرب ملکوں کے علماء و مشائخ جو حضرت شیخ کی حدیثی خدمات سے واقف ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے حدیث کے میدان میں انہوں نے حضرت شیخ کے علم و تبحر کا اعتراف کیا ہے وہ مولانا ہی کی کاوشوں کا حصہ ہے، الحمدللہ آج چاہے امارات عربیہ ہو یا سعودیہ ہو یا اور دوسرے عرب ممالک ہوں وہاں کے رہنے والے پڑھنے پڑھانے والے علماء و مشائخ سب کے سب حضرت شیخ کے علوم وافکار سے جو واقف ہوئے ہیں اس میں حضرت مولانا کا بڑا گہرا حصہ ہے، بڑا گہرا ہاتھ ہے کہ آپ کے ذریعہ سے علوم شیخ پوری دنیا کے اندر نشر ہوئے، لہذا ایک اعتبار سے مولانا کی شخصیت حضرت شیخ کے علوم کے شارح و ناشر ہونے کے اعتبار سے بھی مضبوط و مستحکم ہے، انہوں نے جامعہ مظاہر علوم کے اندر پڑھا، حضرت شیخ سے کتب حدیث پڑھی، حضرت شیخ کے درس میں شریک رہے اور حضرت شیخ کی تقریریں اور حضرت شیخ کے علمی افادات و علمی تحقیقات مکمل کی اور سب سے پہلے جو بسم اللہ ہوئی ہے وہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی تالیف بذل المجہود پر حضرت شیخ نے جو حواشی تحریر فرما رکھے تھے ان کی تحقیق و تعلیق ان پر نظر ثانی ان کو دوبارہ مرتب کرنا پھر ان کی طباعت و اشاعت کے لئے اس زمانے میں آج سے چالیس سال پہلے ملک مصر میں جانا اور وہاں کی صعوبتیں برداشت کرنا وہاں کی گرمی و سردی کو دیکھنا یہ ساری چیزیں قربانیوں کی حد تک اور مجاہدات کی حد تک حضرت مولانا نے برداشت کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت شیخ کی نگاہ میں منظور اور محبوب بنتے چلے گئے اور آخر تک الحمدللہ وہ تعلق نہ صرف باقی اور قائم رہا بلکہ ہر آن اس تعلق میں اس محبت میں اس مودت میں اس قربت میں اضافہ ہوتا رہا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام خدمات قبول

فرمائیں اور آج تک اس گھڑی اور اس لمحے تک حضرت مولانا کے قدم علم حدیث کے لئے اٹھتے ہیں، حضرت مولانا کا قلم علم حدیث کے لیے چلتا ہے، حضرت مولانا کا دل و دماغ علم حدیث کی تحقیق وتشریح اور اس کی تشہیر کے لیے چلتا ہے، اللہ جل شانہٗ وعم نوالہ حضرت مولانا کے فیوض کو عام فرمائے اور تام فرمائے اور جتنی کتابیں آج تک آپ کے قلم سے وجود میں آ چکی ان سب کو قبولیت عطا فرمائے، میرا اندازہ یہ ہے کہ آج ہم دنیا کے کسی بھی ملک میں چلے جائیں، چاہے وہ عرب کے ملک ہوں یا یورپ کے ملک ہوں چاہے افریقہ کے ملک ہوں، مولانا کی تصنیفات یا مولانا کی علمی تحقیقات ہر ملک میں کہیں نہ کہیں آپ کو دیکھنے کے لئے پڑھنے کے لیے مل جائیں گی اور ہر جگہ مولانا کے واقفین مولانا کے محبین مولانا سے حسن عقیدت رکھنے والے مل جائیں گے ؎

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اللہ تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ حضرت مولانا یہاں تشریف لائے، جامعہ مظاہر علوم کے رکن شوریٰ بھی ہیں، متعدد اداروں کے، جامعات کے، علمی اداروں کے، یونیورسٹیوں کے مولانا رکن ہیں، جامعہ مظاہر علوم کی شوریٰ کے رکن رکین ہیں، اس حیثیت سے بھی تشریف لاتے رہتے ہیں، لیکن اس مرتبہ کی جو تشریف آوری ہے وہ خالص مظاہر علوم کو دیکھنے کے لیے، یہاں کے علمی نشاطات سے واقف ہونے کے لئے اور تم بچوں سے ملاقات کرنے کے لیے ہوئی ہے، جب صبح تشریف لائے تو میرا اور مولانا محمد سلمان صاحب کا مشورہ ہوا کہ ایسے سنہرے موقع سے ہم

لوگ بھی فائدہ اٹھائیں اور طلبہ کو بھی شامل کرنا چاہئے اس لیے آپ سب حضرات مولانا کے ارشادات اور فرمودات کو جو گویا پوری زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں جو گویا عملی تجربہ ہیں، ایک تو انسان کا علمی تجربہ ہوتا ہے وہ زیادہ مضبوط و مستحکم نہیں ہوتا لیکن عملی تجربہ انسان کا بڑا مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور عملی تجربے کی بنیاد ٹھوس حقائق اور ٹھوس واقعات پر ہوا کرتی ہے، اس لیے آپ مولانا کے ارشادات وفرمودات ونصائح کو بہت غور سے سنیں اور عمل کی نسبت سے سنیں اور یہ سمجھ کر سنیں کہ آج بھی اللہ کے فضل و کرم سے زندہ چلتے پھرتے کتب خانے موجود ہیں اور ظاہر سی بات ہے کوئی کتب خانہ وجود میں آتا ہے تو علمی شخصیت وجود میں آتی ہے، تو معلوم نہیں کہ زمانے کے لیل و نہار کی کتنی گردشیں اٹھتی ہیں، چلتی ہیں، پھر جا کر رجال کار تیار ہوتے ہیں، شخصیات تیار ہوتی ہیں، شخصیت ایک دن میں تیار نہیں ہوتی، ایک دو قربانیوں سے تیار نہیں ہوتی، شخصیت بننے کے لیے شخصیت سازی کے لیے اور عہد آفرینی کے لیے بڑا پتہ مارنا پڑتا ہے اور بہت جگر کو پانی کرنا پڑتا ہے جب جا کر شخصیتیں شخصیت بنتی ہیں، جب جا کر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی عہد ساز شخصیت کا مالک ہے، دیکھنے میں تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے عہد ساز شخصیت، لیکن غور کیا جائے تو اس ذرا سے جملے کے پیچھے سالہا سال کی قربانیاں سالہا سال کے مجاہدات اور زمانے کی گردشیں اور موسم کے بدلتے ہوئے اطوار اور لیل ونہار اور سردی اور گرمی یہ ساری چیزیں ایک لفظ کے پیچھے سے جھانکتیں ہیں تو اس بات کو غور سے سمجھو اور غور سے سنو مولانا کے جو عملی تجربات وعلمی افادات ہیں ان کو بہت غور کے ساتھ سنو اللہ تعالیٰ شانہ ہم سب کے حق میں مفید فرمائے اور ہم سب کے لیے نافع بنائے''۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے خطاب فرمایا۔

دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کی مجلس ذکر میں حاضری ہوئی، وہیں ناشتہ سے فراغت کے بعد مہمان خانہ واپسی ہوئی، تقریباً ۹؍بجے حضرت مولانا محمد سلمان صاحب اور حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہٗ مہمان خانہ تشریف لائے اور مدرسے کے سلسلے میں بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، کویت کے ایک عالم جو اصلاً دارالعلوم دیوبند آئے ہوئے تھے ان کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ندوی مدرسہ مظاہر علوم تشریف لائے ہیں تو بغرض اجازت حدیث صبح ۱۰؍بجے مظاہر علوم آئے اور اجازت حدیث حاصل کی۔

مظاہر علوم سے دارالعلوم دیوبند کے لیے ساڑھے ۱۰؍بجے روانگی ہوئی، تقریباً ساڑھے ۱۲؍بجے دارالعلوم پہنچے، یہاں مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی زیدمجدہٗ استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث اور دارالعلوم کے طلبہ نے استقبال کیا، دوپہر کا کھانا دارالعلوم کے بلند پایہ عالم ومحدث حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہٗ العالی کے گھر پر ہوا، ظہر کی نماز کے بعد مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہٗ ملاقات کے لیے مہمان خانہ تشریف لائے۔

بعد نماز ظہر حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم کی دعوت پر دارالحدیث میں دورۂ حدیث کے طلبہ کے سامنے تقریباً ۳۵؍منٹ حدیث شریف کے موضوع پر محاضرہ ہوا۔

عصر کی نماز کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم کی طبیعت ناساز ہے، توان کے گھر تشریف لے گئے اور

ملاقات وعیادت فرمائی، مغرب کے بعد مولانا عبداللہ صاحب معروفی کے ہمراہ تخصص فی الحدیث کے طلبہ مہمان خانہ میں ملاقات واستفادہ کے لیے آئے، ان کے درمیان بھی کچھ دیر گفتگو ہوئی، شام کا کھانا حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کے گھر ہوا۔

عشاء کی نماز کے بعد مدنی مسجد میں اعظم گڑھ کے طلبہ نے استقبالیہ دیا، اس موقع سے حضرت مولانا نے ۲۰ رمنٹ طلبہ سے خطاب کیا اور ان کو نصائح عالیہ سے مستفید فرمایا، وہاں سے مہمان خانہ واپسی ہوئی تو حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ ادب عربی ومدیر تحریر مجلّہ ''الداعی'' اور مولانا عارف جمیل صاحب مبارکپوری استاذ دارالعلوم ملاقات کے لیے آئے اور کافی دیر تک ان حضرات سے گفتگو ہوئی، اسی درمیان ایک عالم دین جو لبنان سے دارالعلوم آئے تھے، ان کو معلوم ہوا تو حضرت مولانا سے اجازت حدیث حاصل کی۔

دوسرے دن صبح شالیمار سے دہلی کے لیے رزرویشن تھا، رخصت کرنے کے لیے حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہٗ اور مولانا عبداللہ صاحب معروفی زیدمجدہٗ وغیرہ مہمان خانہ تشریف لائے اور مہمانوں کو رخصت کیا، وقت سے دہلی پہنچے، اور اگلے روز دہلی سے حضرت مولانا ابوظبی کے لیے روانہ ہوگئے۔

پانچواں باب

چند اہم تقاریر

تدوین حدیث اوراس کی حفاظت کے غیبی انتظامات

(دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں کی گئی ایک اہم تقریر)

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہ أجمعین أما بعد:

إنا نحن نزلنا الذکر و إنا لہ لحافظون .

عزیزان طلبہ وعلمائے کرام ! رات بعد نماز عشاء، تقریر سے پہلے جناب مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی نے میرا تعارف کراتے ہوئے یہ کہا کہ یہ ندوۃ العلماء کے جزء ہیں، اس ناچیز کو اس تعارف سے مسرت ہوئی ، یہاں پر میری علمی وتدریسی زندگی کا بہترین زمانہ گذرا ہے، دارالعلوم کو میں اپنا گھر سمجھتا ہوں جس زمانہ میں یہ ناچیز یہاں حدیث شریف کی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا وہ زمانہ درحقیقت ندوۃ العلماء کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز تھا جس میں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ندوۃ العلماء کو ترقی دینا چاہ رہے تھے،اس ناچیز کی چھٹیوں کے اوقات مالیگاؤں ،بمبئی کے دوروں میں صرف ہوتے ، جہاں وہ دارالعلوم کی اعانت وامداد کے لئے کوشاں رہتا، سلیمانیہ ہاسٹل میں بمبئی کے اہل خیر کے ناموں کے کئی کمرے اسی دور کی یادگار ہیں۔

حضرت مولاناؒ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے جو اس ناچیز کا تعلق ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی خواہش تھی اور اس ناچیز کا بھی بار بار ارادہ ہوا کہ کچھ دن یہاں قیام کروں، خود بھی استفادہ کروں اور حدیث شریف کے موضوع

پر جو اس ناچیز کا اختصاص ہے طلبہ کے سامنے کچھ بیان کرسکوں اور تجربات کی روشنی میں کچھ ایسی باتیں پیش کروں جن سے ان کو نفع حاصل ہو، کل بخاری شریف کے درس میں میں نے بخاری شریف سے متعلق باتیں بیان کی تھیں اور آج اس محاضرے میں حدیث شریف کی تدوین اور اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو غیبی انتظامات فرمائے تھے ان کو بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے إن اللّٰه تعالىٰ تكفل بحفظ كتابه، كذلك هو تكفل بحفظ شرحه و بيانه و هو حديث رسول اللّٰه ﷺ، جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا تو اس سے یہ لازم آیا کہ قرآن کی شرح و بیان جو احادیث رسولؐ ہیں ان کی حفاظت کا بھی ذمہ لے لیا ہے، تاریخ اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس زمانے میں اسلام کو جس چیز کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لئے ان حالات میں ایسے رجال پیدا کئے کہ انہوں نے دین کی حفاظت کی، چنانچہ اسلام جب عرب ملکوں سے نکل کر عجم میں داخل ہو رہا تھا، بڑے بڑے صحابہ کرامؓ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، ضرورت تھی کہ قرآن کو بین الدفتین جمع کیا جائے، صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہو رہا تھا کہ اس کام کو کیسے انجام دیا جائے جس کو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں انجام نہیں دیا گیا، قرآن سینوں میں محفوظ ہے اور لکھا ہوا بھی ہے، اس لئے جمع بین الدفتین میں صحابہ کرامؓ کو تردد تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ بات ڈالی اور ان کے اصرار پر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور صحابہ کرامؓ کو شرح صدر ہو گیا اور قرآن جمع کیا گیا، اسی طرح جب ضرورت تھی کہ قرآن کو علی لغۃ قریش جمع کیا جائے کیوں کہ اختلافات شروع ہو چکے تھے اور اسلام عجم کے ملکوں میں پھیل رہا تھا لیکن

صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ابھی کوئی اندیشہ نہیں تھا اگر چہ مستقبل میں اندیشہ ضرور تھا، اس اندیشے کے پیش آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جماعت صحابہؓ کو حضرت عثمان غنیؓ کے اصرار پر علی لغۃ قریش ،قرآن کو جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور وہ نقل کر کے تمام اسلامی ممالک کے مرکزی شہروں میں بھجوا دیا گیا،اسی طرح احادیث مبارکہ کی تدوین بھی عمل میں آئی ، انفرادی طور پر حضور ﷺ کی اجازت کے بعد صحابہ کرامؓ کتابت حدیث کرر ہے تھے،تابعینؒ کے دور میں اس میں عروج ہوا،آپ تدوین حدیث کے سلسلہ میں سن چکے ہوں گے کہ بعض صحابہؓ نے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کیا تھا جیسے صحیفۂ صادقہ وغیرہ،لیکن یہ سب کام انفرادی تھے،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اسلامی حکومتوں میں کہ وہ بھی خلافت راشدہ کا زمانہ ہے رسمی طور پر تدوین حدیث کیوں نہ کرائی گئی جب کہ حدیث مصدر ثانی ہے؟

آج سے ۳۵ سال قبل جناب مولانا وحید الدین خان نے جب وہ ’’الجمعیۃ‘‘ کے ایڈیٹر تھے،اس سلسلے میں کچھ سوالات کئے تھے،انہوں نے لکھا تھا کہ میں نے بہت سے اہل علم کے پاس یہ سوالات بھیجے ہیں لیکن ان کے جوابات سے مجھے تشفی نہیں ہوئی،جو دلائل دیئے جارہے ہیں وہ سب کتابت حدیث پر ہیں،میرا بنیادی سوال یہ ہے کہ جب حدیث مصدر ثانی ہے اور عہد نبوت کے بعد قرآن وحدیث میں التباس کا اندیشہ بھی نہیں تھا تو کیوں نہیں سرکاری پیمانہ پر اس کی تدوین کی گئی؟ بلکہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تدوین کا ارادہ فرمایا اور رائے بدل گئی، ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکومتی پیمانے پر تدوین حدیث کا حکم دیا،تاریخ کا اتنا لمبا فاصلہ کیوں؟ آپ کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کی شرح ہے تو اس کی تدوین کا

کام بہت پہلے ہونا چاہئے ،ان کے سوال کا جواب دینے میں اس ناچیز کو بہت پریشانی ہوئی، میں نے فیض الباری باب کتابة العلم میں علامہ کشمیریؒ کا قول دیکھا جس میں انہوں نے اشارہ کیا ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس کی توضیح کی ہے کہ منشأ الٰہی اور ارادۃ اللہ یہی تھا کہ حدیثیں رسمی طور پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ذریعہ جمع کی جائیں، کیوں کہ اگر ساری احادیث حضورﷺ کے وصال کے بعد جمع کر دی جاتیں تو یا تو متواتر ہوتیں یا مشہور اور اس سے مستنبط ہونے والے احکام یا فرض ہوتے یا واجب، اور شارع علیہ السلام کا منشا یہ تھا کہ احادیث میں اخبار آحاد بھی رہیں اور اخبار آحاد کے درجات حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، حتیٰ کہ حدیث ضعیف مع اپنے سارے درجات کے موجود رہے، مولانا عبد الحئی لکھنویؒ نے ''ظفر الامانی'' میں احادیث ضعیفہ کی ۳۹ر قسمیں لکھی ہیں، میرے ایک شاگرد تھے جامعۃ الامارات میں، ائمہ کے مذاہب پر بڑے ناقد تھے، میں نے ان سے کہا کہ تم مجتہد ہو گئے ہو، معلوم ہے حدیث ضعیف کی ۳۹ قسمیں ہیں، تم ان میں سے پانچ کی تعریف بیان کرو، تو معلوم ہو کہ اجتہاد کی طرف جا رہے ہو، یا اگر تمہارا کوئی ماہر فن استاذ ہو اور احادیث ضعاف کی دس قسمیں بیان کر دے مع امثلہ کے تو پھر میں غور کروں گا کہ وہ اس زمانہ میں امام احمد بننے جا رہے ہیں، ان کو شاید احادیث ضعاف کی قسمیں بھی نہ معلوم ہوں، امام احمد بن حنبلؒ جنھوں نے اپنی کتاب ''مسند'' کو سات لاکھ احادیث سے ۳۰ یا ۴۰ر ہزار احادیث کو منتخب کر کے پیش کیا ہے، انھوں نے اس میں کتنی محنت صرف کی ہوگی اس کے بعد انھوں نے اجتہاد کیا اور اس میں تفقہ پیدا کیا اور امت کو مسائل بتائے ،اور تم اس درجہ کو پہنچ گئے ہو کہ اپنے امام احمدؒ کو چھوڑ کر اجتہاد کا راستہ اختیار کر رہے ہو، میں نے

کہا کہ تقلید کے بغیر چارہ نہیں، یہ جملہ معترضہ تھا۔

میں یہ بیان کرر ہا تھا کہ احادیث کے درمیان یہ درجات قائم رہیں، ان میں احادیث متواترہ بھی ہوں، احادیث متواترہ کی بھی کئی قسمیں ہیں، تواتر باللفظ تو بہت کم ملیں گی اکثر تواتر معنوی سے منقول ہیں، ان سے ثابت ہونے والے احکام یا تو فرض ہیں یا واجب یا سنت مؤکدہ، احکام کے مختلف درجات ہیں، فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، اسی طرح سے حرام، تحریم لذاتہ، تحریم لغیرہ، مکروہ، خلاف اولیٰ، وغیر ذلک، یہ سارے انواع جو فقہاء نے بیان کئے ہیں احادیث ہی سے ماخوذ ہیں اور احادیث کے درجات کے مطابق ہی مستنبط کئے گئے ہیں، إن الدین یسر، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر فضل فرمایا کہ من جانب اللہ یہ حدیثیں اسی طرح باقی رہیں، لیکن جب ضرورت پیش آئی کہ ان کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ متوفی ۱۰۱ھ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حدیث کی تدوین کا حکم دیں، چنانچہ انھوں نے محمد بن شہاب زہری ۱۲۴ھ اور محمد بن حزم ۱۲۰ھ وغیرہ کو حکم دے کر تدوین حدیث کرائی اور یہ سلسلہ جاری رہا، اور آگے چل کر اس میں ترقی ہوئی، اب یہ موطأ مالک جو امام مالکؒ نے تصنیف کی یہ بھی اسی غیبی نظام کے تحت انتظام حدیث کی ایک صورت ہے، امام مالکؒ کو دیکھ کر بہت سے علماء نے کتابیں لکھنی شروع کیں، چنانچہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس میں اخلاص ہوگا وہ باقی رہے گا اور جس میں اخلاص نہیں ہوگا وہ باقی نہیں رہے گا، میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ موطأ مالک کی تصنیف اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی انتظام کے تحت کرائی، امام مالکؒ جو امام دار الہجرہ ہیں، جن کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کا روزانہ شرف حاصل ہوتا رہا ہے جیسا کہ ان کے حالات میں

بیان کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب حضور ﷺ کی نگرانی میں تصنیف کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہوا کہ یہ کتاب باقی رہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ: الموطأ هو الأصل الأول والبخاری هو الأصل الثانی: صحاح ستہ اور مسند دارمی وغیرہ یہ موطأ کی مستخرج ہیں، بہرحال غیبی نظام کے تحت علم حدیث کی تدوین کا سلسلہ چلتا رہا، جس میں مسند امام احمدؒ کا خاص مقام ہے، اس کے بعد ارباب صحاح ستہ کا دور آیا، انہوں نے اپنی کتابوں کی تالیف کی اور ہر ایک کا انداز نرالا ہے، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اور عجیب بات ہے کہ یہ سارے ارباب صحاح ستہ، امام مسلمؒ کے علاوہ اعاجم ہیں ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

امام مسلمؒ کے بارے میں تو بیشک یہ ثابت ہے کہ وہ قبیلہ بنی شیبان سے تھے، عربی تھے، باقی سارے ائمہ اعاجم ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا کام لیا اور حدیث کا اتنا بڑا سرمایہ دنیا کے سامنے آیا، انھوں نے رجال، رواۃ اور خاص طور پر صحیحین پر پوری بحث کی ہے، آئینہ کی طرح ساری احادیث ہمارے سامنے ہیں، اب کچھ لوگ چودھویں صدی میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو از سر نو غور کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اور ان پر حکم لگا رہے ہیں کہ ھذا صحیح، ھذا حسن، ھذا ضعیف، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے الابواب والتراجم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بخاری شریف کی ہر ہر حدیث پر از سر نو غور کرنے کی دعوت دینا علمائے امت کی بارہ سو سال کی کوششوں پر پانی پھیر دینے کے مرادف ہے۔

آج نہ وہ ورع ہے نہ وہ تقویٰ، نہ علم نہ معرفت اور بخاری ومسلم کی احادیث پر حکم لگانے جا رہے ہیں، ان دونوں کتابوں کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صحیحین کی عظمت کا قائل نہ ہو اور ان کا احترام نہ کرے تو وہ اہل سنت والجماعت کی شاہراہ کو چھوڑ چکا ہے، اگر کوئی بخاری شریف کی حدیث پر از سر نو غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو یہ جہالت کے مرادف ہوگا، اولاً تو رجال کی ساری کتابیں ابھی تک چھپ کر آئی بھی نہیں، حافظ کی تقریب التہذیب، ذہبی کی الکاشف، ابن حبان کی کتاب الثقات وغیرہ ہمارے سامنے آئی ہیں، بعض دفعہ ان کو دیکھ کر صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، اسی طرح جیسے کسی نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف ہیں، یہ بات تحفۃ الاحوذی کے مقدمہ میں جب امام صاحبؒ کا ذکر آیا تو نقل کی گئی ہے، سبحان اللہ، جس امام نے اتنے سارے مسائل کا استنباط کیا ہو، اگر کسی معاصر نے معاصرانہ رقابت میں یہ جملہ کہہ دیا تو کیا اس کو تسلیم کر کے حکم لگایا جائے گا، اسی طرح بخاری شریف کے کسی راوی کے بارے میں رجال کی کسی کتاب میں فی ذاکرته شيء آ گیا تو آپ یہ حکم لگا دیں گے کہ بخاری کی حدیث حسن کے درجہ میں آجائے گی، ہو سکتا ہے کہ یہ ضعف امام بخاریؒ کے اس شیخ سے تلمذ اختیار کرنے کے بعد پیدا ہو گیا ہو اور بڑھاپے میں عام طور پر ضعف آجاتا ہے، میں خود اپنا حال بیان کرتا ہوں، جوانی میں ایک نظر کتاب پر ڈالنے سے مفہوم مستحضر ہو جاتا تھا اور اب یہ بات نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ جو نقد روایات میں متشدد ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

شدة ابن الجوزی وتساهل الحاكم لقد أعدم النفع بكتابيهما، حافظ

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزیؒ کی شدت اور حاکمؒ کے تساہل نے ان کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے میں مشکلات پیدا کردی ہیں، ابن جوزیؒ نے صحاح ستہ پر نقد کیا ہے، ترمذی شریف پڑھانے کے زمانہ میں میں نے ایک رسالہ ''الدفاع عما أورده ابن الجوزی علی الصحاح'' لکھا تھا، اس میں تحقیق وتعلیق وغیرہ باقی ہے، اس میں میں نے ذکر کیا تھا کہ بخاری کے حماد بن شاکر کے نسخہ میں ایک حدیث پر ابن جوزیؒ نے کلام کیا ہے، اسی طرح ابوداؤد کی ۹، نسائی کی ۱۰، ترمذی کی ۳۰، اور ابن ماجہ کی ۳۰ یا ۳۴ حدیثوں پر کلام کیا ہے، لیکن علماء نے اس کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ بخاری ومسلم پر نقد سے علامہ عینی اور شیخ الاسلام ابن حجر اور دیگر علماء ناراض ہیں، وہ لکھتے ہیں: قد أساء ابن الجوزی، بہرحال اگر موجودہ دور میں کوئی شخص صحیحین کی احادیث پر کلام کرے تو کیا اس کی بات مان لی جائے گی؟ سنن اربعہ کا بھی علامہ سیوطیؒ نے دفاع کیا ہے، ان کی کتاب کا نام ''القول الحسن فی الذب عن السنن'' ہے، لیکن یہ کتاب آج مفقود ہے، البتہ ان کی دوسری کتاب ''التعقبات علی الموضوعات'' موجود ہے، اس میں وہ ساری احادیث جن پر ابن جوزی نے کلام کیا ہے، ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے شواہد بیان کرنے کی کوشش کی ہے، انہیں حسن لذاتہ، یا حسن لغیرہ مانا ہے اور ان میں سے بعض احادیث ضعیف ہیں، مگر ان کا ضعف اس درجہ میں ہے کہ فضائل اعمال میں ان کا اعتبار ہے، آج چودھویں صدی میں کوئی محقق ان سنن اربعہ پر کلام کرے اور یہ کہے کہ ھذا ضعیف، ھذا منکر اور سلف صالحین کے اقوال سے صرف نظر کرلے تو بہت مشکلات پیدا ہوجائیں گی، ذہنیت کو بدلنے کے لئے اس ناچیز نے علم رجال الحدیث لکھی ہے، جو عربی و اردو زبان میں

چھپ چکی ہے، اس کا مقصد بھی دفاع ہے، اس میں حدیث کو معلوم کرنے کا صحیح راستہ پیش کیا گیا ہے، بعض لوگ پی ایچ ڈی کر کے آتے ہیں اور ان کو حدیث صحیح کی تعریف بھی نہیں معلوم ہوتی، لہذا ان کو ان ائمہ کی رائے سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے دکتورہ حاصل کیا ہے خواہ جامعہ ازہر سے یا دیگر جامعات سے اور انہوں نے اپنے رسالہ میں بہت قیمتی مواد جمع کیا ہے جو قابل استفادہ ہے، جیسا کہ میں نے کل رات کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ طلبہ کو بہت زیادہ تیاری کی ضرورت ہے، اللہ کے فضل سے یہاں بہت بڑا کتب خانہ موجود ہے اور چھوٹے چھوٹے کتب خانے بھی ہیں، اچھے اساتذہ بھی ہیں، استفادہ کا راستہ یہاں پر آسان ہے، یہ معلوم کرنا کتب رجال سے کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا حسن ہے یہ بھی آسان ہے، محنت کی ضرورت ہے، ترمذی شریف کے پڑھانے کا ایک لطیفہ سناؤں، میری آواز بڑی قوی تھی اور یہاں کی تدریس کے زمانہ میں سارے طلبہ خواہ وہ شہر میں رہتے ہوں یا اس سے دور سب درس میں شرکت کرتے تھے اور مجھے بھی بڑا اہتمام تھا کہ ترمذی شریف کے درس پر مجھ کو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے بٹھایا تھا، اس لئے میں پورے اہتمام اور پوری تیاری کے ساتھ پڑھاتا تھا، کتاب مکمل ختم کراتا، جوانی کا زمانہ تھا، ساری چیزیں یاد ہو جاتی تھیں، میرے اس زمانہ کے اہم شاگردوں میں مولانا احمد لاڈ، مولانا غزالی اور ڈاکٹر شفیق وغیرہ ہیں، مولانا احمد لاڈ کی آواز بہت اچھی تھی، عام طور پر وہی قاری ہوتے تھے، پورے اہتمام کے ساتھ اخیر سال میں کتاب ختم کرائی جاتی تھی، نصاب کی تکمیل بھی ضروری ہے۔

آج کل جامعات کا یہ اصول ہے کہ استاذ کا کام رہنمائی ہے اور طلبہ کا کام استفادہ، ہمارے یہاں جامعۃ الامارات میں ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب تھے، ان کا طرز تدریس یہ تھا کہ طلبہ کو کتب خانہ میں لے جا کر ان سے کتابیں نکلواتے اور حدیث شریف کا کوئی موضوع سامنے رکھتے، راوی کے درجہ کی تعیین رجال کی کتابوں سے کراتے، فقہی مسئلہ ہوتو ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل مع مناقشہ جمع کراتے، ہم نے بھی انہیں کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی، طلبہ کو ایک دن کتب خانہ لے جانا ضروری تھا، جو ذی استعداد لڑکے تھے ان کو بڑا فائدہ ہوتا، ہمارے یہاں تقریر کا رواج ہے اور حوالے بھی دیئے جاتے ہیں، لیکن ضرورت ہے کتابوں سے تعارف کرانے کی، دیکھو ابن مہلب کی شرح بخاری بہت سے علماء نے دیکھا نہیں تھا لیکن وہ طبع ہو کر آگئی ہے، میں نے جیسا کہ رات بخاری کی تقریر میں کہا تھا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ إنما الأعمال بالنیات کی حدیث یہ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کا پہلا خطبہ تھا، حافظ نے اس کو نقل کر کے یہ فرمایا کہ ابن مہلب نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، اب شرح کو دیکھ کر خود رائے قائم کی جا سکتی ہے، اسی طرح علامہ عینی کی ابوداؤد کی شرح طبع ہو کر آگئی ہے، اس میں بھی بہت سی نئی نئی باتیں ہیں، اگر طلبہ پوری تیاری کر کے درس میں آئیں تو استاذ بھی مجبور ہوگا کہ وہ مزید تیاری کرے اور نئی کتابوں کا تعارف کرائے، امام بخاری کا مشہور مقولہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد امام ترمذی سے کہا تھا: إني انتفعت بك أكثر مما انتفعت بي، محنتی طالب علم استاذ کو مجبور کرے گا کہ وہ مزید مطالعہ کر کے درجہ میں آئے اور اس کو شوق ہوگا کہ مجھے ان طلبہ کو تیار کرانا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے

اور کہتے تھے کہ بذل المجہود کے صدقہ میں آپ ڈاکٹر ہوگئے ہیں اور یہ ناچیز بھی بیان کرتا ہے کہ اس کی برکت سے ڈاکٹر ہوگیا، جامعہ ازہر کے نظام قدیم کے مطابق میں وہ تنہا طالب علم ہوں جس کو یہ موقع ملا، اس کے بعد نظام ہی بدل گیا، یہاں تک کہ میں اپنے لڑکے ڈاکٹر ولی الدین کو لے کر جامعہ ازہر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ نظام ہی بدل گیا ان کو پڑھنا پڑے گا، مجھے بار بار خیال ہوا مولاناؒ کا فرمانا کہ دکتورہ، بذل المجہود کا ہی صدقہ ہے اور اس دکتورہ کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے امارات میں کام کرنے کا مناسب موقع ملا، میرے جامعہ ازہر میں مناقشہ کے وقت تین جج تھے اور یہ اعلان ہوا کہ '' باحث هندی يحاول حصول الدكتورة، هذا شرف لجامعة الازهر و شرف لندوة العلماء '' اس ناچیز نے پہلے اپنے کام کی نوعیت پیش کی، تین ججوں میں سے دو نے اچھا معاملہ کیا اور تیسرے جج صاحب جو ازہر کے بڑے استاذ حدیث تھے، داڑھی کٹی تھی، کوٹ پتلون میں تھے، میں نے توجہ نہیں کی کہ حدیث شریف اور یہ وضع قطع یہ میرے لئے ایک عجیب بات تھی، بہرحال اس دکتور نے بھرے مجمع میں نقد کیا کہ ''أنت جئت بكتاب الزهد الكبير و قدمته إلى جامعة الأزهر و أنا راجعت الكتاب أربع مرات وو جدت فيه أقوال الصوفياء و فيه كذا و كذا ، و أنت تدعوالناس للعزلة و الزهد و أنت سافرت من الهندإلى دولة الإمارات العربية المتحد ة و إلى جامعة الأزهر و تجرى و راء الدكاترة لحصول الدكتورة، هذا يخالف الزهد ''۔

عجیب بات ہے کہ جس زمانہ میں ابوظبی میں میں اپنا یہ رسالہ تیار کر رہا تھا وہاں زیادہ مراجع ومصادر نہیں تھے، جو کتابیں تھیں انہیں سے استفادہ کیا، اب تو کئی

بڑے بڑے کتب خانے قائم ہیں، جن میں مجمع ثقافی کا کتب خانہ بہت بڑا ہے۔

بہر حال تیسرے جج صاحب نے بڑی سخت تقریر کی اوران کی تقریر پر تالی بجی کہ دکتورہ گیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ میری مدد فرما اور دکتور کو خطاب کر کے عرض کیا: إنی سافرت من الهند إلی فضیلتکم، أنتم أفاضل العلماء نحن جئنا للاستفادة من علومکم و برکاتکم" اتنے میں وہ ٹھنڈے پڑ گئے، اس کے بعد میرے مشرف ڈاکٹر مصطفیٰ امین تازی جو ایک دین دار آدمی تھے اور اخیر میں جامعہ ام القریٰ آگئے تھے، مکہ مکرمہ ہی میں ان کا انتقال ہوا، ان کی خدمت میں یہ ناچیز اپنے قیام مصر کے زمانہ میں ہدیہ لے کر گیا تھا، انہوں نے کہا کہ أنا أغنی من الرئیس و أنت تلمیذ الشیخ أبی الحسن الندوی بہر حال وہ کسی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے، انہوں نے اس دکتور پر رد کیا، اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ جامعہ ازہر نے ایک کتاب دی کہ اس کی تحقیق کرو، اب اس میں یہ دیکھنا ہے کہ تحقیق سلیم ہے یا غیر سلیم، آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ اعتراض کریں کہ اس میں صوفیاء کے اقوال ہیں، بہر حال انہوں نے درجہ ثانیہ کے دکتورہ کی شہادت دی، یہ کتاب تین مرتبہ چھپی ہے، تیسری مرتبہ تحقیق و تصحیح کے ساتھ مجمع ثقافی نے چھاپا ہے، وأما بنعمة ربك فحدث اور اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء سے محترم مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا معین اللہ ندویؒ نے میری مدد کی تھی، قیام قاہرہ کے زمانہ میں جو بذل المجہود کا زمانہ تھا بعض ساتھیوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو لکھا کہ مولانا تقی الدین صاحب دکتورہ کر رہے ہیں حالانکہ وہاں دکتورہ کا کوئی کام نہیں تھا سوائے تسجیل کے، حضرتؒ کی اس ناچیز پر خصوصی شفقتیں تھیں، دیکھنے والے

موجود ہیں، مدینہ منورہ سے حضرتؒ کا گرامی نامہ آیا کہ مصر کا دکتورہ لاؤ یا امریکہ کی عروسہ، بذل المجھود جلد پورا کراؤ۔

عرض کر رہا ہوں کہ اگر ہمارے بزرگوں کا منہج ہمارے سامنے ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہوگی، اوجز المسالک کی طباعت کے لئے ابوظبی کے کئی اداروں سے میری گفتگو تھی، لیکن کوئی بات بن نہ سکی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا راستہ ہموار کیا اور ہم نے یہ موضوع شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اس کو ابتدائی منظوری دی، بڑا اس کا خرچ تھا، اس سے ہمیں خوشی ہوئی مگر پورا مشروع لے کر جب ہم دوبارہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور وہاں سے خستہ دل واپسی ہوئی، اور بہت اثر ہوا کہ میری پانچ سالہ محنت کے بروئے کار لانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہے اور ابوظبی سے واپسی پر ایک سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر پہونچا تو شیخ کے سکریٹری کا فون آیا کہ شیخ دوبارہ مجلس میں آگئے ہیں اور آپ کو یاد کر رہے ہیں، چنانچہ ہمارے ایک بیٹے گاڑی چلا رہے تھے فوراً دو سو میل کی رفتار سے واپسی ہوئی، ابوظبی کے قریب پہونچ کر تیل ختم ہوگیا، انہوں نے فون کر کے اپنے دوسرے بھائی کو بلا لیا، دوسرے لڑکے کی گاڑی میں بیٹھ کر ہم ابوظبی پہونچے، شیخ کی مجلس ختم ہونے والی تھی کہ ہمارے مشروع پیش کرنے پر بے تکلف دستخط کر دیا، یہ اللہ کی غیبی مدد تھی، جس کے نتیجے میں کتاب آپ کے سامنے ہے۔

عرض یہ کر رہا ہوں کہ کام کے بڑے میدان ہیں اور اللہ کی نصرت وحمایت ساتھ ساتھ ہے، اگر اخلاص ہو اور دل میں لگن ہو، علم حدیث کے سلسلہ میں ایک فقہ حدیث ہے، ایک رجال حدیث ہے، ایک اصول حدیث ہے اور کئی موضوعات ہیں،

جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر عالم عربی اور وہاں کی جامعات میں علمائے حدیث کی ساری گفتگو اصول حدیث پر ہوتی ہے اور اسی موضوع پر ان کی کتابیں آرہی ہیں، فقہ حدیث پر بہت کم ان کا کام ہے۔

ہمارے یہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فقہ حدیث پر کام کا راستہ بتایا، حدیث کے اسرار وحکم پر گفتگو فرمائی، اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ اور دوسری کتابوں میں جو اپنا منہج پیش کیا ہے وہ اجمال ہے، ضرورت ہے کہ اس کو پھیلایا جائے، ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ اور عزالدین بن عبد السلام کی قواعد اور ابن القیم وابن تیمیہ کی مؤلفات کو سامنے رکھ کر اس منہج کو پھیلایا جاسکتا ہے، مثلاً حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الخیر الکثیر میں لکھا ہے کہ میں نے احادیث پر غور کرنا شروع کیا، کتاب الطہارۃ کی ہر حدیث کو کسی نہ کسی آیت قرآنی سے متعلق یا مستنبط پایا، اس موضوع پر شروح ابی داؤد میں متقدمین کی ایک شرح کا نام ملتا ہے جس میں ابوداؤد کی ہر حدیث کو آیت قرآنی سے مستنبط بتایا گیا ہے مگر یہ کتاب مفقود ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی انتظام کے تحت حدیث شریف کی خدمت کے لئے ہر زمانہ میں ایسے محدثین پیدا کئے جنہوں نے حدیث کی حفاظت کی، اس کے درجات بیان کئے، اس کے اسرار وحکم پر گفتگو کی، یہ پوری جماعت ورع وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھی، امام ترمذیؒ کے حالات میں آپ سن چکے ہوں گے کہ وہ روتے روتے آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے، امام بخاریؒ کا زہد وتقویٰ ضرب المثل ہے، بخاری کے شارحین میں علامہ عینی وحافظ وقسطلانی ہیں، ان لوگوں کے مصادر ومراجع میں ابوجمرہ مالکی کی کتاب بہجۃ النفوس ہے جو مختصر البخاری کی

شرح ہے اور یہ چھپ بھی گئی ہے، ساتویں صدی ہجری میں یہ گذرے ہیں، یہ جب اپنی کتاب کی شرح لکھ رہے تھے تو فرماتے ہیں کہ عام طور پر ان کے شاگردوں میں کوئی نہ کوئی حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کرتا، کبھی آپ ؐ یہ فرماتے کہ فلاں عبارت پر نظر ثانی کرلو، کبھی فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے بہت عمدہ ہے، استحسان فرماتے، ان کے شاگردوں کے رؤیا کا مجموعہ جو تقریباً ساٹھ خوابوں پر مشتمل ہے بہجۃ النفوس کے اخیر میں چھپا ہوا ہے، سبحان اللہ جب شاگردوں کا یہ حال تھا تو ان کے استاذ کا کیا حال رہا ہوگا، جب ساتویں صدی کے ایک محدث کی یہ کیفیت تھی تو دوسری تیسری صدی کے محدثین کا حضور ﷺ کی ذات گرامی سے کیا تعلق رہا ہوگا، اس لئے اس کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ نہایت عظمت وادب کے ساتھ حدیث شریف کے درس میں بیٹھیں، تاکہ حدیث پاک کے پڑھنے پڑھانے کی لذت سے فیضیاب ہو سکیں، اس کے سامنے ساری دنیا ہیچ نظر آئے، جب ہم دین کی خدمت کریں گے اللہ تعالیٰ ہماری ضروریات کا غیبی طور سے انتظام فرمائے گا، کتا کسی کے دروازے کی نگرانی کرتا ہے تو اس کو دو روٹی مل جاتی ہے، خواجہ مخدوم بہاریؒ کا یہ شعر جس کو وہ پڑھتے تھے ؎

جَے کتا دَر دَر پھرے دَردَر دُردُر ہوئے
ایک دَر کو تھام لے دُردُر کرے نہ کوئے

کتا جب سب دروازہ پر پھرتا ہے تو سب دُردُر کرتے ہیں، مگر ایک دروازہ کو پکڑ لے تو اس کو روٹی ملتی رہتی ہے، بندہ اگر سب دروازہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دروازے کو تھام لے تو کون بھگا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے اور آپ کو بھی۔

بھائی اگر محنت سے پڑھو گے اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھو گے تو ہر جگہ تمہاری

قدر کی جائے گی اور اگر طالب علمی کا زمانہ گشت وتفریح میں ضائع کر دیا تو فارغ ہونے کے بعد بے حد افسوس کرنا پڑے گا، حضرت تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ نقل کیا ہے، ایک صاحب تھے جنہوں نے اپنے پڑھنے کے زمانہ میں بالکل محنت نہیں کی، فارغ تو ہوگئے مگر علم سے خالی تھے، ان کو بے حد پریشانی ہوئی، وہ اپنے کسی استاذ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان ہوں، کیا کروں لوگ مجھ سے مسائل پوچھتے ہیں تو کیا جواب دوں، ان استاذ صاحب نے ان سے یہ کہہ دیا کہ یہ کہہ دینا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اگر کوئی عالم عام لوگوں کے سامنے یہ بیان کرے کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے تو سمجھنے والے یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ عالم ہیں، مگر کوئی جاہل یہ کہے تو اس کے چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جاہل ہے، کچھ جانتا نہیں، ایک منچلا آدمی تھا، اس نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا کیا حکم ہے، ان صاحب نے جواب دیا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، پھر تو یہ صاحب لطیفہ بن گئے اور جہالت ظاہر ہوگئی، تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ جو محنت سے پڑھے گا اس کی قدر دنیا وآخرت دونوں جگہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دین کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين۔

(ماخوذ از: (الشارق) جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء)

طلبائے دارالعلوم دیوبند

سے

ایک خطاب

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لاإلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله ، أما بعد !

حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث، دیگر اساتذۂ کرام وعزیزان طلبہ !

آپ حضرات اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اس ناچیز کے ساتھ جس محبت اور تعلق کا اظہار کیا اس کا یہ ناچیز تہہ دل سے شکر گزار ہے، چند سال پیشتر لکھنؤ کے ایک جلسے میں تعارفی تقریر کرتے ہوئے مولوی اسحاق حسینی ندوی مرحوم نے اس ناچیز کو علاؤالدین کے چراغ سے تشبیہ دی تھی، جوابی تقریر میں میں نے عرض کیا تھا کہ آپ جو چاہیں بیان کریں مگر یہاں پر یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہمارا تعلق جس ذات گرامی سے ہے، جن کی طرف ہمارا خصوصی انتساب ہے وہ ہیں ہمارے استاذ اور شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ، میں نے اس کے

جواب میں کہا کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

اللہ والوں کی کسی پر نظر پڑ جائے تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے اور دونوں جہاں میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے، درس نظامی کے بانی ملا نظام الدینؒ جن کا نصاب دینی مدارس اور خود دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ، شیخ عبدالرزاق بانسویؒ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن روحانیت کے اتنے اونچے مقام پر فائز تھے کہ اگر کسی پر نظر پڑ جاتی تو ولی بن جاتا، چنانچہ انہیں کی برکت سے اس درس نظامی کو یہ قبولیت حاصل ہوئی، حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی اس ناچیز پر خاص نظر تھی جس کے دیکھنے والے بڑی تعداد میں لوگ موجود ہیں، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرتؒ نے بذل المجہود کی خدمت کے لئے ایک سال کے لئے اپنے پاس سہارنپور بلایا، دوسرے سال اسی کام لیے قاہرہ بھیجا، اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانے میں ایک دوسرا حدیثی وعلمی کام اس ناچیز کے سپرد فرمایا، اس پر حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو لکھا کہ مولوی تقی الدین کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسے مبارک کام کے لیے حضرت والاؒ کی نظر ان ہی پر پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ قدردانی اور تواضع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے شیخ ثانی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کا شعر ہے ؎

کچھ ہونا مرا ذلت وخواری کا سبب ہے
ہے یہ مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

اس مختصر سے وقت میں چند باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں، سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس علم کو آپ یہاں سیکھنے آئے ہیں وہ علم نبوت ہے، اس کے حصول میں صرف اللہ کی رضا وخوشنودی مطلوب ہونی چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے، بہت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے، اس کی حفاظت کریں اور تیسری بات اس ادارے اور اپنے اساتذہ کی قدر کریں اور یہ سمجھیں کہ آپ بہت اونچے مقام پر ہیں۔

ہمارے مدارس کے طلبہ مہمانان رسولؐ ہیں، آپ کا بہت اونچا مقام ہے، آپ دارالعلوم دیوبند کے طالب علم ہیں جس کے بانی حضرت مولانا نانوتویؒ ہیں، جس سے فارغ ہوکر نکلنے والے حضرت شیخ الہندؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ وعلامہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جیسے اکابر ہیں، جنہوں نے اس ملک میں اسلام کی حفاظت کی ، ان میں سے خصوصیت سے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ نے انگریزوں کے چیلنج کو قبول کیا اور اس ملک سے انگریزوں کو نکالنے میں ان کا زبردست کارنامہ ہے، آپ ایسے مدرسے کے طالب علم ہیں جن کی طرف انتساب بہت بڑی سعادت سمجھا جاتا ہے، اس کی قدر پہچانیں ۔

بر خود نظر کشا زتہی دامنی مرنج
درسینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

دیکھو تمہارے سینے میں کیا چیز ہے، تمہارے سینے میں قرآن وحدیث کا علم ہے، اگر آپ نے اپنی قیمت کو پہچانا اور کسی اللہ والے سے وابستہ ہوگئے یا اس سے تعلق پیدا کرلیا تو آپ قیمتی بن جائیں گے ۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

میں کہتا ہوں کہ یہ تو بڑا مقام ہے، اگر وابستہ رہ شجر سے، یہ بات پیدا ہو جائے تو بھی بڑی بات ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں شیخ عبدالوہاب متقی کے پاس گیا تو سمجھتا تھا کہ میں بڑا عالم ہوں، ان کے پاس کچھ بھی نہیں، لیکن کچھ دن رہنے کے بعد محسوس ہوا کہ علم کی حقیقت تو ان ہی کے پاس ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اس وقت دنیا میں بہت سے چیلنجوں کا جواب دینا ہے، باہر ممالک کی یونیورسٹیاں چاہے وہ مکہ یونیورسٹی ہو، مدینہ یونیورسٹی ہو یا جامعۃ الامارات ہو یا قاہرہ کی یونیورسٹیاں ہوں، ان سب کے مقصد میں شاید یہ بات بھی ہے کہ ایسے رجال تیار ہوں جو بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوسکیں، لیکن یہاں دین کے داعی بنائے جاتے ہیں، حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے افراد تیار کیے جاتے ہیں، امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں جہاد کا باب قائم نہیں فرمایا، ایک بڑا سوال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام غزالیؒ کے پیش نظر جہاد بالنفس کی اہمیت کو بیان کرنا تھا، اس پر ایک پوری جیل تیار کرنی تھی، اس لیے کہ اسلامی سوسائٹی میں مادیت کا غلبہ ہو گیا تھا، اسلام پر ہر طرح سے یورش تھی، اس مادیت کے طوفان میں پڑ کر لوگ دین سے بیزار ہو رہے تھے، ضرورت تھی کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جیل تیار کی جائے جو آئندہ چل کر اسلام اور عالم اسلام کی حفاظت کر سکے، چنانچہ احیاء علوم الدین سے ایک پوری جیل تیار ہو گئی، جس کا صلاح الدین ایوبیؒ نے پورا پورا

فائدہ اٹھایااور بیت المقدس کوآزادکرایا،اسی طرح سلطان ٹیپو نے جنوب ہند میں شہید ہوکراورحضرت سیداحمد شہیدؒ نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرما کرایک ایسی جیل تیار کردی جواسلام کی اس ملک میں پاسبان بن گئی،دارالعلوم دیو بند کے اکابر کی نسبت بھی انہیں بزرگوں کی طرف ہے، اس وقت ضرورت ہے کہ آپ علمی لحاظ سے اور روحانی لحاظ سے پوری تیاری کریں اور اپنے وقت کی قیمت پہچانیں، اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونصرت آپ کے ساتھ ہوگی ۔

جب میں نے تعلیم سے فراغت حاصل کی تو ہمارے اعزہ واقارب کی رائے ہوئی کہ اگر یہ کسی مدرسے میں پڑھائیں گے تو زیادہ سے زیادہ پچاس روپیہ پائیں گے،میرے ماموں خوشحال تھے،ان کی رائے ہوئی کہ میں کپڑے کی دوکان کھول لوں، وہ ہرطرح امداد کرنے کے لیے تیار تھے،میری شادی بھی ہوچکی تھی، کچھ لوگوں نے کہا کہ طبیہ کالج میں داخلہ لےلوتو معاشی مسئلہ حل ہوجائے گا، میں نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کوسہارنپور خط لکھا کہ ہمارے اعزہ واقرباء کا یہ مشورہ ہے، جواب آیا کہ تمہارے اس خط سے مجھے بہت قلق ہوا،اولاًعلم دین کا موضوع معاش نہیں ہے بلکہ معاد ہے،احمق اور دیوانے ہیں وہ لوگ جوعلم دین کا موضوع معاش بتاتے ہیں، میں نے بہتوں کو دیکھا ہے جنہوں نے علم دین حاصل کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دنیا میں وہ مقام عطا فرمایا کہ بہت سے دنیاوی علم حاصل کرنے والے کو حاصل نہیں ہے،اصل مقصدتو اللہ کی رضا ہے،آخر میں یہ شعر تھا ؎

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکیں

وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

اس کے بعد تجارت اور طب سے طبیعت ہٹ گئی، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی طرف اللہ نے متوجہ کیا، زندگی میں بہت نشیب وفراز آئے، یہ سلسلہ جو نوجوانی سے قائم ہوا بفضلہٖ تعالیٰ اب تک باقی ہے، مختلف کتابیں جن میں الامام البخاری التعلیق الممجد، اُوجز المسالک وغیرہ ہزاروں کی تعداد میں، اور اردو تصانیف بار بار شائع ہو رہی ہیں، مزید دیگر تصانیف اور بذل المجھود جس کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی تمنا تھی کہ یہ کتاب پورے عالم عربی میں پھیل جائے عنقریب ان شاء اللہ بیروت سے طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ رہی ہے، یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کی بہت بڑی ترجمان ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ان کتابوں کی نشر واشاعت کے لیے ابوظبی کی حکومت کا تعاون بھی حاصل ہے، یہ میں نے اس لیے ذکر کر دیا تاکہ آپ کے اندر شوق پیدا ہو، محنت سے پڑھیں، مقصد پیش نظر رکھیں، دنیا قدر کرے گی، نچنیا ناچ میں کمال پیدا کرتا ہے تو دنیا اس کی قدر کرتی ہے یہ تو علم نبوت ہے۔

اورنگ زیبؒ کے زمانے میں ایک بہروپیا تھا، ایک دو بار تو اس کو کچھ دے دیا، وہ لباس بدل بدل کر آتا، اورنگ زیبؒ اس کو پہچان جاتے، وہ دو سال کے لئے غائب ہو گیا، صوفیاء کا لباس پہن کر کسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گیا، شہر میں شہرت ہو گئی کہ یہاں ایک بزرگ آئے ہیں، بڑے اللہ والے ہیں، ان سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہے، مخلوق خدا ان سے رجوع کر رہی ہے، لوگوں نے اورنگ زیبؒ سے ذکر کیا، انہوں نے کوئی توجہ نہ کی مگر وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مدرسہ کے پروردہ تھے، لوگوں نے

اصرار کیا کہ حضرت پورا شہر چلا آرہا ہے،آپ بھی چل کر دعا کرالیں، اورنگ زیبؒ راضی ہوگئے، جا کر ملاقات کی، دعا کرائی، کچھ رقم پیش کی جس کو لینے سے انہوں نے انکار کردیا، کیوں کہ وہ بہروپیا اب ولی بن چکا تھا، کہا حضرت آپ نے پہچانا نہیں، میں وہی بہروپیا ہوں جو آپ کی خدمت میں آیا کرتا تھا، اورنگ زیبؒ نے کہا کیا بات ہے، اس وقت تو تھوڑی سی رقم کو بھی قبول کر لیتے تھے، آج تو بہت بڑی رقم میں نے پیش کی ہے، اس کو کیوں قبول نہیں کیا، انہوں نے کہا، جس مالک کا میں نے لباس پہن رکھا ہے مجھے شرم محسوس ہورہی ہے کہ میں اب کسی اور بادشاہ کا ہدیہ قبول کروں ۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر آپ حضرات اپنے اندر کمال پیدا کریں گے تو آپ کی قدر دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی سرخروئی حاصل ہوگی، عصر سے پہلے تقریر میں میں نے قصہ سنایا تھا کہ جامعۃ الازھر میں پی ایچ ڈی کا مناقشہ ہورہا تھا، میں وہاں بیٹھا ہوا تھا، مناقشہ میں ایک حدیث آئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لئے گئے، موسیٰ علیہ السلام نے پہچانا نہیں، جب وہ قریب ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا جس سے ان کی آنکھ نکل آئی، اس حدیث کے بارے میں کہا گیا کہ یہ حدیث ہو ہی نہیں سکتی، مجھ سے دکتور مصطفیٰ امین تازی نے سوال کیا جو بعد میں میرے دکتورہ کے مشرف بھی بنے کہ کیا آپ اس حدیث کا درجہ بتا سکتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یہ بخاری کی حدیث ہے، انہوں

نے کہا کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ بخاری نے دو جگہ تخریج کی ہے، ایک کتاب الانبیاء میں اور دوسری جگہ کتاب الجنائز میں، انہوں نے کہا اس کی کیا توجیہ ہوگی؟ میں نے حضرت گنگوہیؒ کی توجیہ کو ان کے سامنے بیان کیا، وہ یہ ہے جاء ملك الموت عليه السلام بصورة البشر فتأثر كما يتأثر به البشر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑ مارا اور آنکھ نکل آئی، یہ بات عقل کے بالکل موافق ہے خلاف نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ بڑی اچھی توجیہ ہے، میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند ام المدارس ہے، اس کی ایک خاص عظمت ہے، یہ صرف مدرسہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک دعوت ہے، اس لئے یہاں پر بڑی تیاری کی ضرورت ہے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ۔

(ماخوذ از: الشارق اپریل تا مئی ۲۰۰۶ء)

بھٹکل شہر کی جامع مسجد میں ایک اہم خطاب

ایمانی زندگی کے لیے محاسبۂ نفس کی ضرورت ہے

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و على آله و أصحابه أجمعين أما بعد ! قال رسول الله ﷺ : الكيِّس من دان نفسه ، و عمل لما بعد الموت ، والعاجز من أتبع نفسه هوا ها ، وتمنى على الله الأمانى ، أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام .

حضراتِ علمائے کرام اور حاضرینِ جلسہ!

اس وقت میرے ذہن میں یہ حدیث آئی، اس کا ترجمہ یہ ہے: عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور مرنے کے بعد والی زندگی جو حقیقی زندگی ہے اس کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے، یہاں کیِّس کے مقابلے میں عاجز آیا ہے و العاجز من أتبع نفسه هوا ها ، وتمنى على الله الأمانى ، عاجز کا ترجمہ درماندہ سے کرنا صحیح نہیں ہے، مقابل میں کیِّس کے آیا ہے، یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے عقل ہے، جاہل ہے، غیر عاقل ہے جس نے اپنی زندگی من مانی گزاری، جو چاہا کرلیا،

جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے تابع بنایا اور اللہ سے بڑی بڑی امیدیں بھی رکھتا ہے، یہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ اللہ کا خصوصی معاملہ ہونا چاہے، زندگی من مانی ہے اور امیدیں بہت لگائے ہوئے ہے اور کام وہ کر رہا ہے جو اللہ کی مرضیات کے خلاف ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کرتے رہیں، اس کا جائزہ لیتے رہیں، صبح سے شام تک دیکھیں کہ کیا کیا اعمال ہم کر رہے ہیں، غفلت کے پردے ہم پر پڑے ہوئے ہیں، دیکھو جو عقل مند تاجر ہوتا ہے وہ ہر وقت محاسبہ کرتا رہتا ہے کہ کتنی آمدنی ہوئی، نقصان کتنا ہوا، فائدہ کتنا ہے، خسارہ کیا ہے اور وہ نامعقول اور جاہل ہے اس کی تجارت بے فائدہ ہے جو اپنا جائزہ نہ لے، اپنی من مانی کرے، ایسے آدمی کی تجارت برباد ہو جائے گی۔

یہ حدیث ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں اور اس کا جائزہ لیں، جب زندگی کا جائزہ لیں گے تو ہم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے، ہماری یہ من مانی زندگی ہے، ایمانی زندگی نہیں ہے، ساون کا بھینسا ہمارے یہاں مشہور ہے، یوپی میں ساون کا بھینسا جدھر چاہتا ہے جس کی جائداد کو چاہتا ہے چر لیتا ہے، تو جب آدمی کے دل میں خوف نہیں ہے تو جو چاہے گا کرے گا، حرام وحلال کوئی کھلا دے تو کھاتا چلا جائے گا، حضور ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا: الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر، دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے، بعض لوگوں نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ مسلمان ہمیشہ دنیا میں پریشان حال رہے، حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے، الدنیا سجن

الـمـؤمن ،دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے یعنی مومن کی زندگی شریعت کے احکام کی پابند ہے اور کافر کے لئے جنت ہے یعنی کافر کی زندگی پابند نہیں وہ آزاد ہے، جس طرح قید خانہ میں قیدی کی زندگی پابند ہوتی ہے، جو کھانا چاہے نہیں کھا سکتا ہے، اس کو وہی کھانا پڑے گا جو قید خانہ کی طرف سے مل رہا ہے، جو پینا چاہے نہیں پی سکتا، اس کو وہی پینا پڑے گا جو وہاں موجود ہے، خواہ نہایت گرم ہو اور تلچھٹ ہو، جو پہننا چاہے نہیں پہن سکتا، اس کو وہی لباس پہننا پڑے گا جو قیدی کے لئے مقرر ہے، جس سے ملاقات کرنا چاہے نہیں کر سکتا، ملاقات میں بھی وہاں کے احکام کا پابند ہے، حضور ﷺ بیان فرمارہے ہیں کہ مومن کے لئے دنیا قید خانہ ہے یعنی اس کی زندگی پابند ہے مسلمان سود نہیں کھا سکتا، قرآن نے سود کو حرام قرار دیا ہے، اسلام میں سود کھانا، کھلانا یا اس کے لئے واسطہ بننا سب حرام ہے اور اس کے ذریعے تجارت کو بڑھانا ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ نے سود خور سے اعلان جنگ کر رکھا ہے تو مومن جو کھانا چاہے نہیں کھا سکتا، جو پینا چاہے نہیں پی سکتا، وہ شراب نہیں پی سکتا، جو پہننا چاہے نہیں پہن سکتا، ریشم کو رسول اللہ ﷺ نے مردوں پر حرام قرار دیا ہے، کیا کوئی مسلمان مرد ریشم پہنے گا؟ جس سے ملاقات کرنا چاہے نہیں کر سکتا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کچھ لوگ میرے صحابہ کرام کو برا بھلا کہیں گے، ان کی شان میں گستاخی کریں گے، ان سے تم ناطے توڑ لینا، ان سے رشتہ نہ رکھنا، تو معلوم ہوا کہ مومن ملاقات میں بھی آزاد نہیں ہے، کافر آزاد ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

کافر تو آفاق میں گم ہے جو چاہے کھا سکتا ہے، مومن کی زندگی پابند ہے، میں نے عرض کیا کہ من مانی زندگی گزارنا یہ مسلم کا شیوہ نہیں، مومن ایمان کا تابع ہے، اس لئے مومن کی زندگی ایمان کے تابع ہونی چاہئے، اس وقت جو پریشانیاں مسلمانوں پر آرہی ہیں، جو حوادث ان پر ٹوٹ رہے ہیں وہ اس لئے کہ مسلمان من مانی زندگی بسر کر رہا ہے، جو جی میں آتا ہے کر گذرتا ہے، اس لئے حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ اپنا محاسبہ کرو، مسلمان تجارت کرتا ہے، زراعت کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، اس کے ساتھ اپنا محاسبہ کرے، اپنی آخرت کی فکر کرے، ایمانی زندگی گزارے، حضور ﷺ نے فرمایا: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء، یعنی سچے امانت دار تاجر کا حشر انبیاء وصدیقین وشہداء کے ساتھ ہوگا۔

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ تھے، وہ حج میں گئے، منیٰ میں پہونچے تو کپڑے کا ایک بیوپاری کپڑے فروخت کر رہا تھا، لوگ آرہے ہیں، کپڑے خرید رہے ہیں، وہ اللہ والے تھے، صاحب حال تھے، وہ بزرگ کہہ رہے ہیں کہ میں اس کے قلب پر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ سے غافل نہیں، اور میں جب مکہ مکرمہ پہونچا، وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر رو رہا ہے، آنکھیں اس کی رو رہی ہیں، دل اس کا بھیڑیئے کی طرح ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی اللہ کا خوف نہیں ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ تجارت کرے یا زراعت، ہمارے اکابر میں حضرت خواجہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تجارت بھی ہوتی تھی، تجارت تو وہ خود کرتے نہیں تھے خدام تجارت کرتے تھے، تجارت کی کشتیاں چلتی تھیں، ایک دن مسجد میں حضرت بیٹھے

ہوئے بیان فرمارہے تھے، ایک صاحب نے آ کر خبر دی کہ حضرت آپ کی کشتی مال سے لدی ہوئی آ رہی تھی وہ تو ڈوب گئی، ہم میں کا کوئی ہوتا تو پریشان ہو جاتا، ہمارا ایمان کمزور ہے مگر حضرت پر کوئی اثر نہیں ہوا، بیان کرتے رہے، اس کے بعد ایک دوسرا آدمی آیا اور عرض کیا کہ حضرت وہ کشتی کنارے لگ گئی، خادم نے پوچھا کہ حضرت پہلی خبر آئی تو کوئی اثر نہیں ہوا، اسی طرح دوسری خبر آئی اس پر بھی آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا، حضرت نے جواب دیا کہ تم لوگ کشتی کو دیکھ رہے تھے کہ ڈوبی یا کنارے لگی اور میں اپنی کشتی کو دیکھ رہا تھا کہ اس کا کیا حال ہے، الحمد للہ، اللہ پر توکل باقی تھا، اس لئے میں بیان کر رہا ہوں کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں، اس وقت جو پریشانیاں آ رہی ہیں وہ سب ہماری بداعمالیوں کے سبب سے ہیں﴿ ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفوا عن كثير ﴾ دنیا کا شکوہ کرنا اور غیروں کا شکوہ کرنا بالکل بیجا ہے، ہمارے اعمال، ہماری تجارتیں، ہماری معیشتیں اسلام سے دور ہیں، وہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی نہیں ہیں، اگر ہمارے اعمال ایسے ہوں جو اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے والے ہوں تو اللہ کی رحمت ہمارے ساتھ آئے گی، اللہ کی نصرت بھی آئے گی، اللہ کی نصرت اور حفاظت کے لئے شرط ہے کہ ایمانی زندگی ہو، آدمی اگر تھوڑی بھی محنت کرے تو اللہ تعالیٰ دروازے کھولتے ہیں﴿ والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا﴾ تمنائیں تو بہت بڑی بڑی کرتے ہیں لیکن اس میں محنت کرنے کی ضرورت ہے، ایمان کے لئے جو محنت کرے گا جد و جہد کرے گا اللہ تعالیٰ کی نصرت و حفاظت اس کے ساتھ آئے گی، پوری اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ کی نصرت و حفاظت ساتھ ساتھ اس وقت چلے گی

جب آدمی ایمانی زندگی گزارے گا، اس کے لئے محنت کرنی پڑے گی ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دل و نگاہ کو مسلمان بنانے کے لئے محنت کرنی پڑے گی، ایسے ماحول میں جا کر زندگی گزارنی پڑے گی جس سے دل میں ایمان آئے، دل میں استغنا پیدا ہو، صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ؎

تعلق سے غنی کے ہو گیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو مرا مغرور ہو جانا

حقیقی غنی سے، اللہ کی ذات سے تعلق پیدا کرو سارے عالم سے اللہ تعالیٰ بے نیاز کر دے گا، اس کی حفاظت اس کی نصرت ہمارے ساتھ آئے گی، خواہ وہ فرد ہو خواہ جماعت، فرد کی مثال قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے، انھوں نے جب ایمان پر، تقویٰ پر محنت کی تو اللہ تعالیٰ نے مصر کے تخت پر پہونچا دیا، اور قوموں کی مثال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے دی ہے، جب وہ محنت کر کے ایمان پر آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون سے ان کو نجات دی، اسی لئے محنت کی ضرورت ہے، دین کے راستے میں محنت کی نہیں جاتی، مشقت کی نہیں جاتی، تمنائیں لمبی لمبی ہوتی ہیں، ایک قصہ یاد آیا حضرت تھانویؒ نے اسے ذکر کیا ہے کہ دو احدی تھے، احدی جانتے ہیں؟ احدی کے معنی بالکل جو کوئی کام کرنا نہیں چاہے، دو احدی تھے، دونوں نے باری باندھ رکھی تھی، رات کو ایک سوتا تھا تو دوسرا بیٹھا ہوا رہتا، دونوں کی ڈیوٹی لگی تھی، اس کے پاس سے ایک سوار گذرا، سوار سے اس نے کہا کہ اس کے سینے پر جو بیر

رکھی ہوئی ہے ذرا اتر کر یہ بیر میرے منھ میں ڈال دے، اس نے کہا تم مجھ سے کیا مطالبہ کرر ہے ہو تمہارے سامنے وہ آدمی بیٹھا ہوا ہے، تمہارا ساتھی ہے، اس سے کیوں نہیں کہتے، جیسا احدی یہ تھا ویسا احدی وہ بھی تھا، اس نے کہا کہ واہ واہ میں اس کے منھ میں بیر ڈالوں؟ ارے کل تو کتا آیا، اس نے منھ پر پیشاب کیا، وہ بھی بیٹھا ہوا تھا، ہٹایا تک نہیں، ہم لوگوں میں بھی احدی کی طرح کسل پیدا ہو گیا ہے، جب کسل پیدا ہو جائے گا تو ایمان نہیں آئے گا، اس لئے ضرورت ہے محنت کی اور قربانی کی، جب محنت اور قربانی کوئی فرد یا جماعت دے گی اس کے ساتھ اللہ کی نصرت آئے گی، اور اگر قومی طور پر مسلمانوں کا یہ مزاج بن جائے، وہ ایمان پر آجائیں تو یہ جس راستے سے چلیں گے، جس گلی سے گزریں گے غیر بھی دیکھیں گے تو اسلام سے متأثر ہوں گے، کہیں گے کہ یہ چلتی پھرتی اللہ کی رحمت ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن ☆ گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

جب اللہ کی برہان بن کر کوئی چلے گا تو غیر بھی متأثر ہوں گے ان کے قلوب متأثر ہوں گے، وہ اسلام سے قریب آئیں گے، ہم غیروں کی شکایت کرتے ہیں، یہ شکایت کرنا بیجا ہے اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ہندوستان میں صرف سیاست کے راستے سے کامیابی ممکن نہیں، میں سیاست سے منع نہیں کرتا۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام اور سیاست میں تو گہرا ربط ہے مگر یہ سیاست نہیں جو گندی ہے، ہمارے یہاں یہ سیاست نہایت گندی ہے، جو حالات یہاں کے چل رہے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر فلاں پارٹی جیت گئی اور فلاں لوگ الیکشن میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا معاملہ حل ہو

جائے گا، اس سے حل نہیں ہوگا، حل اس وقت ہوگا جب ایمان ہمارے اندر آئے گا، کس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے اس کے لئے بھی ایمان کی ضرورت ہے اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله مومن کی فراست سے بچو کیوں کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو سمجھ لے گا، ''المؤمن غرّ کریم'' مومن دیکھنے میں تو بھولا بھالا ہے، سیاسی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھولے بھالے ہیں، یہ کچھ سمجھتے نہیں، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ حق کیا ہے باطل کیا ہے، انہیں ہماری قیمت معلوم نہیں ہے، ہم بھی اپنے کو بے قیمت نہ بنائیں۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ ابھی مولانا نے اشارہ کیا یہ مسائل ہمارے لائے ہوئے ہیں، مسائل تو ہم مسلمانوں نے خود پیدا کئے ہیں، ہماری زندگی میں اگر ایمان پیدا ہو جائے، تقویٰ پیدا ہو جائے تو غیر بھی ہم سے متأثر ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو مسخر کر دے گا، جیسے صحابہ کرامؓ کے لئے سمندر کی مچھلیوں نے دعائیں کیں، اللہ تعالیٰ نے سمندر کی مچھلیوں کو، شیر کو، چیتے کو مسخر کر دیا، اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور یہ عقلمندی کی بات ہے کہ اپنے نفس کا جائزہ لیں اس طور پر کہ ہماری صبح کیسی گزری، اس کے لئے ماحول کی ضرورت ہے، بغیر ماحول کے یہ چیزیں پیدا نہیں ہو سکتیں، بہت بڑا مقرر ہے، نہایت زور و شور کی تقریر کرتا ہے، تقریر سن کر الحمد للہ، سبحان اللہ کہنے کے بعد اگر آنکھوں سے آنسو بھی نکل آئیں تو ایسا ہے جیسے کسی نے وضو کر لیا اور نماز کی توفیق نہیں ہوئی، اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہم ایمانی زندگی اپنے اندر پیدا کرنے کی محنت کریں، بڑی جد و جہد کی ضرورت ہے، ماحول کی ضرورت ہے، حدیث شریف کا قصہ ہے کہ ایک آدمی نے ۹۹ آدمیوں کو

صاف کردیا تھا، اس نے ایک صاحب سے پوچھا کہ میرے لئے کوئی راستہ ہے، میں بہت بڑا مجرم ہوں، مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوا ہے، کوئی راستہ بتائیے، انہوں نے کہا کہ کوئی راستہ نہیں ہے، ان کا بھی سر قلم کردیا، پھر وہاں سے گئے، سنا کہ کوئی اللہ کا بندہ ہے وہ عالم تھے، سمجھدار تھے، انہوں نے کہا کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس بستی کو چھوڑ دو فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں صالحین رہتے ہیں، اچھے اور دین دار لوگ رہتے ہیں، اگر اِس ماحول میں رہو گے تو برائی تم سے نہیں چھوٹے گی، اس لئے انہوں نے مشورہ دیا، وہ بچارے بڑے اخلاص سے گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی۔

فضیل بن عیاض ڈاکوؤں کے سردار تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اولیاء کا سردار بنا دیا، حضرت عمرؓ اسلام کے کتنے مخالف تھے، اللہ نے انہیں خلیفہ ثانی بنا دیا، چلے تھے اللہ کے رسول ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے '' تؤتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير إنك على كل شئ قدير'' اللہ تعالیٰ نے ہدایت اپنے پاس رکھی، نبیوں کے پاس بھی ہدایت نہیں، ان کا کام تو راستہ دکھانا ہے لیکن ہدایت اور مقصود تک پہونچانا اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

اس کی ضرورت ہے کہ ہم ماحول بدلیں اور میں نے اشارہ بھی کیا کہ اللہ والوں کے پاس جانے کی ضرورت ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ سارے لوگ کسی سے مرید ہو جائیں لیکن کسی اللہ والے کی مجلس میں جائیں، ان سے تعلق رکھیں، وہاں اس ماحول میں رہنے سے دین کی طرف توجہ پیدا ہوگی، قلب میں اللہ سے محبت پیدا ہوگی،

جب کوئی محبت والے کے پاس جائے گا تبھی محبت پیدا ہوگی، اس وقت ایسا گندا ماحول ہے اور ایسی گندی فضا ہے کہ ؎

می نہ روئید تخم دل از آب و گل   بے نگاہے از خداوندانِ دل

جب صاحب دل کے پاس آدمی جائے گا تو اس کے دل میں کچھ پیدا ہوگا، صرف کتابوں کے پڑھنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

صاحبِ حال کے پاس جائیں گے اور استفادہ کی نیت سے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص کیفیت دل میں پیدا کردیں گے، میں ایک قصہ سنا رہا ہوں، ہمارے یہاں لکھنؤ میں سب سے پہلا اجتماع حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے بعد ندوہ میں طے ہوا، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اس اجتماع میں ابتدا میں شرکت نہ فرمائیں، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے حضرت شیخ کو خط لکھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پہلے دن تقریر نہ کریں اس لئے کہ یہاں کی فضا ابھی تبلیغی نہیں ہوئی ہے، ہم دونوں تقریر کریں گے، اس کے بعد وہ بیان کریں، حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے تقریر کرکے فضا بنائی، اس کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی باری آئی، مولانا نے تقریر فرمائی، اس تقریر میں ۱۰۰ نام آئے، ان میں ایک شاعر شرابی تھے، لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے، یہ صاحب بھی اجتماع میں شریک ہوئے اور ایک چلہ (۴۰ دن) لکھایا اور اس چلہ میں وہاں سے

پٹنہ تک گئے ، واپس آئے تو ان کی زندگی ایسی بن گئی کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خاص خدام میں ہو گئے ، ذاکر وشاغل ہو گئے ،ان کا مجھ پر بھی احسان ہے، وہ اس طرح کہ میں طالب علم کی حیثیت سے لکھنؤ گیا تو میرا ندوہ میں داخلہ نہیں ہوا ،محرم میں گیا تھا،انہوں نے کہا کہ یہاں داخلہ مشکل ہے آپ سہارن پور چلے جائیں ، حضرت شیخ کو خط لکھا ،خط لے کر میں سہارن پور پہونچا،حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی ،حضرت نے پوچھا کہاں سے آئے ہو، میں نے کہا کہ اعظم گڑھ کے مدرسۃ الاصلاح سے داخلہ کے لئے آیا ہوں ،میرے سر پر ٹیڑھی ٹوپی تھی ،علی گڑھی قمیص و پائجامہ تھا، ہمارا ضلع اعظم گڑھ جماعت اسلامی کا مرکز ہے،اس وقت سہارن پور ، دیوبند اور جماعت اسلامی کا شدید اختلاف چل رہا تھا ،حضرتؒ نے اس ناچیز پر اس حال میں بھی خاص شفقت کا معاملہ فرمایا، بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ ولی بن گئے ، جگر صاحب ایک مشہور شاعر گزرے ہیں، جب وہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت دعا کر دیجئے کہ میں داڑھی رکھ لوں، دوسری دعا یہ کہ میں حج بیت اللہ کرلوں، تیسری دعا یہ کہ شراب پینا چھوڑ دوں ، حضرت نے دعا فرمائی ،لوگوں نے لاکھ کوشش کی تھی کہ جگر صاحب شراب چھوڑ دیں مگر ان کے بس کا نہیں تھا ، اس تعلق اور نسبت کی برکت یہ ہوئی کہ شراب چھوڑ دی اور داڑھی بھی رکھ لی ، ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے معائنہ کر کے یہ کہا کہ جگر صاحب آپ کو زندہ رہنے کے لیے تھوڑا تھوڑا پینا پڑے گا ،انہوں نے کہا کہ ہم نہیں پیئیں گے ،اب تو ہم نے توبہ کر لی ہے چاہے کل چلا جاؤں پرسوں چلا جاؤں یا آج ہی چلا جاؤں، شراب نہیں پی سکتا ،ایسی استقامت اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ ان کی شاعری بدل گئی ان

کی حقیقت بدل گئی ، ہمارے ضلع اعظم گڑھ اور جونپور میں ایک خواجہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر تھے،ان کا حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا ہوا اور وہ بالآخر حضرتؒ کے قدموں میں پڑ گئے اور حضرتؒ کے خاص خلفاء میں ہو گئے ، وہ فرماتے ہیں ؎

مجذوب نا رسیدہ کو واصل بنادیا ☆ ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا

ایسے کو جو پڑا تھا مذلّت کے قعر میں ☆ اتنا اُبھارا صدرِ افاضل بنادیا

بھائی اس کی ضرورت ہے کہ اگر طالب بن کر کسی شیخ کے پاس جائیں تو فائدہ ہوگا ، مطلوب بن کر جائیں گے تو فائدہ نہیں ہوگا،اگر کسی شیخ نے یہ سمجھا کہ بغیر اصلاح ان کو اجازت دیدیں کہ یہ بڑے عالم ہیں، میرے حلقہ ارادت میں داخل ہو جائیں تو حضرت فرماتے کہ وہ بھی خائن ہے۔

میں اس وقت زیادہ دیر تک تقریر نہیں کرسکتا جیسا کہ میں نے حدیث شریف پڑھی ''الکیّس من دان نفسہ ،، ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنے ماحول کو بدلیں، اگر ہم اللہ والوں سے تعلق رکھیں گے اور اپنا محاسبہ بھی کریں تو حلال وحرام کی تمیز پیدا ہوگی۔

(ماخوذ از: الشارق اگست تا ستمبر ۲۰۰۶ء)

دارالمصنفین اعظم گڑھ میں

چند مفید باتیں

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادی له، و نشهد أن سيدنا مولانا محمداً عبده و رسوله، أما بعد!

جناب پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی صاحب، جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب!

اس اجتماع میں پروفیسر شروانی صاحب کے قیمتی مقالہ بعنوان ''مدارس اسلامیہ کے نصاب کا مسئلہ علامہ شبلی کے حوالے سے'' سے مستفید ہوا، اس مقالہ میں تبدیلی نصاب کے سلسلے میں علامہ شبلی کے نقطہ نظر کو پوری تفصیل سے واضح کیا گیا اور ندوۃ العلماء میں نصاب تعلیم کے سلسلے میں انہوں نے جو کوششیں کی تھیں ان کو بیان کیا گیا، اس پر حاضرین جلسہ کے بعض اہل علم کی آراء اور ان کے مناقشات بھی سامنے آئے، اس ناچیز کو صدر جلسہ کی حیثیت سے جو اعزاز بخشا گیا اس پر مشکور ہوں، اس موقع سے چند معروضات پیش کرنی ہیں۔

اس ناچیز کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس اور اس کے کاموں میں مشارکت کا تجربہ ہے، میرا وہاں سے تعلق تقریباً پچاس سال سے قائم ہے، اس کے علاوہ مدرسہ مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند سے بھی گہرا تعلق ہے، خود متحدہ عرب امارات میں خلیج کی سب سے ماڈرن یونیورسٹی جو العین میں قائم ہے جس میں اس وقت سولہ ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں، اس میں میں عرصہ تک پروفیسر رہا ہوں، اس لئے پروفیسر شروانی صاحب کے مقالے کی روشنی میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علامہ شبلی نے ہندوستانی مدارس کے نصاب تعلیم کے سلسلے میں جو صدا بلند کی تھی وہ کہاں تک اثر انداز ہوئی، علامہ رشید رضا مصری نے جامعہ ازھر میں نصاب تعلیم کی تبدیلی کے سلسلے میں جو کوششیں کیں ان کا ماحصل کیا رہا، ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد مغربی نظام یہاں قائم ہوا، اور اس کے اثرات اس ملک میں بلکہ پورے عالم پر پڑ رہے تھے، اسلامی علوم میں تحریف وتبدیل کی نئی نئی سازشیں کی جارہی تھیں، ان میں شکوک و شبہات پیدا کئے جارہے تھے، مستشرقین کی پوری جماعت نے (جن کی مغربی حکومتیں سرپرستی کررہی تھیں) بہت سی اسلامی کتابوں کو ایڈٹ کر کے اسلامی دنیا کے سامنے پیش کیا، مثلاً تاریخ ابن سعد، لیکن اس کتاب میں سب سے پہلے اس جزء کو شائع کیا جس کا تعلق حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے تھا، اس کا مقصد نقد اور تشکیک و شبہات تھا، بلاشبہ ان کی تحقیقات سے بعض مفید باتیں بھی سامنے آئیں، اس موضوع پر دارالمصنفین میں ایک عالمی سمینار منعقد کیا جاچکا ہے جس میں بہت سے علمی مقالات پیش کئے گئے تھے، مستشرقین کی جماعت کے افکار سے ہمارا جدید طبقہ جو تعلیم کی غرض سے یورپ جارہا تھا وہ خاص طور سے متاثر ہورہا تھا، علامہ شبلی چونکہ علی گڑھ میں رہ چکے

تھے اس لئے ان کو ان کے حالات اور افکار وخیالات کے جائزہ لینے کا پورا موقع ملا، انہوں نے مولانا احمد علی سہارنپوری سے جو مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں حدیث پڑھی تھی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا اور علامہ عبدالحئی لکھنوی کے سامنے فقہ کے حصول کے لئے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اس لئے ان کے اندر یہ غیرت پیدا ہوئی کہ اسلام کا دفاع کیا جائے اور ایسے علماء تیار کئے جائیں جو مستشرقین کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ عالم میں جب بھی اسلام کے خلاف کوئی سازش ہوتی ہے یا کوئی فتنہ ہونے والا ہوتا ہے، اس کی حفاظت اور دفاع کے لئے ایسے افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں جو اس سازش اور فتنہ کا پورا مقابلہ کرتے ہیں، ہندوستان میں جب یہ شکوک وشبہات کا فتنہ پیدا ہوا تو بلاشبہ جو نصاب تعلیم دارالعلوم دیوبند اور سہارنپور میں پڑھایا جارہا تھا وہ بھی بہت ضروری تھا، لیکن اس کی بھی ضرورت تھی کہ ایک ایسا دارالعلوم قائم کیا جائے جو جدید وقدیم کا سنگم ہو، وہاں ایسے افراد تیار کئے جائیں جو مغرب سے آنے والے فتنوں کا بھرپور جواب دے سکیں، اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ انگریزی پڑھ کر کسی یونیورسٹی میں لکچرار یا پروفیسر بن جائیں اور نہ صرف یہ تھا کہ محض روایتی مذہبی معلومات رکھنے والے دیندار افراد پیدا کئے جائیں، اس کے لئے تو بہت سے مکاتب قائم تھے، ان کا مقصد اس سے آگے یہ تھا کہ خود دیندار ہوں اور دین کے داعی بھی ہوں، حضور اکرم ﷺ کی نیابت کرنے والے ہوں، اس کے لئے فقہ اور تفسیر وحدیث میں بڑی تیاری کی ضرورت تھی، مزید برآں علوم جدیدہ کو پوری طرح حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تاکہ مغرب سے آئے ہوئے

اشکالات معلوم کئے جاسکیں اوران کی تردید کی جاسکے،اس لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علامہ شبلی کو اصرار تھا کہ انگریزی کونصاب تعلیم میں داخل کیا جائے ،صرف ونحو آسان کیا جائے ، ادب وانشاء کا ذوق پیدا کیا جائے تاکہ طلبہ بے تکلف لکھنے اور بولنے پر قادر ہوں، انہوں نے یہ جوصدا بلند کی اس سے عام طور پر لوگوں کا اتفاق تھا اختلاف نہیں تھا، اگراختلاف پیدا ہواتو وہ دیگر مسائل تھے۔

چنانچہ علامہ شبلی کے اس نظریہ کو آئندہ زمانے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی نافذ کرنے کی کوشش کی اورمولانا علی میاں صاحب نے اس کی اپنے دور میں تکمیل کرائی ،صرف ونحواورادب وانشاء میں کتابیں نئے انداز میں تیار کرائیں ،اور عربی زبان کونہایت اہمیت دی گئی ،اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ شبلی کا دل عشق الٰہی اورحبّ نبویؐ سے معمور تھا،سیرۃ النبیؐ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عاشق رسولؐ تھے، جوعاشق رسولؐ ہوگا اس کوامت اسلامیہ کی فکر ہوگی ، چنانچہ علامہ شبلی کی محنتوں کا ثمرہ دنیا کے سامنے آیا ، ان کے شاگردوں میں علامہ سید سلیمان ندوی ،مولانا حمیدالدین فراہی ،مولانا عبدالماجد دریابادی اورمولانا سید عبدالباری ندوی وغیرہ ہیں،یہ وہ حضرات ہیں جودرحقیقت ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندان عشق

کا مصداق تھے ، علامہ شبلی اسی طرح کے افراد پیدا کرنا چاہتے تھے ، اس سلسلے میں نصاب تعلیم کی تحسین کے لئے اوراس کوعمدہ بنانے کے لئے ندوہ میں کوششیں جاری تھیں۔

آج کل تبدیلیٔ نصاب کے سلسلے میں جوسمینار ہورہے ہیں،ان کے عمومی اور

مشتہر ہونے میں یہ خطرہ ہے کہ مخالفین کو یہ ہتھکنڈا نہ مل جائے جو مدارس عربیہ ہی کے مخالف ہیں جس کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں اور اخبار میں آپ پڑھ رہے ہیں، اس لئے اگر تبدیلیٔ نصاب کرنا ہے تو جو مدارس کے بڑے ذمہ دار ہیں وہ ایسے افراد کی ایک کمیٹی بنائیں جنہوں نے تدریس میں لمبی زندگی گزاری ہے اور وہ نصاب تعلیم میں غور و فکر کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، اس مسئلہ کو میڈیا کے سامنے لانا یا اس کے جلسے اور سمینار منعقد کرنا مدارس کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ ہے، ایک ایسا آدمی جو بخاری شریف سے واقف نہیں، فقہ میں اس کو رسوخ حاصل نہیں، مستشرقین کے افکار سے واقفیت نہیں، زمانے کے حالات پر اس کی نظر نہیں، وہ نصاب تعلیم کے سلسلے میں کیا مقالہ لکھے گا، اہل حضرات کی غیر موجودگی میں ورکشاپ منعقد کرنا ضیاع وقت ہے، اس لئے عرض ہے کہ علامہ شبلی نے جو آواز اٹھائی تھی اور امتداد زمانہ کے بعد تقریباً اس کے اکثر حصہ کو قبول کیا گیا، اس کا بہترین نمونہ ندوہ ہے جس کا اعتراف عرب کی یونیورسٹیوں نے کیا ہے۔

اخیر میں میں جناب مولانا ضیاء الدین صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے مدعو کیا اور جلسہ کی صدارت کا شرف بخشا، اور جناب ریاض الرحمٰن شروانی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے قیمتی مقالہ پیش فرمایا، جن کا پورا خاندان علامہ شبلی کا عاشق ہے اور میرا بھی اس ادارے سے گہرا تعلق ہے، اللہ کرے کہ اس طرح کے جلسے بار بار منعقد ہوتے رہیں، آمین۔

(ماخوذ از: الشارق مئی، جون ۲۰۰۷ء)

ابوظبی میں شیخ زاید کی مسجد کبیر میں

ایک تاریخی درس بخاری

بقلم: مولوی اسعد عالم مظاہری ندوی

ابوظبی کی مسجد کبیر اپنی وسعت اورخوبصورتی میں پوری دنیا کی مسجدوں میں تیسری مسجد شمار کی جاتی ہے، جس میں بیک وقت اکتالیس ہزار (۴۱۰۰۰) مصلی نماز ادا کر سکتے ہیں، فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ اس میں پیش کیا گیا ہے، صدر مملکت شیخ زاید بن سلطان آل نہیان رحمہ اللہ کو اس کی تعمیر کا خاص اہتمام تھا، انہوں نے اپنے صاحبزادے سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب وزیر اعظم حفظہ اللہ ورعاہ کو اس کی نگرانی کا ذمہ دار بنایا تھا، یہ مسجد اب تعمیر ہو چکی ہے اور دور دور سے سیاح اس کی زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔

۳ر مئی ۲۰۰۹ء کی شام کو میرے نانا حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کو فون پر اطلاع دی گئی کہ کل یعنی ۴ر مئی بروز دوشنبہ مغرب کے بعد آپ کا شیخ زاید کی مسجد کبیر میں بخاری شریف پر بیان رکھا گیا ہے، اس کا سبب یہ پیش آیا کہ بخاری شریف کو متعدد نسخوں سے مقابلہ کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے حاشیہ کے ساتھ نانا زید مجدہ کی تحقیق وتعلیق کے

ساتھ ۱۵؍جلدوں میں شائع کیا گیا ہے، یہ کتاب سمو الشیخ سلطان بن زاید آل نہیان کی خصوصی اعانت پر طبع ہونے ہوئی ،اسی مناسبت سے حضرت مولانا کا درس بخاری تجویز کیا گیا ،اسی درمیان یہ معلوم ہوا کہ اس درس میں سمو الشیخ بذات خود شریک ہو رہے ہیں ، نیز ان کے صاحبزادگان ودیگر علماء وقضاۃ اور ائمہ کو بھی دعوت دی گئی ہے، اس لیے دوسرے دن مغرب کی نماز نانا زیدت مکارمہ نے اپنے رفقاء کے ساتھ اس مسجد میں ادا کی ، شیخ سے اور دیگر حضرات سے ملاقات ہوئی ، خیال تھا کہ حضرت مولانا کے علاوہ دوسرے علماء کا بھی بیان ہوگا لیکن سب نے متفقہ طور پر نانا مدظلہ کی طرف اشارہ کیا، چنانچہ حمد وثنا کے بعد درس بخاری کا آغاز فرمایا اور اس درس میں اس کی بھی رعایت فرمائی کہ گفتگو علمی ہونے کے ساتھ ساتھ عام حاضرین کے لئے بھی استفادہ آسان ہو۔

حضرت مولانا مدظلہم نے پہلے حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھی اور یہ بتایا کہ اس کو حدیث رحمت بھی کہا جاتا ہے اور اس حدیث شریف میں آپس میں محبت کی دعوت دی گئی ہے، ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ رحمۃ للعالمین تھے ، آپ کی ذات گرامی سارے عالم اور پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئی تھی ، ان تمہیدی کلمات کے بعد انہوں نے اصل موضوع پر گفتگو فرمائی اور یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ لہذا جب قرآن مقدس کی حفاظت کا وعدہ ہے تو اس کی شرح وبیان کا بھی وعدہ ہے: ﴿وأنزلنا إليک الذكر لتبين للناس﴾ اس لیے دین اسلام، قرآن وحدیث کی تمام خصوصیات اور پوری جامعیت کے ساتھ عہد بہ عہد امت میں

منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی نظام کے تحت دین مبین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، جس زمانہ میں اسلام کی حفاظت کے لیے جیسی ضرورت پیش آئی اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے محافظ افراد پیدا کیے جنہوں نے اسلام کی پاسبانی کا پورا حق ادا کیا، جب ضرورت تھی کہ احادیث صحیحہ کا مجموعہ تیار کیا جائے اور ایسی کتاب وجود میں آئے جو ''أصح الكتب بعد كتاب الله العزيز''قرار پائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تالیف کے لیے سرزمین عجم سے محمد بن اسماعیل البخاری کو پیدا فرمایا جن کے دادا کے دادا مجوسی اور کاشتکار تھے، امام بخاریؒ پیدائش کے بعد بچپن ہی میں نابینا ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کی دعا کی برکت سے ان کو بینا بنا دیا اور ان کی بینائی اس طرح عود کر آئی کہ ۱۸ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں روضۂ پاک علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ''التاريخ الكبير'' اور ''قضايا الصحابة و التابعين'' جیسی کتاب تالیف فرمائی اور حافظہ ایسا تھا کہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مصنفین نے آپ کے بارے میں یہ اعتراف کیا ہے کہ امام صاحبؒ کا حافظہ اسلام کی کرامت ہے، زہد و تقویٰ، ورع و توکل اور اخلاق حسنہ میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے، حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحيح'' کا خُطہ حرمین شریفین میں تیار فرمایا اور ابواب و تراجم کو پانچ سال مدینہ منورہ میں قیام کر کے مسودہ سے مبیضہ میں تبدیل فرمایا، ہر ترجمہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ فرماتے تھے، جب شرح صدر ہو جاتا تو ترجمہ لکھتے تھے جیسا کہ حدیث شریف کے درج میں ان کا اہتمام تھا، اس لیے کہا گیا ہے:

كـأن البـخـاريَّ فـي جـمـعـه　　تلقّى من المصطفى ما اكتسب

گویا امام بخاریؒ اپنی اس تالیف میں براہ راست نبی کریم ﷺ سے استفادہ فرمارہے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے عناوین وتراجم میں ایسے اسرار وحکم ہیں جن کے سمجھنے سے بڑے بڑے علماء قاصر رہے ہیں، اس موضوع پر سب سے اہم اور جامع کتاب ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیثؒ کی "**الأبواب والتراجم**" ہے۔

پھر حضرت مولانا دامت برکاتہم نے حدیث اخلاص پر گفتگو کی اور اخلاص نیت کی شرح کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس وقت مسلمانوں میں دینی حالت کے اعتبار سے تین طبقے ہیں:

(۱)　بہت تھوڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو نیک نیتی سے اللہ ورسول کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کا حصول ان کا منتہی ومقصود ہے۔

(۲)　دوسری بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو خاندانی اور موروثی مسلمان کہلاتے ہیں، ان کی زندگی میں اسلامی احکام وہدایات کی کوئی پابندی نہیں ہے اور احکام اگر ادا کرتے ہیں تو نیت کا استحضار نہیں ہوتا۔

(۳)　ان دونوں طبقوں کے علاوہ ایک بہت معمولی طبقہ ایسا ہے جو بد نیتی سے عبادت میں شریک ہوتا ہے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں اخلاص واستحضار پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے صحبت اور ماحول کی ضرورت ہے ﴿**يـا أيهـا الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين**﴾. (سورۂ توبہ ۱۱۸)

پھر نانا زید مجدہم نے حدیث "**إنـمـا الأعـمـال**............" پر گفتگو کرتے

ہوئے بیان فرمایا کہ حضرت امام بخاریؒ نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' کے آغاز میں نقل فرمایا ہے، اس میں حدیث شریف کا پہلا فقرہ ''**فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله**..........'' حذف کردیا ہے حالاں کہ اس حدیث کو کتاب میں اس مقام کے علاوہ چھ مقام پر بھی نقل فرمایا ہے لیکن مذکورہ فقرہ کو حذف کرنے میں کیا مصلحت ہے اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تواضعاً حذف فرمادیا ہے تاکہ یہ نہ خیال ہو کہ اپنا تزکیہ کررہے ہیں۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ نے ہمارے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ سوال رکھا کہ حافظ صاحبؒ کے جواب سے اطمینان نہیں ہورہا ہے، حضرت نے برجستہ فرمایا: ایک ہے جلب منفعت اور ایک ہے دفع مضرت، پہلے فقرہ کا تعلق جلب منفعت سے ہے اور دوسرے کا تعلق دفع مضرت سے ہے، اس سے پہلے فقرہ کے حذف کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ پہلے دفع مضرت کیا جائے، یعنی قلب کو سارے خارجی خیالات سے پاک کر کے دل کو سنوار جائے اور اس قابل بنایا جائے کہ سہولت سے اسلامی احکام پر چلنا آسان ہو جائے، یہ اصول میں ہے کہ پہلے تخلیہ ہوگا پھر تزکیہ ہوگا، اس کے بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم نے امام بخاریؒ کے نسخوں پر گفتگو فرمائی کہ یہ کتاب امت میں تواتر کے ساتھ منتقل ہوتی چلی آرہی ہے اور ہر دور میں علماء کی کثیر جماعت صحیح بخاری کی تدریس یا اس کی خدمت میں مشغول رہی ہے، اس کے بعد مولانا نے بخاری شریف کے نسخوں کے اختلاف کی حقیقت کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بفضل اللہ بعض اہم

نادر نسخے مخطوطات کی شکل میں ''مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی'' ہند کی لائبریری میں موجود ہیں۔

اور اخیر میں یہ بیان فرمایا کہ حدیث شریف سے اشتغال رکھنے والے کا تعلق حضور ﷺ کی بارگاہ سے بلا واسطہ ہوتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ روضۂ پاک سے ایک نورانی دھاگہ نکل کر مشتغل بالحدیث کے قلب تک پہونچ رہا ہے، اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے، مشہور حدیث ''**نضر اللہ امرءاً سمع مقالتی**............'' آپ ﷺ اس حدیث شریف میں حدیث پاک کے سننے والے اور خدمت کرنے والے کے لیے دعا بھی فرمائی ہے اور آخرت میں بشارت بھی دی ہے کہ جو شخص حدیث شریف سے اشتغال رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو دنیا میں بھی تر وتازہ رکھے گا اور آخرت میں بھی اس کے لیے بشارتیں ہیں۔

یہ مختصراً میں نے اشارہ کیا ہے ورنہ تقریر بہت مفصل اور مدلل تھی، حاضرین بہت محظوظ و متأثر ہوئے، ٹیلی ویژن وغیرہ پر پوری تقریر نشر کی گئی تھی، مقامی عربی اخباروں کے علاوہ لندن کے جریدہ 'العرب' نے بھی اس خبر کو نقل کیا، اخیر میں دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

(ماخوذ از: الشارق مئی جون ۲۰۰۹ء)

معوذتین کی اہمیت

[جامعہ اسلامیہ کی مسجد میں معوذتین کی اہمیت پر کی گئی تقریر]۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ،أمابعد!

قرآن کریم عربی زبان میں اترا جس کا ہندوستان کے عوام کو سمجھنا مشکل تھا، اس لیے ہندوستان میں سب سے پہلے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷٦ھ) نے ۱۱۵۰ھ میں فارسی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا جس کا نام ''فتح الرحمٰن'' رکھا۔

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ کے پچپن سال کے بعد ۱۲۰۵ھ میں ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر دہلوی نے اردو میں قرآن کریم کا بامحاورہ ترجمہ کیا مگر اس کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ محاورہ مدلول قرآنی کے تابع رہے، ایسا نہ ہو کہ مدلول قرآنی محاورۂ زبان پر قربان کردیا جائے، یہ اردو میں سب سے پہلا ترجمہ تھا جو نہایت عمدہ ہے اور بے مثال اور بے نظیر ہے اور علمائے ربانیین کے نزدیک مستند اور معتمد ہے، اس کا نام ''موضح القرآن'' ہے۔

دوسرا اردو ترجمہ شاہ عبدالقادر کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ نے کیا مگر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تحت اللفظ تھا کہ جو ترتیب الفاظ قرآنی کی

ہے وہی اردو ترجمہ کے الفاظ کی رہے تا کہ کم استعداد والے کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔

شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے ۱۲۰۸ھ میں فارسی زبان میں ایک مبسوط تفسیر لکھنی شروع کی جو حقائق ومعارف میں بلا شبہ امام رازی کی تفسیر کبیر کا نمونہ تھی مگر افسوس کہ مکمل نہ ہوسکی، ایک حصہ میں صرف پارہ الم اور پارہ سیقول کی آیت ﴿وأن تصوموا خيرٌ لكم﴾ تک تفسیر آئی اور دوسرے حصہ میں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم کی تفسیر آئی، اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو اس کی نظیر نہ ہوتی جیسا کہ تفسیر عزیزی کے موجودہ حصہ کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے دقیق اور عمیق علوم کسی اور تفسیر میں نظر نہیں آتے۔

اب اس منزل کے طے ہو جانے کے بعد ضرورت اس کی تھی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی کوئی مختصر اور جامع تفسیر لکھی جائے جس میں فقط حل مطالب اور ربط آیات کا خاص اہتمام کیا جائے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی طرح اقوال مختلفہ میں سے ارجح الاقوال پر اکتفا کیا جائے اور لطائف اور نکات اور مذاہب باطلہ کی تردید کی تفصیل سے گریز کیا جائے تا کہ خاص وعام اس سے نفع اٹھا سکیں۔

یہ خدمت اور یہ سعادت من جانب اللہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ کے حصہ میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت اور جامعیت اور مقبولیت میں ثریا تک پہونچ گئی، یہ ترجمہ بالکل الہامی ہے، مثلاً حضرت نے ﴿و وجدک ضالا فهدى﴾ کا ترجمہ کیا ہے "اور پایا تم کو ناواقف تو واقف بنادیا"۔

اوراسی طرز پرایک نہایت مختصراور جامع تفسیر جو جدید شبہات کے قلع قمع کے لیے کافی اور شافی ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیراحمد عثمانی دیوبندی نے لکھی جو نہایت مقبول ہوئی اور فصاحت وبلاغت اور حسن تعبیر کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے اور ترجمہ بھی الہامی ہے۔

سورۃ الناس مکی ہے،اس کا نزول سورۃ الفلق کے بعد ہوا اور سورۂ فلق کا نزول سورۃ الفیل کے بعد ہوا،اور سورۃ الناس ترتیب قرآنی میں اخیر میں رکھی گئی اور قرآن کریم کی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یعنی قرآن کریم کو مختلف آیتوں اور سورتوں میں تقسیم وترتیب خود رسول اللہ ﷺ فرما گئے تھے،ربط آیات وسور کے سلسلہ میں دو کتابیں بڑی اہم ہیں (۱) نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، یہ امام المفسرین برہان الدین أبی الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ۸۸۵ھ مطابق ۱۴۸۰ء کی تصنیف ہے جو ۲۲ جلدوں میں ہے (۲) اور دوسری کتاب شیخ علی مہائمی متوفی ۸۳۵ھ-۱۴۳۲ م کی تفسیر مہائمی ہے۔

جب نعمت مکمل ہوجاتی ہے تو دشمن کے حسد وفریب اور تخریب کے سوا کوئی خوف باقی نہیں رہتا،تو تخریب سے حفاظت کے واسطے معوذتین کا نزول ہوا،یا تو یہ تخریب حسد کے ذریعہ ہوگی یا شیطانوں کے ذریعہ ہوگی، چنانچہ ان تمام چیزوں سے ان دونوں سورتوں میں پناہ مانگی گئی ہے۔

شان نزول: لبید بن اعصم یہودی نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا جس کا اثر آپ پر یہ ظاہر ہوا تھا کہ جو کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا آپ کو ایسا گمان ہونے لگتا تھا کہ

شاید کرلیا ہے، جب یہ عارضہ لاحق ہوئے چھ ماہ ہوگئے تو ایک رات آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آئے، ایک آپ کی پائنتی کی طرف کھڑا ہوگیا دوسرا آپ کے سرہانے کی طرف کھڑا ہوگیا، دونوں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، ایک نے پوچھا کہ ان کو کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے، پہلے نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے ان کا بال کنگھی سے لیا ہے اوران کی کنگھی کے دندانوں میں کمان کے چلّے سے گیارہ گرھیں لگائی ہیں اوراس کو کھجور کے پھول کے غلاف میں لپیٹ کرفلاں اندھے کنویں میں پتھر کے نیچے دبادیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب صبح بیدار ہوئے تو صحابۂ کرامؓ کے ساتھ اس کنویں پر گئے، دوآدمی کنویں کے اندر اتارے، وہ پتھر کے نیچے سے نکال لائے، تب حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین لے کرآئے، ان دونوں سورتوں میں گیارہ آیتیں ہیں، جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھ کر پھونکتے تو ایک گرہ کھل جاتی، اس طرح آپ ﷺ نے جب گیارہ آیتیں پڑھیں اوراس پردم کرتے رہے تو وہ سب گرہیں کھل گئیں اورآپ ﷺ کو مکمل صحت یابی حاصل ہوئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پرسحر کا اثر کیسے ہوگیا؟ جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ پر بحکمت الٰہی سحر کا اثر ہوجانے سے مقصود یہ تھا کہ امت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آسکتا ہے اور جب یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کا علاج یہ دونوں سورتیں ہیں۔

اس سورہ میں شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ تین ناموں رب ،

ملک ،**إلٰہ**، سے استعاذہ میں نکتہ یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں تین راستوں سے داخل ہوتا ہے۔

(۱) شہوت کے راستے سے

(۲) غضب کے راستے سے

(۳) باطل عقیدے کے راستے سے۔

سو''**برب الناس**'' میں شان ربوبیت کو بیان کیا ہےاور ''**ملک الناس**'' میں شان بادشاہت کو بیان کیا ہےاور''**إلٰہ الناس**''میں باطل عقیدے کے شرکو دفع کرنا مقصود ہے۔

گویا یہ تعلیم دی ہے کہ اگر شیطان تمہیں شہوت کے راستے سے وسوسہ ڈالے تو تم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر نظر کرو، اس سے شہوت کا ازالہ ہوجائے گا اور اگر غضب کے راستے سے وسوسہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ، اس کا عدل اور بدلہ لینے کی قدرت کو یاد کرو(کہ اگر تم بے جا زیادتی کروگے تو اللہ تعالیٰ تم سے بدلہ لے گا)اس سے غضب کا ازالہ مقصود ہے اور اگر باطل عقیدے کے راستے سے وسوسہ ڈالے تو الوہیت کے مرتبے کی طرف التجا کرو اس سے باطل عقیدہ کا ازالہ مقصود ہے۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور بادشاہت وغیرہ تو تمام مخلوقات کو شامل ہے پھر یہاں ''**الناس**''کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان صفات کا جیسا کامل ظہور انسانوں میں ہوا کسی دوسری مخلوق میں نہیں ہوا، اس لیے ''رب''اور''**ملک**''وغیرہ کی اضافت اُن ہی کی طرف کی گئی ، نیز وساوس میں مبتلا

ہونا بجز انسان کے دوسری مخلوق کی شان بھی نہیں۔

"**الوسواس الخناس**" یہاں وسواس سے مراد شیطان ہے اور وسوسہ اس خفیف آواز کو کہتے ہیں جس کا مفہوم تو دل تک پہونچ جائے اور تلفظ سنائی نہ دے ،اور "**الخناس**" "الوسواس کی صفت ہے، یہاں اس کو خاص اس صفت کے ساتھ ذکر کر کے اس سے پناہ اس لیے مانگی گئی ہے کہ اس مردود سے بچنا بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس سے محفوظ رہنا کسی کے بس کی بات نہیں، اس لیے کہ وہ چھپا ہوا دشمن ہے، سامنے کے دشمن سے بچنا آسان ہوتا ہے مگر چھپے ہوئے دشمن سے حفاظت مشکل ہوتی ہے۔

"**صدور**" سے مراد قلوب ہے یا یہ کہ سینہ ہے جس میں دل چھپا ہوا ہے۔

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ **الناس** کو صراحت کے ساتھ پانچ بار ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر جگہ الناس سے مراد جدا جدا ہے ،پہلی جگہ 'ناس' سے مراد لڑکے ہیں وہاں پرورش کا ذکر ہے جو اُن کے حال کے مناسب ہے، دوسری جگہ جوان مراد ہیں وہاں ملک کا لفظ آیا ہے جو قہر وسیاست پر دلالت کرتا ہے اور یہ ان کے حال کے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ قوت غضبیہ وشہویہ ان میں درجۂ کمال پر ہوتی ہے، تیسری جگہ ناس سے مراد بوڑھے ہیں کہ وہاں 'إلــه' کا لفظ آیا ہے جو طاعت وعبادت پر مبنی ہے اور یہ ان کے حال کے مناسب ہے، چوتھے مقام پر صلحاء مراد ہیں اس لیے کہ شیطان اکثر صالحین کو گمراہ کرنے پر ہی کمر بستہ ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں وساوس ڈالنے کی بہت کوشش کرتا ہے، پانچویں مقام پر مفسد وشیاطین مراد ہیں

جن کا کام ہی وسوسہ ڈالنا اور بہکانا ہے۔

قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ سے شروع فرمایا ہے جس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اس کی مدد حاصل کرنا اور اس سے صراط مستقیم کی توفیق مانگنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور صراط مستقیم یہی دو چیزیں ہیں جن میں انسان کی دنیا و دین کے سب مقاصد کی کامیابی مضمر ہے، لیکن ان دونوں چیزوں کے حصول میں اور حصول کے بعد اس کے استعمال میں ہر قدم پر شیطان لعین کے مکر وفریب اور وسوسوں کا جال بچھا رہتا ہے، اس لیے اس جال کو پاش پاش کرنے کی مؤثر تدبیر استعاذہ پر قرآن کو ختم کیا گیا۔

(ماخوذ از: الشارق ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

برصغیر میں اسلام کی بقاء وتحفظ کے لیے

مدارس اسلامیہ کا کردار اور ان کے فضلاء کے کارنامے

ایک مختصر جائزہ

[جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں کی گئی تقریر]

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد وآله وصحبه أجمعين، أمابعد!

اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا قیامت تک کے لیے ذمہ لیا ہے، ''**إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون**'' اللہ تعالیٰ نے اس دین کے اندر ایسی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کسی خارجی اثرات سے متأثر نہیں ہوسکتا، وہ اپنی بقا وتحفظ کے لیے، اپنی مضبوط ترین قوت سے ہر طرح باطل کا دفاع کرتا رہے گا، لیکن اللہ اس کی حفاظت کے لیے ہر زمانے میں اس زمانے کی ضرورت کے مطابق ایسے افراد پیدا فرماتا رہا ہے جو اس دین الٰہی کی حفاظت کا کام انجام دیتے رہے، پچھلی صدیوں میں جو کچھ پیش آیا اور ہر دور میں اسلام کی حفاظت، اسلام دشمنوں کا مقابلہ اور ان سے مدافعت اور وقت کی دینی ضرورت کے مطابق اشخاص جس طرح پیدا ہوتے رہے ان کے حالات تاریخ کے صفحات میں مذکور ہیں، انسانی طبیعت وفطرت زمانے کے حالات کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، انسان کے نظریات تبدیل ہوتے رہتے ہیں، ہر صدی کے آغاز میں آپ غور کریں، تو اس طرح کی تبدیلیاں نظر آتی ہیں، ہر زمانے

میں باطل پرستوں نے دین کے اندر نئے نئے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں کیں، اس لیے ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد یا مجددین کی جماعت پیدا فرماتا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "**إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها**"۔

(سنن ابوداؤد: ص۴۲۹۳)

اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں اس امت کے لیے ایسے شخص یا اشخاص پیدا کرتا رہا جو دین کی تجدید وحفاظت کی خدمت انجام دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ "**تفهيمات**" میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس سے مراد فرد واحد بھی ہوسکتا ہے اور پوری جماعت بھی، اور سو سال کی مدت حدیث شریف میں تقریبی ہے اس میں کمی زیادتی بھی واقع ہوسکتی ہے، اس کی بکثرت مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں، کبھی کوئی ایسی طاقتور شخصیت مجدد بن کر منصۂ شہود پر آئی، جس نے اپنے شاگردوں اور متعلقین کے ساتھ مل کر دین کی حفاظت کا کارنامہ انجام دیا، اور کبھی ایسا ہوا کہ پوری جماعت اس کام کے لیے وجود میں آئی اور ہر ایک فرد نے اپنے اپنے میدان میں اسلام کی خدمت انجام دی، جیسے حضرت شاہ صاحبؒ نے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو مجددین کی صف میں شمار فرمایا ہے، یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب صدی کے شروع میں مجدد یا مجددین کی جماعت وجود میں آئے گی آیا لوگ دوسری صدی کے آغاز تک انتظار کریں گے؟ ایسی حالت میں تو باطل طاقتیں صدی کے وسط میں اسلام کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی، اور وہ اپنے حملوں سے باز نہیں آئیں گی، اس کا بھی اللہ تعالیٰ نے انتظام فرمایا ہے، حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ، ینفون عنہ تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، وتأویل الجاھلین. (مشکل الآثار:ص۳۴٦۹)

سلف کے بعد ان کے خلف میں ایسے معتدل لوگ ہمیشہ رہیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریفوں، باطل پرستوں کی دروغ گوئیوں اور تلبیسات اور جاہلوں کی رکیک تاویلات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے۔

ہر زمانے میں ایک جماعت حقہ جو مؤید من اللہ ہوگی، وہ نبیؐ کی پیروی کرے گی اور شریعت پر گامزن رہے گی، ارشاد نبویؐ ہے: ''**لایزال من أمتي أمة قائمة بأمر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یأتي أمر اللہ وھم علی ذلک**''. (بخاری شریف: رقم ۳۴۴۲)

امت میں ہمیشہ ایک جماعت امر حق پر قائم رہے گی، کوئی ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر، ان کی مخالفت کر کے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے ؎

کیا مٹائے گا مرا نام و نشاں جس کے قبضے میں نہیں سود و زیاں

بارہویں صدی ہجری میں پورے عالم اسلامی پر دینی وفکری انحطاط طاری تھا، خود ہندوستان کو دیکھئے یہاں اکبری عہد میں اسلام کی جو حالت زار ہو چکی تھی، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی بنیادیں اس ملک میں درہم برہم ہو جائیں گی، عین اس وقت سرہند و دہلی کے دو خانوادوں سے وہ اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے ان فتنوں کا سد باب کیا، اور اسلام کے قلعے اور اس کی تعلیمات کو اس سرزمین میں از سر نو محفوظ کیا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے صاحبزادگان

وتلامذہ اوراس سلسلہ کے افراد کے ذریعہ اس ملک میں اصلاح اور دعوت وتبلیغ دین کا ایسا ولولہ پیدا ہوا جس نے پورے ملک کے اندر بیداری پیدا کردی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجددین کی تاریخ میں اس شان کے مالک ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر ان سے زبردست اصلاحی وفکری اور علمی وروحانی کام لیا جس کے اثرات آج تک اس ملک میں باقی ہیں، اوران کا فیض سارے عالم میں رواں دواں ہے، ان کے مدرسہ رحیمیہ سے ایک ایسی جماعت تیار ہوکر سامنے آئی جس نے اسلام کی ترجمانی کا صحیح نقشہ اوراس کی فکری قیادت کے اعلیٰ نمونے پیش کیے، ان میں ان کے بڑے صاحبزادے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے شاگردوں میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ وغیرھم ہیں، ان حضرات سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جو کام لیا اس کا فیض اب تک جاری ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے تلامذہ میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے شاگرد بھی ہیں، اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ وغیرہم ہیں۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی عمل داری کے بعد شدید ضرورت تھی کہ اسلامی علوم اوران کی خصوصیات وامتیازات کی اس ملک میں حفاظت کی جائے تو اسی جماعت کے افراد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور دیگر علماء نے الہامی طور پر مدارس قائم فرمائے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم اوراس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دیگر ادارے وجود میں آئے، اوراس کے بعد انہیں کے منہج اور طریقے کے مطابق

مدارس کا سلسلہ پھیلتا رہا اور آج تک پھیل رہا ہے، یہ پوری جماعت اپنے اسلاف کی روحانیت اور ان کے علوم کی جامع تھی اور ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

کی مصداق تھی، ان حضرات کا پیغام یہی ہے کہ ہر فاضل کا سینہ دینی حمیت وغیرت سے معمور رہے اور وہ عشق الٰہی اور حب رسول ؐ سے سرشار ہو، رسوخ فی العلم اور حالات حاضرہ پر نظر اس کی امتیازی شان ہو، ان مدارس کے فضلاء کو ہم اگر میدان تدریس میں دیکھیں تو ان کا سلسلہ اس ملک سے نکل کر عرب ملکوں تک پہنچتا ہے، ان میں سے ایک حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ذکر کر رہا ہوں کہ وہ جس وقت مسجد نبویؐ میں درس دے رہے تھے، شیخ بشیر ابراہیم جزائری جو الجزائر کی آزادی کے مشہور رہنما تھے، وہ مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے اور مختلف علماء کے درس کا جائزہ لیتے رہے، لیکن وہ جس وقت حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث میں پہنچے تو وہ فرماتے ہیں کہ میری حالت دگرگوں ہوگئی، ایسی نورانیت اور ایسی لذت وحلاوت محسوس ہوئی کہ میں بیان نہیں کرسکتا، ان کے علاوہ ہمارے ملک کے بہت سے علماء ہیں جو حرمین شریفین جاتے رہے اور ان سے سینکڑوں علماء فیضیاب ہوتے رہے۔

اسی طرح تصنیف وتالیف کے میدان میں ان مدارس کے فضلاء کی کتابیں پورے عالم اسلامی کے کتب خانوں کی زینت ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی فتح الملہم، علامہ کشمیریؒ کی فیض الباری، علامہ شوق نیمویؒ کی آثار السنن، حضرت سہارنپوریؒ کی بذل المجہود، مولانا عظیم آبادیؒ کی عون المعبود، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کی تحفۃ الأحوذی، اور ہمارے استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی أوجز المسالک، الأبواب والتراجم اور جزء حجۃ الوداع وغیرہ کتابیں اس وقت پورے

عالم اسلامی کے باحثین اور قضاۃ کے لیے مرجع ومصدر بنی ہوئی ہیں، شیخ الازہر نے اپنے ایک خط میں اوجز المسالک کے جدید ایڈیشن کو دیکھ کر تحریر فرمایا: ''یہ کتاب علماء وباحثین کے لیے مؤلف کی طرف سے بہت عظیم تحفہ ہے اور عرب وہند کے تعلقات کا بڑا ذریعہ ہے''، اور اخیر میں الجامع الصحیح للامام البخاری جو حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے حاشیہ کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی ہے اس کے بارے میں علمائے عرب اور عالم اسلامی کے تأثرات اگر میں تحریر کروں تو ایک پورا مقالہ تیار ہو جائے۔

انہیں مدارس کے فضلاء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی دعوت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عرب وعجم میں دینی اصلاح کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی، اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی کتاب حیاۃ الصحابہؓ کثرت سے پڑھی جانے والی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

اسی طرح جب پورے عالم عربی میں ذہنی وفکری ارتداد کی لہر قومیت عربیہ کی شکل میں ظاہر ہوئی تو ہمارے انہیں مدارس کے فضلاء میں ہم سب کے استاذ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات اور محاضرات نے اس کے لیے سدِ سکندری کا کام انجام دیا، اور بہت سے عرب نوجوانوں کو فکری ارتداد سے بچالیا۔

جب خمینی کی دعوت سے نوجوان طبقہ متأثر ہو رہا تھا تو بلاشبہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الثورۃ الإیرانیۃ' اور حضرت مولانا علی میاںؒ کی کتاب ''صورتان متضادتان'' نے نوجوان طبقہ کو اسلام کی صحیح فکر سمجھنے میں مدد کی، آج بھی پورے عالم اسلامی میں فکری قیادت کا فقدان ہے ؎

سنی نہ مصر وفلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

دین کی صحیح فکر اور اس کی وہ ترجمانی جو ہمارے اسلاف سے ہم تک پہنچی ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی قدردانی کی توفیق دے اور ہمارے اندر علمی رسوخ اور حب الٰہی اور عشق رسول ؐ کا جذبہ پیدا ہو تو آج بھی ان مدارس سے ایسے فضلاء تیار ہو سکتے ہیں جو نہ صرف اس ملک میں بلکہ پورے عالم اسلامی میں بھی فکری واصلاحی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں گے، ان مدارس سے ہمیں بہت سی امیدیں وابستہ ہیں ؂

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اخیر میں اپنی گفتگو کو ایک قصہ کے بیان پر ختم کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ:
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا جہاز حج سے واپسی میں یمن کی بندرگاہ پر رُکا، تو انہیں معلوم ہوا کہ یہاں کوئی معمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان سے اجازت حدیث کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ان کی خدمت میں تشریف لے گئے، انہوں نے پوچھا کہ آپ کس کے شاگرد ہیں؟ جواب دیا کہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے، وہ ان سے ناواقف تھے، پھر پوچھا کہ وہ کن کے شاگرد ہیں؟ جواب دیا کہ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے وہ ان سے بھی ناواقف تھے، پھر پوچھا وہ کن کے شاگرد ہیں؟ جواب دیا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے، وہ حضرت شاہ صاحبؒ سے واقف تھے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ طوبیٰ کا درخت ہیں، جہاں جہاں اس کی شاخیں ہیں وہ جنت ہے، ان کا یہ کلام بڑی اہمیت کا حامل ہے، بلاشبہ ہمارے مدارس اسی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، انہیں میں سے آپ کا یہ ادارہ بھی ہے، جس میں آج کا یہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔

اللہ کرے ہمارے ان مدارس اور اس مدرسہ سے ایسے افراد پیدا ہوں جن کی

اس زمانہ میں ضرورت ہے ؎

بہت غور سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سوگئے داستاں کہتے کہتے

وما ذلک علی اللہ بعزیز.

(ماخوذ از: الشارق مئی، جون ۲۰۱۲ء)

سچا طالب علم بننے کی ضرورت ہے

(جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے طلبہ کے سامنے کیا گیا خطاب)

نحمدهٗ ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

قال النبي صلى الله عليه وسلم: العلماء ورثة الأنبياء.

عزیز طلبہ! کئی روز سے کچھ کہنے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن مصروفیات اجازت نہیں دے رہی تھیں، آج تھوڑی دیر کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا ہوں، کوئی نئی بات تو ہے نہیں، وہی پرانی بات، لیکن نئے انداز میں بیان کر رہا ہوں تا کہ پرانی بات یاد آجائے اس لیے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جو کچھ کہا تھا سب بھول گیا ہے، کچھ عمل کے آثار نظر نہیں آرہے ہیں، لہٰذا وہ پرانی بات یاد دلانے کے لیے کچھ کہنا چاہ رہا ہوں۔

دیکھو یہ جتنے مدارس ہندوستان کے اندر ہیں جن کی ایک امتیازی شان ہے یہ مدرسہ بھی انہیں کا ایک جزء ہے۔

آج پوری دنیا کے اندر شر وفتن کا دور دورہ ہے، کفر والحاد، زندیقیت، فرعونیت، طاغوتیت کا دریا رواں ہے، جدھر بھی دیکھئے فتنے پھیلتے اور بڑھتے چلے آرہے ہیں، مادیت کا طوفان زوروں پر ہے جس نے تمام انسانیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، ایسے نازک اور پُرفتن دور میں ان مدارس کی حالت اس ٹرین کی سی ہے جو مادیت

کے طوفان میں گھری ہوئی ہے بلکہ یوں کہئے کہ کشتی نوح کے مانند ہے،من رکب نجا، اب جو کشتی پر سوار ہونے کی قدر نہ کرے گا یا اس میں پہنچ کر چھلانگ مارے گا تو ڈوب جائے گا، کوئی ایسا طالب علم جو یہ سوچے کہ میں کشتی نوح سے چھلانگ لگا کر نکل جاؤں گا، ساحل نجات تک پہنچ جاؤں گا، کامیابی کی منزلوں کو طے کرلوں گا تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی، نفس کا دھوکہ ہے جو اس کا جانی دشمن ہے، ایسا طالب علم یقیناً ڈوب جائے گا، کامیابی کی راہیں اس کے لیے ہموار ہو ہی نہیں سکتیں، یہ مدارس کشتی نوح ہیں جو موج حوادث کو چیرتے پھاڑتے، منزل ربانی کی طرف بڑھے چلے جارہے ہیں، لہٰذا ان کی قدر کرو، ان کو پہچانو، انہیں عزت ووقار کی نگاہوں سے دیکھو، ان کے دستور وقوانین کو بجالاؤ، یہ جس منہج پر لے چلیں اس منہج کو اختیار کرو، جس سانچے میں ڈھالیں اسی میں ڈھل جاؤ، ان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے، ان کے حقوق کی ہرگز پامالی نہ ہو، اس لیے کہ یہ روضة من ریاض الجنة ہیں اور ظاہر ہے جو شخص باغ رسولؐ میں ہو وہ اپنے روز وشب کتنے نپے تلے انداز میں گذارے گا، کتنے احتیاطی پہلو اختیار کرے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی لغزش سرزد ہوجائے اور یہاں کے فیوض وبرکات سے محرومی کا بار اٹھانا پڑے۔

تمہارے والدین نے تمہارا انتخاب کیا اور مدارس میں بھیجا تاکہ تم کامیاب ہو اور دوسروں کو بھی کامیابی کا راز بتلاؤ، میرے والد کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا، میرے دادا مرحوم کی خواہش تھی کہ میرا یہ بچہ عالم بنے، لہٰذا ان کے رحلت فرمانے کے بعد دادا نے پرورش کی اور دادا جان جب دوسرے عالموں کو مسجدوں میں تقریر کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے تھے کہ میرا ابا بو بھی عالم بنے گا لہٰذا میرا داخلہ مدرسہ کے اندر کرادیا

اور جب میں پڑھ کر فارغ ہوا تو رشتہ وغیرہ کی عورتیں میری والدہ محترمہ سے کہا کرتی تھیں کہ خدا کا شکر ادا کرو تیرا بیٹا عالم ہو گیا ہے۔

یہ مدرسہ کشتی نوح ہے لہٰذا جو اس کی رعایت کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو نہ کرے گا وہ ڈوب جائے گا، تم کو اس کشتی نوح پر سوار اس لیے کیا گیا ہے تاکہ تم اس کشتی کو چلانے والے بنو، منجدھار سے اسے باحفاظت نکالنے والے بنو، دین کو پھیلاؤ، اس کی خوب اشاعت کرو، یہی تمہارا شیوہ ہونا چاہیے، تمہارے مقاصد تو بہت بلند ہیں، جو حدیث میں نے پڑھی ہے اس میں تم کو نائب نبی کہا گیا ہے، اللہ مجھے بھی نائب نبی بنائے اور تمہیں بھی۔

اپنے اسلاف کے حالات کو پڑھو، دیکھو کہ انہوں نے اپنا تعلق اللہ سے جوڑ لیا تھا تو کیا کیا اکرام کیا جاتا تھا کیسے کیسے محبوبیت کے مقام حاصل ہو رہے تھے، تم طالب علم ہو، سمندر کی مچھلیاں بھی تمہارے لیے دعائیں کرتی ہیں اگر تم اس علم کی رعایت کرو گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب تک روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی رہے گا تب تک اس عالم فانی کا وجود باقی رہے گا، دیکھو اس علم کا مقام کہ ہمارے اور تمہارے وجود سے، اس علم کی صفت سے متصف ہونے کی برکت سے نظام عالم قائم ہے، لہٰذا تم اگر صحیح رہو گے تو نظام عالم صحیح قائم رہے گا، تمہارا فساد پورے عالم کا فساد ہے، لہٰذا اس کے حصول کے لیے شب و روز ایک کردو، اس لیے کہ امام غزالیؒ کا ایک مقولہ ہے کہ علم تم کو اس وقت تک کچھ بھی نہ دے گا جب تک کہ تم خود کو اس کے حوالے

نہ کردو لہٰذا جب تم اس کے حصول کے لیے خود کو مٹاؤ گے تو تم کو کچھ ملے گا ورنہ نہیں ؎
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

یہ مدرسہ بڑی ہی مقدس جگہ ہے، لہٰذا مقدس جگہ کے تقدس کو پامال نہ کیا جائے، جیسے بیت اللہ کے اندر عمل کا درجہ بڑھتا ہے اسی طرح اگر کوئی غلط عمل کرے گا تو پھر اس کی پکڑ بھی زبردست ہوگی، اس طرح اگر کوئی اس جگہ میں رہ کر بدخواہی کرے، خیانت کرے، زنا کرے، بدنگاہی میں مبتلا رہے، تو پھر ایسا شخص برباد ہو جائے گا، دیکھو مجھے تم سے محبت ہے، تم میری اولاد کے برابر ہو، تمہارے والدین نے تمہیں ہمارے سپرد کیا ہے، لہٰذا تمہاری خیر خواہی کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے، لہٰذا جو میں اپنے لڑکے سے کہوں گا وہی تم سے بھی کہوں گا، لہٰذا تم میں سے کوئی احساس کمتری کا شکار نہ ہو، تمہاری قدر کل بھی تھی اور آج بھی ہے، زمانہ گوش برآواز ہے تم ان کی امیدوں پر پورے اترو، خود کو سنواو اور دیکھو کہ اب بھی زمانہ سننے کے لیے تیار ہے ؎

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ایک بات پوری ہوگئی دوسری بات درجے کی پابندی ہے، دیکھو درجوں کی پابندی بڑی ہی اہمیت کی حامل ہے، تم درجے جاؤ تو ایسی تیاری کرو کہ استاذ مطالعہ پر مجبور ہو جائے، اس لیے کہ مرید میں اگر طلب ہوگی تو شیخ بھی متوجہ ہوگا، اسی طرح اگر تمہارے اندر طلب صادق ہوگی تو پھر استاذ کی نظر تمہارے اوپر پڑے گی اور پھر کامیابی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء جانا ہوا، تو مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کے ساتھ وہاں کے

دارالمطالعہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، وہاں مطالعہ کا ماحول مجھے بہت ہی پسند آیا، میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ایسا ماحول یہاں پر قائم کرو ؎

ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جمعہ کا دن تمہارے کھیلنے کا دن نہیں ہے بلکہ تمہارا وقت بہت ہی مرتب ہونا چاہیے، لہٰذا ان دنوں میں غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کرو، مقالہ وغیرہ لکھو، تمہارے کھیلنے کا وقت صرف عصر کا وقت ہے، جمعہ کا دن عبادت کا دن ہے، اس میں خوب عبادت کرو، عصر کے بعد درود شریف پڑھو، نماز سے پہلے آؤ، یعنی مغرب کی نماز سے پہلے درود پڑھو، اپنے لیے اپنے والدین کے لیے دعا کرو، طبیعت کو بدلو، نہ لگے تب بھی لگاؤ پھر دیکھو تمہارا حال کیا ہوگا، خود اندازہ ہو جائے گا لہٰذا خود کو بدل دو، ماحول بدل جائے گا۔

آخری بات یہ ہے کہ استاذ کا ادب کرو، کتاب کا ادب کرو، مدرسے کا ادب کرو، ادب بہت ہی بڑی دولت ہے۔

ایک شخص کے بارے میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے سوانح میں ہے، وہ دہریہ تھا، وہ اسلام کے خلاف مناظرہ کیا کرتا تھا، لوگ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے کہ حضرت لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کا مناظرہ اس سے ہو جائے، حضرت نے اس کا نام پوچھا بتلایا گیا کہ فلاں ہے، نام سن کر فرمایا کہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اس لیے کہ اس کو حضرت شاہ صاحب (حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) کی بددعا لگی ہے، اس نے دوران درس کتاب کے ساتھ بے ادبی کی تھی، حالاں کہ بڑا ہی ذہین وفطین تھا، لہٰذا میں اس سے مناظرہ کیا کروں، اس کو تو بددعا لگی ہے، دیکھو یہ ہے

بے ادبی کا نتیجہ، کہ ملحد ہو کر مر گیا۔

ایک واقعہ اور سنا دیتا ہوں تا کہ عبرت حاصل کرو، حضرت شاہ صاحبؒ کے درس میں ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان حاضر ہوا کرتا تھا دہلی کی گلیوں سے گذرا کرتا تھا، اس پر ایک خوبصورت نوجوان لڑکی عاشق ہوگئی، اس نے اپنی بوڑھی خادمہ سے کہا کہ مطوع کو بلاؤ، کچھ دم وغیرہ کردے تا کہ مرض جاتا رہے، خادمہ آئی، بلا کر لے گئی، اب جب اس نوجوان نے اس لڑکی کی نیت دیکھی تو بڑا پریشان ہوا اور کہا کہ استنجاء کی حاجت ہے، تو اس نے استنجاء کی اجازت دی، وہ گیا اور بیت الخلاء کی گندگی پورے جسم پر لگا کر واپس ہوا، جب اس نے اس کی یہ حالت دیکھی تو کہا: چھی چھی یہ کہہ کر وہ ایک طرف بھاگی اور انہوں نے اپنا راستہ لیا، کسی ندی میں صفائی وغیرہ کر کے جلدی سے درس میں پہنچے، مارے ڈر کے کہ کہیں سبق نہ چھوٹ جائے، دوران درس بڑی عجیب خوشبو پھوٹ رہی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ نے پوچھا کہ بھائی خوشبو کس نے لگائی ہے، سب خاموش رہے، تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود ہی کہا کہ اس لڑکے نے لگائی ہے تو اس نے رو رو کر اپنا پورا حال سنایا، دیکھو طالب علم ہو تو ایسا سچا ہو، آگے چل کر یہ مولانا مشکی کے نام سے مشہور ہوئے۔

چلتے چلتے ایک اور بات کہتا ہوں کہ دیکھو یہ ٹی وی اور رنگین موبائل وغیرہ تمہارے لیے بالکل جائز نہیں ہے، بہت ہی گناہ کی بات ہے، اتنی گندی چیز میں تم کیسے مبتلا ہوگئے، یہ کوئی رکھنے کی چیز ہے، یہ تو تمہاری شان کے بالکل خلاف ہے، کہاں تم اور کہاں یہ گندی اور گھناؤنی شے، قبل اس کے کہ نگراں جن کو حق حاصل ہے کہ وہ تمہارے پاس جائیں اور ان کو ضبط کرلیں، تم اس سے پہلے ہی لا کر جمع کردو، اتنی

گندی چیز کو خود سے دور کر دو، انہیں تمہارے پاس جانا نہ پڑے، تم تو طالب علم ہو، سچے طالب علم بن کر رہو۔

۲۷؍سال سے العین میں مقیم ہوں، جبل حفیت ایک جگہ ہے جو بہت ہی خوبصوت ہے، دور دور سے دیکھنے کے لیے لوگ آتے ہیں، لیکن میں نے ۲۷؍سال میں تین مرتبہ دیکھا ہے، جب خود کو سچا طالب علم بناؤ گے تو کچھ ملے گا، لہٰذا خود کو لغویات وخرافات سے بچاؤ، خود کو بناؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اپنے دین کا کام لے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

(ماخوذ از: الشارق مئی، جون ۲۰۱۲ء)

ایک اہم درس حدیث

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور أنفسنا ومن سيآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل لـه ومـن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا لله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أمابعد !

وہ مجلس بہت مبارک مجلس ہے، جہاں بخاری شریف ،مشکوٰۃ شریف اور ریاض الصالحین اورحدیث کی دیگر کتابوں کا درس ہو،جس میں ان کو سمجھنے کے لیے علماء وطلبہ جمع ہوں، یہ درحقیقت نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک ہے، امام نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) جو مؤلف کتاب ہیں انہوں نے اپنی کتاب کا نام ہی ریاض الصالحین رکھا، ریاض کے معنی باغات ہیں، **إذامررتم برياض الجنة فارتعوا منها** آپؐ نے فرمایا کہ جب جنت کے باغات سے ہوکر گزروتو ان میں چرلیا کرو، فائدہ اٹھالیا کرو،اس کتاب کی ساری احادیث **إنما الأعمال** سے لےکرآخیر باب تک جو علامہ نوویؒ نے جمع فرمایا ہے حقیقت میں ہرحدیث **روضة من رياض الجنة** ہے، شیخ الاسلام علامہ نوویؒ کا اسلامی تاریخ میں بہت اونچا مقام ہے،جس دارالحدیث میں وہ درس دیتے تھے یعنی دارالحدیث الاشرفیہ دمشق، وہ جگہ اتنی متبرک تھی کہ علامہ

تاج الدین سبکی نے ذکر کیا کہ ان کے والد تقی الدین سبکیؒ تہجد کے وقت نکلتے تھے اور دارالحدیث الأشرفیہ میں تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد اس گدے پر اپنے دونوں رخساروں کو رگڑتے تھے جس پر بیٹھ کر امام نوویؒ نے درس حدیث دیا تھا اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

وفي دار الحديث لطيفُ معنىً   علـى بُسـطٍ لها أصبو وآوي

عسى أنّي أمسُّ بِحُرِّ وَجهي   مكـانـاً مسّـه قَـدَمُ النَّواوي

اس دارالحدیث میں ایک ایسا راز ہے کہ اس فرش پر (جس پر امام نوویؒ کا درس ہوتا تھا) ایک جذب و کیفیت پاتا ہوں، اور میں اپنے رخسار کو اس جگہ مس کرتا ہوں جس پر امام نوویؒ کے قدم پڑے ہوں (یعنی ان کی نشست گاہ پر)۔

بیشک یہ کتاب اللہ والوں کے لیے زادراہ ہے، **هم القوم لا يشقى بهم جليسهم** ۔

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

جو اس طرح کی مجلس میں بیٹھے، جو ان لوگوں کی جماعت میں آنا چاہے جو صالحین کی جماعت ہے، مقبولین کی جماعت ہے، جن کی جماعت کیساتھ ربط رکھنا ان کے ساتھ چلنا حاصل زندگی ہے، اُس جماعت کے لیے یہ کتاب تحریر فرمائی ہے، احادیث کا یہ مجموعہ منتخب فرمایا ہے، جو اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوا، جس مقصد کے لیے امام نووی نے یہ کتاب لکھی تھی، اس کا بدل کوئی کتاب نہیں، بعد کے علماء کی کوئی تصنیف اس درجہ تک نہ پہونچ سکی، اسی لیے میں نے عرض کیا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک ہے، اس مجلس کے کچھ آداب بھی ہیں ۔

باخدا دیوانہ باشی بامحمد ہوشیار

یہاں کی بے ادبی سے اللہ تعالی ہمیں اور تمہیں بچائے ،حدیث پاک کے درس کی بے ادبی ایسی ہے کہ آدمی کو دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی اٹھانی پڑے گی ،اوراس کو اگر تم نے ذوق وادب کے ساتھ پڑھا ہو،تو حضور پاک ﷺ کی مجلس کے شرکاء میں شمار کئے جاؤ گے،اور تمہارے لیے آگے کے راستے کھلیں گے،مشکوۃ شریف و بخاری شریف وغیرہ کے لیے۔

امام نوویؒ نے اپنی کتاب کا آغاز إنما الأعمال بالنيات سے کیا ہے، اللہ کو راضی کرنا پیش نظر ہونا چاہیے، اعمال کا دارومدار نیات پر ہے،دیکھو ثواب الاعمال مقدر ہے یاصحۃ الاعمال، ہم کہتے ہیں وضو کی بحث چھوڑو کہ ہمارے حنفیہ کے یہاں وضو میں نیت شرط نہیں ہے اور امام شافعی کے یہاں شرط ہے، میں دوسری بات کہنا چاہ رہا ہوں کہ حدیث کا مقصد حسن نیت کو بیان کرنا اور فساد نیت کے ضرر پر تنبیہ کرنی ہے، ہم مسلمانوں میں تین طرح کے لوگ ہیں،ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں مگر اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کہاں ہیں، استحضار نیت سے غافل ہیں، اور ایک جماعت ایسی ہے جو روزہ و نماز کرتی ہی نہیں ،اور شاید ہی ان میں کچھ ایسے ہوں جو بدنیتی سے عبادت کرتے ہوں ان کی تعداد اقل قلیل ہے،اور تیسری جماعت مسلمانوں میں الحمدللہ موجود ہے جو صدق نیت واستحضار اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتی ہے ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے ، یہ حدیث ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ تم اپنی عبادت اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو، تا کہ صالحین میں تمہارا شمار ہو، جس قدر عبادت میں اخلاص ہوگا اسی قدر تمہارا درجہ بلند

ہوگا، اس وقت سب سے بڑا مرض بے نیتی کا ہے، علماء نے کہا کہ اگر درس کے شروع میں نیت کا استحضار کرلے تو پورا کا پورا درس عبادت بن جائے گا، ایک تو اس کتاب ریاض الصالحین سے یہ سبق ملا کہ نیت کا استحضار ہو، کوشش کرنی چاہئے کہ ہم جو کام کریں، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کریں، اس طرح جو بھی کرے گا وہ ولی بن جائے گا، تمام تصوف کا حاصل جو بزرگان دین نے لکھا ہے، امام غزالی کی احیاء علوم الدین ہو یا ابو طالب مکی کی قوت القلوب ہو، سب کا حاصل یہی ہے کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں، اللہ کو راضی کرنا پیش نظر ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ سنت کے مطابق کام ہو، یہ کتاب اخلاص سے شروع ہوئی ہے، اس کے ہر باب میں حضور ﷺ کی سنتوں کو بیان کیا گیا ہے، امام نووی ؒ نے اس کتاب کو صحاح ستہ سے منتخب کیا ہے اور اس میں وہ احادیث ہیں جن کو پڑھنے سے دل میں رقت پیدا ہو، نرمی پیدا ہو، نماز میں خاص کیفیت پیدا ہو، جب آدمی زکوۃ دے تو اس کو شعور ہو کہ اللہ کا حکم ہے، ثواب کے لیے مال کا حق ادا کر رہا ہوں، رشتہ داروں کے یہاں جائے یا کسی سے ملے تو یہ سمجھے کہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے جارہا ہوں، اس کے لیے مشق کی ضرورت ہے اور مشق کے لیے صحبت کی ضرورت ہے، جب تک کسی اللہ والے کی صحبت نہ ہوگی یہ بات نصیب نہیں ہوگی، اللہ کرے کہ ہم سب کے اندر یہ شعور پیدا ہو جائے، اس کے لیے محنت کرنے کی ضرورت ہے، استادوں کو بھی محنت کی ضرورت پڑے گی تاکہ دل میں اخلاص وحلاوت پیدا ہو، نورِ حدیث پیدا ہو، جب پڑھو گے اور پڑھاؤ گے تو اس سے ایک نور پیدا ہوگا، ایک لذت معلوم ہوگی، تمہارے ایمان وعمل میں اس وقت تک تابانی نہیں آئے گی جب تک اخلاص نہ پیدا ہو۔

عمل کی روح ہے اخلاص جب تک یہ نہ ہو حاصل
نہیں آئے گی ایمان و عمل میں تیرے تابانی

اگر صحیح معنوں میں اخلاص پیدا ہو جائے تو زندگی کی کایا پلٹ جائے، حدیث کا شان ورود تو استاذ نے بتایا ہوگا کہ مہاجر ام قیس کا قصہ ہے، میں بتاتا ہوں کہ مہاجر ام قیس ایک صحابی ہیں، ان کا نام تو معلوم نہیں، انہوں نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی تو اس عورت نے شرط لگادی کہ تم ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلو تو وہاں شادی ہوگی، یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، لوگ اتنا بیان کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی شرح نہیں کرتے، بتایئے کہ صحابی رسول مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ شادی کے لیے سفر کرے گا یہ تو صحابی کی شان کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ہجرت کی نیت میں زواج کو شامل کر لیا تھا، ان کی ہجرت کی نیت اللہ کی رضا کے لیے تھی لیکن یہ شامل کرنا بھی ان کی شان کے منافی تھا جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی، یہ قصہ **حسنات الأبرار سیئات المقربین** کے قبیل سے ہے، لہذا اس پر تنبیہ کی گئی کہ تمہارے شایان شان یہ نہیں تھا، حضور ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا، خطبہ بھی عجیب انداز کا ہے، منبر کی روایت بخاری کے اندر نہیں ہے لیکن اس میں اشارہ ہے، بعض کتابوں میں علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا لیکن خطاب عام فرمایا کہ وہ صاحب یعنی مہاجر ام قیس بھی سمجھ لیں، یہ بھی تربیت نبوی ؐ کا عجیب انداز تھا۔

اس کتاب کا اخلاص سے آغاز ہوا ہے، اس کے بعد احادیث لا کر حضور ؐ کے طریقے اور سنتوں کو بیان کیا گیا ہے، اگر اس کے مطابق عمل کرو گے تو جنت میں جاؤ

گے،جس کو اللہ کی رضا حاصل ہوگی وہ سیدھا جنت میں پہنچ جائے گا،جس درجے کا اخلاص ہوگا اسی درجے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ معاملہ ہوگا،ایسے بھی لوگ ہوں گے جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے اور ایسے بھی لوگ ہوں گے کہ اگر اخلاص میں کمی ہوگی تو ان کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جائے گا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل خصوصی ہو جائے۔

یہ کتاب بہت قیمتی ہے اور اپنی زندگی کو بنانے کے لئے بہت اہم ہے،اس کتاب کو حرز جان بنالو،حدیث شریف کو سمجھنے کا راستہ یہ کتاب پیدا کرے گی اور اپنی عملی زندگی کو سیدھا کرنے کا بھی راستہ بتائے گی،جس میدان میں تم نے قدم رکھا ہے یہ حضورﷺ کی نیابت ہے، **العلماء ورثة الأنبياء**، اس طریقہ پر چلنے والوں کے بلند اخلاق ہونے چاہئیں، اگر بلند اخلاق نہیں ہوں گے تو خلافت نبوت کی ذمہ داری نہیں ادا ہو سکے گی، ہندوستان میں آج مدارس بہت ہیں اور تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے اور عالم اسلام میں یونیورسٹیوں کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے،لیکن ہم کو کچھ امید نظر آتی ہے تو ہندوستان کے یہ مدارس ہیں۔

ہماری نظر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لائے تھے حالاں کہ ہر مسلمان کی تمنا ہوتی ہے کہ ہماری موت مدینہ طیبہ میں ہو،وہ اتنے زبردست عالم ہیں کہ ان کے شیخ علامہ کردی یہ کہتے ہیں کہ ’’وہ مجھ سے الفاظ سیکھ رہے ہیں میں ان سے معانی سیکھ رہا ہوں‘‘،وہاں ان کو حکم ہوتا ہے کہ مدینہ چھوڑو،اور دہلی چلو،دہلی اجڑ رہی تھی، چاروں طرف خطرات گھیرے ہوئے تھے،وہ دہلی پہونچتے ہیں اور وہاں حجۃ اللہ البالغہ لکھتے ہیں اور حدیث شریف کے درس کا سلسلہ

شروع کرتے ہیں، اس وقت ان حالات میں اللہ تعالیٰ چاہ رہا تھا کہ ان سے کام لے اور ان کا سلسلہ ہندوستان میں باقی رہے، مشہور واقعہ ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حج سے واپسی میں یمن کی بندرگاہ پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک بڑے سن رسیدہ بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کو شوق ہوا کہ ان سے اجازت حدیث لیں، ان سے ملنے گئے، انہوں نے پوچھا کس سے پڑھا ہے، انہوں نے فرمایا حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے، وہ ان سے واقف نہیں تھے، انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے کس سے پڑھا ہے، فرمایا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے، ان سے بھی وہ واقف نہیں تھے، انہوں نے کس سے پڑھا ہے، فرمایا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے، وہ بزرگ ان سے واقف تھے، فرمایا ''شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سلسلہ شجرۂ طوبیٰ ہے جہاں جہاں اس کی شاخیں ہیں، وہاں وہاں جنت ہے''، میں یہ کہتا ہوں ہمارے یہ مدارس جہاں جہاں ہیں یہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فکر کی شاخیں ہیں، چاہے دارالعلوم دیوبند ہو یا مظاہر علوم ہو، ندوۃ العلماء ہو، یہ سب جنت کی شاخیں ہیں ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اللہ کرے یہاں سے کچھ ایسے افراد تیار ہو جائیں جو پورے ملک کے لیے داعی ہو جائیں اور عالم اسلامی کے لیے روشنی کا ذریعہ بنیں، کچھ بعید نہیں، زمانہ اب بھی سننے کے لیے تیار ہے ؎

بڑے غور سے سن رہا تھا زمانہ　　تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ہمیں نہیں تمہیں سو گئے، ہمارے مدارس کے فضلاء عالم اسلام کے رہنما تھے،

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا مسجد نبویؐ میں درس ہو رہا تھا، شیخ ابراہیم جزائری بہت بڑے عالم اور مجاہدین میں تھے، جن کا الجزائر آزاد کرنے والے مجاہدین میں شمار ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں حاضر ہوا دیکھا کہ کئی لوگ حدیث شریف پڑھا رہے ہیں، جب میں مولانا حسین احمد فیض آبادی کے درس میں گیا تو مجھے وہ حلاوت ولذت ملی کہ میری پوری زندگی پلٹ گئی کہ یہ نور کہاں سے آرہا ہے، حضرت سے بہت مشورے لیے اور اس مشورے سے میں نے بہت روشنی حاصل کی، وہ انہیں مدارس سے پڑھے ہوئے تھے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، مولانا علی میاں صاحبؒ، مولانا محمد الیاس صاحبؒ یہ حضرات انھیں مدارس کے پڑھے ہوئے تھے، اخیر صدیوں میں ان کا کوئی بدیل نہیں ہے، بس اسی پر میں اپنی بات ختم کررہا ہوں۔

ریاض الصالحین میں جنت میں جانے کا راستہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے، اگر تم اس پر عمل کروگے تو ہوسکتا ہے تم میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کے لیے، اور ملت کے لیے، بلکہ پورے عالم اسلام اور پوری انسانیت کے لیے نافع ہوں، آج پورے عالم اسلام کو ضرورت ہے ہادی کی، رہنما کی، صاحب دعوت کی، ہمارے اکابر اور حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ کے حضرات جن میں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ و مولانا محمد علی مونگیریؒ ہیں، اگر ہم ان کے راستے پر اخلاص کے ساتھ چلیں گے تو سارا زمانہ سننے والا ہے اپنے کو حقیر نہ سمجھو۔

برخود نظر کشا زتہی دامنی مرنج　　　در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

(ماخوذ از: الشارق جولائی، اگست ۲۰۱۲ء)

ابوظبی میں ایک یادگار درس

بقلم: جناب مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی
ناظم جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ

حدیث شریف کے درس وتدریس کی برکت ہے کہ ہندوستان کے ممتاز تعلیمی اداروں میں محترم حضرت والد صاحب ناسازیٔ طبع اور کثرت کار کے باوجود تشریف لے جاتے ہیں اور الحمدللہ ان کے مطالعہ وتحقیق سے طلبائے حدیث کو استفادہ کا موقع ملتا ہے، لیکن ابوظبی میں والد صاحب مدظلہ کا ایک درس اس لحاظ سے جدا اہمیت کا حامل ہے کہ یہ کسی تعلیمی ادارے یا طلبہ کی خواہش پر نہیں بلکہ اوقاف اور امور اسلامی کی وزارت کے ایک اہم عہدیدار ڈاکٹر محمد جمعہ کے اصرار کا نتیجہ تھا، ڈاکٹر محمد جمعہ جو وکیل وزارت کے عہدے پر فائز ہیں، والد صاحب کے محبّ خاص ہیں، عرصے سے وہ والد صاحب سے اپنی ملاقاتوں میں اس خواہش کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ وزارت سے متعلق ذمہ داروں کے درمیان والد صاحب بخاری شریف کا درس دیں، ان کی محبت اور اصرار کا اثر تھا کہ ۱۹؍جنوری ۲۰۰۷ء کو عشاء کی نماز کے بعد یہ پروگرام طے ہوا، حاضرین میں وزارت اوقاف کے علماء، سرکردہ ذمہ دار، تمام عدالتوں کے جج شامل تھے، ان کے علاوہ متحدہ عرب امارات کی اہم علمی شخصیت ڈاکٹر احمد محمد حسن خزرجی بھی شریک تھے۔

والد صاحب نے تسمیہ کے بعد حدیث مسلسل بالاولیہ پڑھی، اس کے بعد بالسند المتصل منی إلی الحافظ الإمام الحجة أمیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن إسماعیل بن إبراهیم ابن المغیرة الجعفی البخاری رضی الله عنه پڑھ کر کتاب کا آغاز فرمایا، شروع میں اپنے سلسلہ کی اسانید کو بیان کیا اور اس پر روشنی ڈالی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی نظام کے تحت حدیث شریف کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے، جس کا مظہر موطأ امام مالک و مسند احمد اور صحاح ستہ وغیرہ کتابیں ہیں، خصوصیت سے صحیح بخاری کی تالیف کے لیے ایسی شخصیت کو پیدا کیا جو عجمی نژاد ہیں، پھر امام بخاری علیہ الرحمہ کے ابتدائی حالات ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ اس کتاب کی تالیف میں امام بخاریؒ نے کیا التزامات کیے ہیں، نیز صحیح بخاری کے خصائص اور خاص طور پر تراجم ابواب پر علماء کی تالیفات اور اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الابواب والتراجم'' کا تعارف کرایا، نیز ان کے درس کی بعض خصوصیات کو بیان فرمایا، کتاب الوحی اور ترجمہ کیف کان بدأ الوحی کے درمیان مناسبت کو بیان فرمایا، اس کے بعد دعا پر درس کا اختتام ہو گیا۔

اس مبارک مجلس کا اثر ہر شخص پر نمایاں تھا اور یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ ذوق وشوق کی تسکین صرف ایک مجلس سے نہیں ہو سکی، تشنگی کا احساس تھا، شاید اسی وجہ سے اس درس کی توسیع کرنا پڑی اور ۲۵ر جنوری کو عشاء کے بعد ایک اور شام حدیث ابوظبی کے فضاؤں کے نام مقدر ہوئی، اس میں مجمع پہلے سے بھی زیادہ تھا، پورا ہال بھرا ہوا تھا اور درحقیقت پورا ہال ایک حال کی کیفیت سے سرشار نظر آ رہا تھا، اس ہمہ تن گوش مجمع کے سامنے حضرت والد صاحب نے درس سابق کے بعض اور اہم مباحث کی تکمیل

فرمانے کے بعد حدیث اور ترجمۃ الباب کی مناسبت بیان فرمائی، نیز بخاری شریف کی دوسری روایتوں کی شرح کی، یہ درس تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔

درس ختم ہوا تو شام کے ایک عالم جوش مسرت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس درس کے متعلق تحسین وتبریک سے لبریز تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ علم حدیث کی خدمت اس دور حاضر میں جس طرح علمائے ہند نے کی ،اس کی مثال پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی ،انہوں نے والد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آج ان کی وجہ سے غیر ہندی علماء کو علمائے ہند کی عظیم خدمات سے واقفیت اور مستفید ہونے کا موقع ملا ہے اور اس علم شریف کی اشاعت میں ان کی حیثیت واسطۃ العقد کی سی ہے،شامی عالم کے تأثرات کے بعد شیخ علی ہاشمی نے بھی حضرت والد صاحب اور ان کے درس کے متعلق قابل قدر تأثرات کا اظہار کیا اور اس کامیاب مجلس کے لیے شکریہ ادا کیا، اخیر میں جناب ڈاکٹر محمد جمعہ نے فرمایا کہ اس درس کے بعد شوق میں اور شدت آ گئی ہے اور انہوں نے آئندہ کے لیے بھی حضرت والد صاحب سے اصرار کیا، والد صاحب نے وعدہ بھی فرمالیا، دعا پر اس مبارک سلسلۂ حدیث کا اختتام ہوا، دونوں مجلسوں کی ریکارڈنگ کا بھی اہتمام تھا۔

(ماخوذ از: الشارق مارچ، اپریل ۲۰۰۷ء)

شارجہ یونیورسٹی میں حدیث شریف کے عنوان پر ایک تقریر

بقلم: مولوی اسعد عالم مظاہری

۲۱؍نومبر ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ شارجہ یونیورسٹی کی کلیہ شرعیہ و دراسات اسلامیہ کے ڈین ڈاکٹر بشیر صاحب نے ہمارے نانا حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب دامت برکاتہم کو جامعہ میں حدیث شریف پر لکچر کی دعوت دی تھی، چنانچہ نانا دامت برکاتہم مولانا ڈاکٹر ولی الدین صاحب کے ہمراہ جامعہ حاضر ہوئے، وہاں کے اساتذہ نے پرتپاک استقبال کیا، کچھ دیر ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد تقریر کا آغاز ہوا جس میں نانا مدظلہم نے حدیث شریف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے 'ہندوستان کے علماء اور حدیث شریف' پر ان کی خدمات کا تذکرہ فرمایا جس کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ پر پہونچتا ہے۔

ان کی خدمات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے طریقۂ کار کا بھی ذکر فرمایا، صحاح ستہ کے مقاصد اور اجازت کے طریقہ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد یونیورسٹی کے ڈین ڈاکٹر بشیر صاحب نے تعلیق فرماتے ہوئے یہ تأثر پیش کیا کہ ایسی فضا دیکھنے میں

نہیں آئی، اس کے بعد ایک طالب علم نے کھڑے ہوکر یہ خواب بیان کیا کہ حضرت مولانا کی صورت اور ان کا حلیہ میں نے خواب میں دیکھا تھا، ملاقات کی دیرینہ خواہش تھی، چنانچہ آج وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، اس کے بعد اجازت حدیث کی درخواست کی، حضرت نانا دامت برکاتہم نے حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری شریف کی حدیث شریف پڑھ کر اجازت دی اور دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا، ظہرانہ سے فراغت کے بعد دبئی ہوتے ہوئے واپسی ہوئی۔

(ماخوذ از: الشارق جنوری، فروری ۲۰۱۲ء)

شارجہ یونیورسٹی کے علماء وطلباء
کی
ایک مفید علمی مجلس العین میں

بقلم: مولوی فریدالدین فہیم الدین ندوی

اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف سے اشتغال میں بہت خیر وبرکت رکھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فبلّغه كما سمعه فرب مبلّغ أوعىٰ من سامع .**
(اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہماری حدیث سنی اور اس کو دوسروں تک پہنچایا، کیوں کہ بہت سے ایسے لوگ جن کو پہنچایا جاتا ہے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں)۔

حدیث شریف کے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تحقیق وتعلیق کے تعلق سے عرض ہے کہ میرے دادا محترم حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم جن کی پوری زندگی اشتغال بالحدیث سے عبارت ہے، اور جن کے حدیث سے متعلق کئی نمایاں کارنامے منظر عام پر آچکے ہیں، خاص طور سے اوجز المسالک اور بذل المجہود کی تحقیق وطباعت کے بعد الجامع الصحیح للبخاري کی تصحیح وتعلیق

نے عالم اسلامی میں ان کی قدر ومنزلت میں کافی اضافہ کردیا ہے اور جلیل القدر علمائے عرب سے علمی رابطے کی راہ ہموار کردی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے علمی کارناموں کو قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اس مبارک فن سے خصوصی اشتغال کی برکت ہے کہ علم حدیث کے شائقین طلبہ ومدرسین آپ سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ ۱۱؍نومبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات شارجہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ حدیث استاذ مکرم جناب پروفیسر ڈاکٹر صالح رضا حفظہ اللہ نے دادا صاحب مدظلہ سے ایک گفتگو کے دوران عرض کیا کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ جمعرات کے روز حاضر ہونا چاہتے ہیں، تاکہ ان سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کریں، احقر تو شارجہ یونیورسٹی سے ایک روز قبل بدھ کی شام ہی میں دادا جان کی خدمت میں العین حاضر ہوگیا، لیکن میرے ساتھیوں کی پوری جماعت استاذ محترم ڈاکٹر صالح رضا کی رفاقت میں العین پہونچی، ڈاکٹر صالح رضا صاحب شام کے ایک مشہور عالم ہیں، جو مدینہ منورہ اور ریاض یونیورسٹی کے استاذ حدیث رہ چکے ہیں ،اور اب شارجہ یونیورسٹی میں رئیس القسم فی الحدیث کے منصب پر فائز اور اس حقیر کے استاذ بھی ہیں، قافلہ کے ایک اہم فرد، شارجہ اوقاف کے واعظ شیخ مامون سوری بھی تھے، پروگرام کی اطلاع پاکر محترم ڈاکٹر عبداللہ سعدی استاذ زاید یونیورسٹی بھی تشریف لے آئے۔

بعد نماز مغرب ،ضیافت کے بعد ،دادا جان نے مختصر بیان فرمایا، حدیث مسلسل بالا ولیہ اور بخاری شریف کی پہلی حدیث تلاوت فرمائی، بقیہ کتب حدیث انہیں میں سے ایک صاحب نے پڑھنا شروع کی، لیکن دادا صاحب کے ایماء پر مولانا

رضی الرحمٰن قاسمی مدرس جامعہ اسلامیہ نے جو آج کل دادا جان کے علمی تعاون کے لیے العین میں مقیم ہیں، پورا کیا، دادا جان نے صحاح ستہ کی اہمیت، ان کے مراتب، اوران میں سے ہر کتاب کے آغاز کی خصوصیت وندرت بیان فرمائی، امام بخاری کی صحیح کے بعض خصائص و امتیازات، ترجمۃ الباب کے اسرار وحکم، باب الوحی سے کتاب کا آغاز وانداز اور حدیث **إنما الأعمال بالنيات** کے بعض نادر گوشوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی، تمام شرکائے درس مستفید بھی ہوئے اور مسرور بھی، عشاء کی اذان پر یہ مبارک درس اختتام کو پہنچا، اس کے بعد ان لوگوں کی طرف سے بعض سوالات ہوئے جن کے جوابات دادا جان نے دیئے، اخیر میں دادا جان کے اشارے پر ڈاکٹر صالح رضا صاحب نے دعا کرائی، جو بڑی جامع اور پُر اثر تھی۔

(ماخوذ از: الشارق نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء)

مسلمانانِ عالم کی پریشانیوں کا حل

صبر وتقویٰ، حسنِ اخلاق، حسنِ معاشرت، حسنِ معاملہ

بقلم: صغیر احمد شریف ندوی

[یتیم خانہ، بنگلور میں کی گئی تقریر]۔

حضرت مولانا نے حمد وصلاۃ کے بعد سورۂ یوسف کی آیتِ شریفہ: ﴿إنه من یتق ویصبر فإن الله لا یضیع أجر المحسنین﴾ (ترجمہ: جو تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا) کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اس آیت کو نقل فرمایا ہے، جس میں ہم تمام مسلمانوں کے لیے ایک عظیم سبق اور عبرت وموعظت کا ایک حسین درس ہے، اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام (جنھوں نے اپنے بھائیوں کو 'لاتثریب علیکم الیوم' آج تم پر کوئی داروگیر نہیں ہے جاؤتم سب آزاد ہو، کہہ کر یک لخت ان کی تمام حاسدانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کو معاف فرمادیا) کو فرش سے عرش پر پہونچا دیا اور اسیری سے باعزت نکال کر تختِ شاہی پر جلوہ افروز فرمادیا۔

حضرات! ذرا سوچئے ایسا کیوں کر ہوا؟ صرف دو شرطوں کی بنیاد پر، ایک

تقویٰ اور دوسرے صبر۔تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ تقویٰ کا مطلب: گناہوں کی خار دار جھاڑیوں سے اپنے آپ کو بچا کر نکالنا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے تقویٰ کی تعریف پوچھی، تو عرض کیا کہ: امیر المؤمنین! جب آدمی کسی خاردار جھاڑی سے گذر تا ہے تو اپنے دامن کو سمیٹ کر کہ کہیں کانٹوں سے الجھ نہ جائے احتیاط سے گذرتا ہے، اسی طرح مسلمان اپنے آپ کو گناہوں کی خاردار جھاڑیوں سے بچا کر نکل جائے اُسے کہتے ہیں تقویٰ۔

اور صبر کیا ہے؟ صبر کے معنی ہیں: ثابت قدم رہنا، جمے رہنا، طاعت پر اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اور گناہوں سے بچنے پر، یہ ہے صبر۔ اگر یہ دو باتیں مسلمانوں کے اندر ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کی کوئی ٹکنالوجی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور ان کو ختم نہیں کرسکتی، چنانچہ یہ دو شرطیں نہ ہونے کی وجہ سے آج مسلمان، دشمنوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا ہوا ہے اور وہ اُسے گیند کے مانند استعمال کر رہے ہیں۔

بھائیو! اپنے اندر صبر وتقویٰ اور ایمان کی طاقت پیدا کرو، دشمنوں کی تمام کارروائیاں اور سازشیں تمہارے حق میں تارِ عنکبوت ثابت ہوں گی، انشاءاللہ۔

ایمان اور اعمال صالحہ کا انسانوں کی زندگیوں اور ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے، اس کا اندازہ حدیث شریف میں بیان کردہ بنی اسرائیل کے تین شخصوں کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جو بارش سے بچنے کے لیے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لیے ہوئے تھے، خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ان پر بھاری بھرکم چٹان آگری اور اس نے غار کے منھ کو بند کردیا جس کی وجہ سے ان کا باہر نکلنا محال ہوگیا، اس موقع پر ان تینوں نے خالصۃً لوجہ اللہ اپنے اپنے کیے ہوئے اعمال صالحہ کی دُہائی دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

ایک نے کہا کہ: اے اللہ! میں ایک لڑکی پر بُرے ارادے کے ساتھ قادر ہو گیا تھا، اس نے مجھ سے کہا: اے اللہ کے بندے اللہ سے ڈر، میں نے کبھی یہ بُرا کام نہیں کیا ہے، بس اس کا اتنا کہنا تھا کہ مجھ پر تیرا خوف غالب آیا اور میں اس بُرے کام سے باز آ گیا، اے اللہ! میں نے یہ کام خالص تیری خوشنودی کے لیے کیا تھا تو، تو اس چٹان کو ہٹا کر ہمیں نجات دے۔

دوسرے شخص نے اللہ سے فریاد کر کے کہا: اے اللہ! میرے بوڑھے والدین تھے، میرا یہ معمول تھا کہ میں بکریاں چرا کر گھر واپس لاتا اور ان کا دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے والدین کو پلاتا، ایک دن میں بکریاں چراتا ہوا چارہ کی تلاش میں دور نکل گیا، رات دیر گئے واپسی ہوئی، تو والدین انتظار کرتے کرتے سو چکے تھے، مجھے انہیں نیند سے جگانا اچھا نہیں لگا، میں ان کے جاگنے کے انتظار میں ان کے سرہانے کھڑا رہا دودھ کا پیالہ لیے ہوئے، دوسری طرف میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھوک سے بلبلاتے ہوئے میرے پیروں سے لپٹ گئے، لیکن میری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ میں اپنے والدین سے پہلے انھیں پلا دوں، چنانچہ جب والدین بیدار ہوئے تو سب سے پہلے حسبِ معمول ان کو پلایا، پھر اپنے بچوں کو پلایا، خدایا! میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا تھا تو، تو اس پتھر کو ہٹا دے کہ ہم باہر نکل جائیں۔

تیسرے آدمی نے اللہ رب العزت سے یوں دعا کی، کہ: اے اللہ! میں نے ایک شخص کو اپنے یہاں مزدور رکھا، کام سے فراغت کے بعد جب مزدوری لینے کا وقت آیا تو وہ اپنی مزدوری لیے بغیر میرے ہی پاس چھوڑ کر چلا گیا، میں نے اس کی مزدوری تجارت میں لگائی، اس میں اتنی ترقی ہوئی، اتنی ترقی ہوئی کہ اچھا خاصا ریوڑ ہو

گیا، بیلوں، گایوں، اونٹوں اور بکریوں کا۔ ایک مدتِ دراز کے بعد ایک دن وہ مزدور میرے پاس آیا اور اپنی چھوڑی ہوئی مزدوری کا مجھ سے مطالبہ کیا، میں نے کہا: بھائی! یہ جو کچھ ریوڑ تمہیں نظر آرہا ہے یہ سب کچھ تمہارا ہے، اسے لے جاؤ، اس نے کہا: مجھ سے مذاق مت کرو، میں صرف اپنی مزدوری مانگ رہا ہوں، میں نے کہا: یہ تمہاری ہی مزدوری ہے جو میں نے تجارت میں لگائی، تو یہ اتنا بڑا ریوڑ تیار ہو گیا، وہ یہ سن کر ہنسی خوشی تمام ریوڑ ہانک لے گیا، کچھ بھی نہ چھوڑا، تو میں نے اس پر صبر کیا، کہ اس نے مجھے میری محنت کا کوئی صلہ نہ دیا، اے اللہ! میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو اس کی برکت سے اس چٹان کو ہٹا دے، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی دعا قبول فرما کر، ان اعمال صالحہ کی برکت سے جو انہوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے کیے تھے، ان کو اس چٹان سے نجات عطا فرمائی۔

بھائیو! اس واقعہ سے ہمیں تین سبق ملتے ہیں۔ (۱) حسنِ کردار کا، جو پہلے شخص نے پیش کیا۔ (۲) حسنِ معاشرت کا، جس کا دوسرے شخص نے مظاہرہ کیا۔ (۳) حسنِ معاملہ کا، جس پر تیسرے شخص نے عمل کیا۔

بزرگو! آج کا مسلمان پریشان ہے، انفرادی بھی اجتماعی بھی۔ بنی اسرائیل کے ان تین شخصوں کی طرح کسی پہاڑ کی چٹان کے گرنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ کوئی کسی بیماری کی وجہ سے پریشان ہے، جس کے علاج پر اپنی کمائی ہوئی ساری پونجی صرف ہو رہی ہے، کوئی مالی پریشانی کا شکار ہے، کوئی گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے پریشان ہے، کوئی مقدمات میں پھنسا ہوا ہے، کوئی سب کچھ ہونے کے باوجود بے چین و بے کل اور بے خوابی کا شکار ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ یہ پریشانیاں مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑ

رہی ہیں؟ ہم مسلمان اپنا جائزہ لے کر تو دیکھیں کہ ہمارے اندر کوئی کمی تو نہیں؟ یقیناً ہے۔اوروہ ہے حسنِ اخلاق، حسنِ معاشرت اور حسنِ معاملہ کی کمی۔ بھائیو! اپنے اندر یہ تینوں باتیں پیدا کرو، پھر دیکھو خدائے تعالیٰ کی مدد کس طرح آتی ہے اور ہمارے تمام مسائل کیوں کر حل ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ ہمیں دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا چاہئے،اس لیے کہ اس واقعہ سے ہمیں دعا کی تاثیر کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ جوایک مجوسی خاندان سے تھے، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے خاندان میں پیدا ہونے والے فرد سے اپنے دین کی ایسی خدمت لی کہ باتفاق علمائے عالم کلام اللہ کے بعد اگر کوئی صحیح ترین کتاب ہے،تو وہ امام بخاریؒ کی ''بخاری شریف'' ہے، جس کو پڑھے بغیر کوئی عالم، عالم نہیں کہلاتا۔

اللہ رب العزت کی قدرت کی یہی کرشمہ سازی ہمیں تاتاریوں میں بھی نظر آتی ہے، جو دین اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کی کایا ایسی پلٹی کہ دین کے دشمن، دین کے محافظ بن گئے ۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بہرحال میں دعا کی تاثیر کے بارے میں بتا رہا تھا، امام بخاریؒ کی بچپن میں بینائی چلی گئی تھی، ان کی نیک اور صالحہ والدہ نے دعا کی، تو ایسی بینائی لوٹ آئی کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر چاند کی روشنی میں بغیر کسی چراغ کے 'قضایا الصحابۃ والتابعین' اور 'التاریخ الکبیر' جیسی عظیم الشان کتاب سات جلدوں میں تالیف فرمائی، جو ہمارے یہاں ہندوستان میں حیدرآباد دکن سے بھی شائع ہوئی۔

مدارس دینیہ ہندیہ اور عالم اسلام کی درسگاہوں کی خصوصیت و امتیاز کا ذکر

کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پورے ۳۵ سال سے عرب ممالک میں رہتا ہوں، اللہ کے کرم سے مختلف یونیورسٹیوں کا جج بننے کی سعادت بھی حاصل ہے لیکن ہندوستان کے مدارس میں جو نور ہے وہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملا، کیوں کہ ان میں ہمارے بزرگوں اور اسلاف کے باقیات صالحات کا اثر اخلاف میں کسی نہ کسی حد تک پایا جاتا ہے،اس لیے ان مدارس کی قدر اوران کی ہر ممکن مدد کریں کہ یہ دین کے سرچشمے اور اسلام کے قلعے ہیں۔

اللہ والوں سے ربط وتعلق اور ذکر اللہ کی ضرورت واہمیت کو بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے، اور دل میں اطاعت کا نور ہوتو باتوں میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، لہذا ہمیں رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ کی سخت ضرورت ہے، جماعتوں میں بھی جایا کریں کہ اس سے بھی دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، بشرطیکہ اصولوں کے مطابق وقت گذاریں، ورنہ جماعتوں میں جانا کھیل بن جاتا ہے، دعوت سے دین زندگی میں آتا ہے، آج کل دین کی باتوں کو جاننے اور پہنچانے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ بالخصوص انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے، ہم ان چیزوں کو غلط اور ناجائز نہیں کہتے ، بشرطیکہ ان کا استعمال شرعی حدود میں رہ کر کیا جائے، اسی ضمن میں فرمایا کہ مفتی کوفتوی دینے میں ارشادنبوی ’’ بشروا و لا تنفروا، یسروا و لا تعسروا ‘‘ (خوشخبری کی باتیں بتاؤ، نفرت نہ دلاؤ، آسانی کی باتیں بتاؤ، مشکلات میں نہ ڈالو) کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

بہر حال زندگیوں میں دین دعوت سے آتا ہے، انٹرنیٹ یا ٹیلی ویژن سے نہیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے جو مجھ سے حضرت

شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی نسبت سے بڑی محبت فرماتے تھے،صرف دولفظوں میں بڑے پتے کی بات ارشادفرمائی: ایک ہے دعوت اور دوسرا ہے دِعایہ، جسے انگریزی میں (Propaganda) کہتے ہیں،تو دعوت یعنی منہج نبویؐ سے دین زندگیوں میں آتا ہے،موجودہ ذرائع ابلاغ سے دِعایہ یعنی صرف پروپیگنڈہ ہوتا ہے،زندگیوں میں دین نہیں آتا،اس لیے دعوت کے کام کو اپنائیں، اللہ تعالیٰ ہم کوعلم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

(ماخوذ از: الشارق فروری، مارچ ۲۰۱۰ء)

چھٹاباب

چنداہم مقالات

عرب و ہند کے تعلقات میں علم حدیث کا کردار

[جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے مذاکرۂ علمی کے لئے لکھا گیا]۔

عرب اور ہندوستان کے ثقافتی روابط وتعلقات کی ایک طویل تاریخ رہی ہے، یہ تعلق اس وقت اور نمایاں ہوا جب علم حدیث، اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں ملک ہندوستان میں آیا، عرب مجاہدین اسلام کا پہلا وفد جو ہندوستان آیا اس میں زبردست محدث امام ربیع بن صبیح سعدی تھے، علامہ چلپی ''کشف الظنون'' میں ان کے متعلق رقم طراز ہیں: ''وھو أول من صنف فی الإسلام''.

اگر یہ علی الاطلاق سب سے پہلے مصنف نہ بھی ہوں تو بھی وہ علم حدیث کے ابتدائی مصنفین میں بلاشبہ شمار کیے جاسکتے ہیں، ۱۶۰ھ میں ایک وبائی بیماری میں ان کا انتقال ہوا اور خاک ہند کا پیوند ہوگئے۔

ہندوستان کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل رہا، نویں اور دسویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اس کو عالم اسلام کے متعدد علماء ومحدثین کی آمد سے سرفراز فرمایا تو ہندوستان کے بہت سے علماء ومحدثین نے بھی علم حدیث کے مرکز حرمین

شریفین جا کر وہاں کے علماء سے فیض حاصل کیا۔

بعد کی صدیوں میں بلاد عربیہ میں علم حدیث میں انحطاط آنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہندوستان سے ایسے علماء کو منتخب کیا جنہوں نے اس کی پاسبانی کا فریضہ ادا کیا، ان میں قابل ذکر شیخ علی بن حسام الدین متقی صاحبِ ''کنز العمال'' (م ۹۷۵ھ) ، تذکرۃ الموضوعات، المغنی اور مجمع بحارالانوار کے عظیم مصنف ملک المحد ثین شیخ محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) ، اور لمعات شرح مشکوٰۃ اور دوسری مفید کتب کے مصنف شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) ہیں ، خاص طور سے آخر الذکر سے اللہ تعالیٰ نے درس وافادہ کا بڑا کام لیا اور ایسی مقبولیت پائی کہ بقول نواب صدیق حسن صاحب ''وہ پہلے آدمی ہیں جو علم حدیث کو ہندوستان میں لائے اور یہاں کے باشندوں کو اس سے فیض یاب کیا'' ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق (م۱۰۷۳ھ) اور ان کے بعض تلامذہ نے بھی خدمت حدیث کا کام انجام دیا۔

پھر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کا دور آیا، جنہوں نے حجاز کا سفر کیا اور شیخ ابو طاہر مدنی کردی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث شریف کا علم حاصل کیا اور ہندوستان واپس آ کر حدیث کی تدریس اور اس کی نشر واشاعت کی ، ان کا فیض ایسا عام ہوا کہ آج تک وہ جاری وساری ہے، اس علم حدیث کی اشاعت میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں اور شاگردوں کی مبارک کوششیں بڑی بار آور ثابت ہوئیں ، انہوں نے حدیث شریف میں متعدد کتابیں تالیف کیں ، حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء اور موطأ کی شروح مسوّیٰ اور مصفّیٰ

جیسی بلند پایہ تصنیفات کے علاوہ صحاح ستہ کی تدریس کا منہج مقرر کیا، ہندوستانی علماء کی کتابوں میں علامہ سیوطی (م۹۱۱ھ) کی جمع الجوامع کی ترتیب پر شیخ علی بن حسام الدین متقی برہان پوری کی کتاب ''کنز العمال'' ہے جس سے علماء نے خوب استفادہ کیا اوراس کے مصنف کی عظیم کوشش کا کھلے دل سے اعتراف کیا، دسویں صدی کے حجاز کے عالم شیخ ابوالحسن بکری شافعی لکھتے ہیں:

''إن للسيوطی منةً علی العالمين،وللمتقی منةً علی السيوطی''
(سیوطی کا احسان ساری دنیا پر ہے،اور علی متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے)۔

ان کتابوں میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح اورغریب الحدیث کے موضوع پر شیخ محمد بن طاہر پٹنی کی مجمع بحارالانوار ہے جو صحاح ستہ کی شرح کا درجہ رکھتی ہے، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب شرح تراجم ابواب صحیح بخاری اور حجۃ اللہ البالغہ بھی اپنی خوبیوں کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں ہے۔

علمائے ہند کی فہرست میں امیر بھوپال نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی (م۱۳۰۷ھ) کا نام بھی بہت روشن ہے، وہ ۲۲۲ کتابوں کے مصنف ہیں،ان میں ۵۶ کتابیں عربی زبان میں ہیں،ان میں ''عون الباری شرح مختصرالبخاری'' دس جلدوں میں ہے۔

ان مصنفین حدیث میں علامۃ الہند فخرالمحدثین مولانا عبدالحی لکھنوی (م۱۳۰۴ھ) کا نام بھی ممتاز اور نمایاں ہے جن کی ۱۲۰ تصنیفات ہیں، ۸۶ کتابیں عربی زبان میں ہیں،ان کی مشہور کتابوں میں التعلیق الممجد شرح موطأ امام محمد، راقم کی تحقیق

کے ساتھ تین جلدوں میں چھ بار طبع ہو کر عالم عربی واسلامی میں پھیل چکی ہے، اس کے علاوہ **ظفر الأمانی ، الرفع والتکمیل ، الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الکاملة** بھی علامہ موصوف کی شاہکار کتابیں ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی عظیم المرتبت تالیف بذل المجہود فی حل سنن أبی داود ۱۴ ضخیم جلدوں میں ہماری تحقیق وتعلیق سے شیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب رئیس مجلس الوزراء، متحدہ عرب امارات کی توجہ سے نہایت شان کے ساتھ دوسال قبل طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے، مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی غایۃ المقصود شرح ابوداؤد اور اس کی تلخیص عون المعبود، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ، محدث شہیر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی امالی وافادات فیض الباری علی البخاری اور العرف الشذی شرح ترمذی، مولانا محمد یوسف بنوری کی معارف السنن شرح سنن ترمذی، مولانا شبیر احمد عثمانی کی فتح الملہم شرح صحیح مسلم اور مولانا ظفر احمد تھانوی کی اعلاء السنن حدیثی خدمات میں قابل قدر کتابیں ہیں۔

ہمارے استاذ وشیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنی کی تالیفات سو سے زائد ہیں ، ان میں لامع الدراری علی الجامع الصحیح للبخاری ، الأبواب والتراجم للبخاری ، الکوکب الدری اور اوجز المسالک شرح موطأ امام مالک ہیں، اوجز المسالک ہماری تحقیق سے ۱۸ مجلدات میں شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کے تعاون سے نہایت عمدہ اور دیدہ زیب طبع ہو چکی ہے، داعی ومبلغ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کی امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار بھی قابل ذکر حدیث کا سرمایہ ہے،

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق وتعلیق سے طبع شدہ

کتابیں مثلاً کتاب الزھد الکبیر، مسند حمیدی اور مصنف عبد الرزاق اور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق سے شائع شدہ کتب، کتاب العلل، صحیح ابن خزیمہ اور موطأ امام مالک ہیں۔

ان چند کتب حدیث کے ناموں کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ ان کے متعلق ایک مختصر خاکہ سامنے آجائے کہ یہ کتابیں طبع ہوکر اطراف عالم میں پھیل چکی ہیں، علمائے ہند کی ان کاوشوں کا اعتراف علمائے عرب نے بھی کیا ہے، علامہ زاہد کوثری لکھتے ہیں:

"لواستعرضنا مالعلماء الهند من همة عظيمة فى علوم الحديث لوقع ذلك موقع الإعجاب والاستغراب، كم لهم من شروح ممتعةوتعليقات نافعة على الأصول الستةوغيرها،ومؤلفات واسعةفى أحاديث الأحكام،وكم لهم من أياد بيضاء فى نقدالرجال".

(فن حدیث میں اگر ہم علمائے ہند کی علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کا جائزہ لیں تو بہت تعجب ہوگا، ان علمائے ہند کی صحاح ستہ اور ان کے علاوہ احادیث احکام پر مفید تالیفات اور شرحیں ہیں، اسی طرح فن رجال کے سلسلہ میں بھی ان کے عظیم احسانات ہیں)۔

علوم دینیہ میں ان علمائے حدیث کا شغف وانہماک معروف ہے، فن حدیث میں درس وافادہ اور تصنیف وتالیف کی ریاست وبرتری ان پر ختم ہے، عہد اخیر میں فن حدیث کی قیادت علمائے ہند کے لیے تسلیم کی جا چکی ہے، علامہ سید رشید رضا مصری مدیر "المنار" نے مفتاح کنوز السنہ کے مقدمہ میں علمائے ہند کی حدیثی خدمات کا

اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"لولاعنایةإخواننا علماء الهند بعلوم الحدیث فی هذا العصر لقُضِیَ علیها بالزوال من أمصار الشرق،فقد ضعفت فی مصرو الشام و العراق و الحجاز منذالقرن العاشر للهجرة".

(اگر ہندوستانی علماء اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو یہ فن مشرقی دنیا سے رخصت ہوجاتا، کیوں کہ مصر،شام،عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے علم حدیث زوال پذیر ہوگیا تھا)۔

جامعہ ازہر کے رئیس ڈاکٹر احمد محمد طیب کو جب ہماری تحقیق وتعلیق شدہ اوجز المسالک کا علم ہوا تو انہوں نے ایک مقالے میں اپنا تأثر اس طرح سپرد قلم کیا:

"هذا الکتاب نعمة عظیمة للباحثین و الدارسین فی الأزهر،وهو سبب علاقة بین العرب و الهند".

(شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی یہ کتاب ان طلبہ وباحثین کے لیے جو جامعہ ازہر سے منسلک ہیں، بہت بڑی نعمت ہے، نیز یہ عرب وہندوستان کے درمیان (علمی وثقافتی) رابطہ کا بہترین ذریعہ ہے)۔

یہ مذاکرۂ علمی (جو اس جامعہ کے احاطہ میں اور اس شہر میں منعقد ہورہا ہے جو حدیثی سرمایہ کے احیا میں معروف ہے) اہل علم کے لیے باعث فخر واعزاز ہے، حدیث کی بہت سی کتابیں اسی دائرۃ المعارف العثمانیہ کی بدولت وجود میں آئی ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کو ان بڑے علمی اداروں میں شمار کیا ہے جن کا دینی وعلمی کتابوں کے زندہ وتابندہ رکھنے میں بڑا حصہ ہے،اس ادارہ (دائرۃ

المعارف العثمانیہ) نے مسند ابوداوٗد طیالسی، سنن کبریٰ بیہقی، مستدرک حاکم، معرفۃ علوم الحدیث، استیعاب، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، تاریخ کبیر، منتظم ابن الجوزی، کتاب الجرح والتعدیل اور کنز العمال کے علاوہ فن حدیث وتاریخ اور رجال کی سیکڑوں کتب کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

علمائے ہند کی مذکورہ بالا کتابیں عالم عربی واسلامی کی جامعات ومراکز اسلامیہ اور علماء وقضاۃ تک پہونچ چکی ہیں، اوجز المسالک، بذل المجہود، التعلیق الممجد، جزء حجۃ الوداع وعمرات النبی، تحقیق: ڈاکٹر ولی الدین ندوی، کتاب الزہد الکبیر وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے، زہد کبیر کا ایک قلمی نسخہ یہاں کے مکتبہ آصفیہ میں ہم کو دستیاب ہوا ہے۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے عرب نے ہندوستانی علماء کی تصنیفات کو کس درجہ اہتمام سے دیکھا ہے۔

اخیر میں ذمہ داروں اور منتظمین کو مکرر سلام اور تہنیت پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اس جامعہ کے اندر ایسے وقیع مذاکرۂ علمی کا انعقاد کیا، اس کا افسوس ہے کہ دعوت نامہ ہمیں تاخیر سے ملا، اس لیے اسی اختصار پر اکتفا کرتا ہوں۔

علامہ محدث محمد بن طاہر پٹنی اوران کی علمی خدمات

[جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات کے سمینار کے لئے لکھا گیا]۔

رابطہ ادب اسلامی کی زیر سرپرستی ''علامہ محدث محمد بن طاہر پٹنی اور علمائے گجرات کے آثار علمیہ'' کے عنوان پر جامعہ علوم القرآن کے احاطہ میں ۲۲، ۲۳، ۲۴ر جنوری کو منعقد ہونے والے سیمینار میں شرکت کے لیے کو آپ کا دعوت نامہ موصول ہوا، مجھے اس سیمینار کے عنوان سے اور آپ کے اہتمام سے بہت خوشی ہوئی، میں آپ کو اس سیمینار کے منعقد کرنے کے اقدام پر مبارک باد دیتا ہوں، یہ سیمینار بہت سے علمی، ثقافتی اور دینی فوائد پر مشتمل ہے، ہم نے بھی ''مرکز الشیخ أبوالحسن الندوی'' کی سرپرستی میں جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ یوپی میں دو سیمینار منعقد کیے ہیں، پہلے سیمینار کا عنوان ''**الإمام الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي المدني و آثاره في علم الحديث**'' تھا، اور دوسرے سیمینار کا موضوع ''**علم الحديث في الهند في القرن الثالث عشر والرابع عشر الهجريين**'' تھا، اس موضوع پر علماء اور محققین نے اپنے علمی مقالات کے ذریعہ شرکت کی اور یہ دونوں سیمینار ملک اور

بیرون ملک میں بڑی شہرت سے ہمکنار ہوئے۔

آپ کا یہ سیمینار بھی اپنے موضوع کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، فتوحات اسلامیہ کے بعد اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں صوبہ گجرات کا خاص مقام ہے اور علم حدیث تو اس صوبہ میں اسلامی فتوحات کی ابتدائی صدیوں میں ہی داخل ہو چکا تھا، گجرات کے فاتحین میں جو لوگ وہاں آئے ان میں ربیع بن صبیح سعدی بھی ہیں جن کے بارے میں علامہ چلپی نے 'کشف الظنون' میں لکھا ہے کہ یہ اسلام کے پہلے مؤلفین میں ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ علم حدیث کے اولین مصنفین میں سے تھے، ان کی وفات بھروچ کے قریب ۱۶۰ھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، اسلامی مؤرخ علامہ عبدالحی حسنیؒ نے سرزمین ہند کے صوبہ گجرات میں علم کا خصوصی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ گجرات ہندوستان کے مغربی ساحل سے صوبہ ممبئ تک کا علاقہ ہے "فحدث عن البحر ولا حرج"، گجرات قدیم زمانے سے علماء ومحدثین کا گہوارہ رہا ہے، اس سرزمین میں بدرالدمامینی، خطیب گازرونی، عماد طارمی جیسے علماء کی آمد ہوئی، ان کے درس وتدریس کے نتیجہ میں فضلاء کی ایک جماعت تیار ہوئی اور سلطنت مظفریہ کی عنایت سے خصوصاً علم حدیث نے خوب ترقی کی، اس حکومت نے علم حدیث کی اشاعت اور محدثین کے اعزاز میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ان محدثین میں سے بدرالدمامینی جن کا نام **بدر الدين محمد بن أبي بكر الإسكندراني المعروف بابن الدماميني المالكي النحوي الأديب** ہے، ۸۲۷ھ میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے، سکونت قاہرہ میں اپنائی، ابن خلدون، ابن عرفہ، تنیسی، بلقینی جیسے مشاہیر علماء سے علم حاصل کیا اور پھر جامعہ ازہر میں عربی

تدریس کے لیے تقرری ہوگئی۔

انہوں نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں سے حج کا قصد کیا، حج کے بعد یمن آئے اور جامع زبید میں تدریس کی خدمت انجام دی، اس کے بعد ہندوستان کا رخ کیا اور سلطان احمد شاہ بن محمد بن مظفر کے زمانے میں اواخر شعبان ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور مقبولیت عامہ سے سرفراز ہوئے۔

ان کی فن ادب ونحو میں کئی تصانیف ہیں، اور صحیح بخاری کی ''مصابیح فی شرح الجامع الصحیح'' نامی شرح بھی ہے، انہوں نے اس کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ اسے سلطان احمد شاہ کے لیے تالیف کیا تھا، ان کی وفات گلبرگہ میں ۸۲۸ھ میں ہوئی، سلطان احمد شاہ گجراتی علمائے حدیث کا قدرداں تھا۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کا برماوی، ابن حجر اور عینی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے، یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں تھی جو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کے مصادر میں سے ہے، اب دمشق سے دس جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔

گجرات میں درس حدیث کے حلقے کثرت سے قائم ہوئے جن سے علماء ومحدثین فارغ ہوکر نکلے، نیز یہ بات تاریخ میں مشہور ہے کہ علم حدیث شمال ہند میں کمزور تھا البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ کی آمد پر شمالی ہند توجہات کا مرکز بن گیا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ملک کو نویں اور دسویں صدی ہجری میں ممالک اسلامیہ کے چند علمائے کرام کا تحفہ عطا کیا، اور سلطانِ گجرات کے علماء ومحدثین کی تکریم کی وجہ سے یہ لوگ وہاں داخل ہوگئے، اسی طریقہ سے توفیق خداوندی بہت سے علمائے کرام کو اس علم کے مصدر ومنبع حرمین شریفین لے گئی جن کے اسماء کی

فہرست خاصی طویل ہے، ان علمائے ماہرین میں علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی ملک المحدثین بھی ہیں جنہوں نے ۹۴۴ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج وزیارت سے مستفیض ہونے کے بعد ایک مدت تک وہاں قیام کیا اور وہاں کے علماء سے علوم و فیوض حاصل کرتے رہے، وہ خاص طور پر شیخ علی بن حسام الدین المتقی کی صحبت میں رہے، بہت سے علوم کی حصول یابی کے بعد ہندوستان لوٹے اور تصنیف وتالیف کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی، حضرمی نے النور السافر میں کہا ہے کہ انہوں نے اپنے معاصرین علماء پر فوقیت حاصل کی حتی کہ علمائے گجرات میں کوئی بھی ان کے مقام تک نہیں پہنچا، ۹۸۶ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ان کی اہم تصانیف میں زیادہ مشہور ومعروف کتابیں یہ ہیں:

(۱) **مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار،** اس میں تمام غریب حدیثوں کو جمع کر دیا ہے، یہ کتاب صحاح ستہ کی شرح کے طور پر ہے، جب سے یہ منصۂ شہود پر آئی ہے وہ علماء کے درمیان متفقہ طور پر مقبول ہوئی ہے اور ان کا یہ کارنامہ اہل علم پر بڑا احسان ہے، انہوں نے اس کتاب کی تالیف میں ابن الاثیر کی ''النہایہ فی غریب الحدیث والأثر'' کو اصل بنایا ہے اور ''ناظرین الغریبین'' کے فوائد کو اور ان زوائد کو جن سے لوگ ناواقف تھے انہیں بھی شامل کیا ہے، وہ ایک طالب علم کے لیے لغت حدیث میں کافی ہے اور فنون علمی اور غرائب قرآن کے مراجع کے لیے جامع کتاب ہے، انہوں نے اس کتاب کا منہج اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، اس کتاب کی تالیف میں جن مصادر سے استفادہ کیا ہے ان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، یہ کتاب ۱۲۶۴ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوئی، اس کے بعد ۱۲۸۲ یا ۱۲۸۳ھ میں مطبع نول کشور سے

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی عنایت سے جملہ نسخ کے مقابلہ کے بعد دو جز میں شائع ہوئی، پھر اس کی طباعت بار بار ہوئی، اخیر میں محدث کبیر شیخ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی سرپرستی میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی مرحوم کی تصحیح کے ساتھ جلی حروف میں مکتبۂ دارالمعارف العثمانیہ حیدرآباد سے بڑے ہی اچھے انداز میں شائع ہوئی، اس طباعت کے ضبط نصوص کے اعتبار سے ممتاز ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے، اس کے باوجود یہ کتاب مندرجہ ذیل امور کی رعایت کے ساتھ از سر نو خدمت کی محتاج ہے:

☆ مناسب جگہ پر کتاب کے مقاطع کو رکھنا۔

☆ کتاب کے مصادر کو بیان کرنا اور ان کا تعارف کرانا۔

☆ فنی ترقیمات مناسب فواصل کے ساتھ رکھنا۔

☆ جو جگہیں تعلیق کی مستحق ہیں ان کی تعلیق کرنا، مثال کے طور پر علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے کتاب کے مصادر میں ’’صفحہ ہ لتوسط شرح سنن أبي داود‘‘ ذکر کیا ہے تو اس عبارت کی توضیح کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کتاب کا صحیح نام ’’**التوسط المقصود في شرح سنن أبي داود لعبد الرحيم العراقي**‘‘ ہے، اس کتاب سے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح فتح الباری میں فائدہ اٹھایا ہے، یہ شرح شیخ پٹنی کے اہم مراجع میں سے ہے، اس کے مخطوطے بھی نایاب تھے، لیکن اس زمانہ کے بعض علماء نے اسے حاصل کیا ہے، اس کی فوٹو کاپی ہمارے یہاں مرکز الشیخ أبي الحسن الندوی اعظم گڑھ میں موجود ہے، یہ کتاب بھی از سر نو تحقیق کی محتاج ہے۔

☆ علامہ پٹنی نے مصطلحات علوم حدیث اور سیرۃ النبیؐ اور مناقب صحابہؓ اور مختصر قانون الموضوعات اور ضبط اسماء الرجال کے علاوہ دیگر علوم کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے،

یہ سارے مباحث تحقیق وتعلیق کے محتاج ہیں۔

(۲) ان کی کتاب المغنی فی ضبط أسماء الرجال اولاً تو ہندوستان سے شائع ہوئی پھر دوبارہ بیروت سے اس کی اشاعت ہوئی، صاحب 'الثقافة الإسلامية' کے قول کے مطابق یہ کتاب جامع اور شامل ہے۔

علامہ پٹنی اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں''اس کے واسطے لوگوں کی متفق علیہ کتابوں کو میں نے خوب کھنگالا، مسلسل شب بیداری کی، اپنی بدنی اور مالی کوشش کے ذریعہ عرب وعجم کی خاک چھانی، لیکن مجھے کوئی تشفی بخش کتاب دستیاب نہیں ہوئی، اس کے باوجود میں نے چند مہینے خوب محنت کی تو اللہ کے فضل وکرم سے بہت سی جلدوں سے بے نیاز کرنے والی یہ مختصر جامع کتاب منظر عام پر آئی''۔

علامہ پٹنی نے یہ کتاب اپنے شیخ علامہ علی المتقی کی زندگی میں لکھی تھی، یہ کتاب بھی از سر نو خدمت کی محتاج ہے، ان مصادر کی طرف رجوع کرتے ہوئے جن سے علامہ پٹنی نے اپنی اس کتاب میں فائدہ اٹھایا ہے اور دیگر جو اس کے بعض مصادر شایع ہو چکے ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جائے، فن اسماء الرجال پر اب بہت سے مصادر دیدہ زیب تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، لہذا اس کتاب کو اسی معیار پر ہونا چاہئے۔

(۳) تذکرۃ الموضوعات: علامہ نے کتاب کے مقدمہ میں تالیف کا سبب بیان کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ پہلے سے اس موضوع پر علامہ صغانی وغیرہ کی کتابیں موجود تھیں، میرا خیال ہے ان لوگوں کے سامنے علامہ ابن الجوزی کی موضوعات تھی، اس لیے حدیث وضع کا فیصلہ کرنے میں افراط سے کام لیا جس پر علماء نے نقد کیا ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:''علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب میں ضعیف روایات بلکہ

حسان وصحاح کو بھی داخل کر دیا ہے، میں اس کتاب میں فیروز آبادی کی مختصر سے جو شیخ زین الدین عراقی کی کتاب ''المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار'' سے لی گئی ہے فائدہ اٹھاؤں گا، نیز سخاوی کی مقاصد حسنہ اور علامہ سیوطی کی اللآ لی المصنوعہ اور اس کے ذیل اور صغانی کی موضوعات اور موضوعات المصابیح لسراج الدین بلقینی اور شیخ علی بن ابراہیم عطاء وغیرہ کی کتابوں سے فائدہ اٹھاؤں گا''۔

علامہ پٹنی نے اپنی کتاب میں موضوعات کے سلسلے میں جرح وتعدیل میں میانہ روی اختیار کی ہے، وہ جرح وتعدیل کے باب میں اعتدال پسندوں میں ہیں، وہ اس سلسلے میں اپنے شیخ علی المتقی کی آراء کو بیان کرتے ہیں، اس کتاب کی تکمیل ۹۵۸ھ میں ہوئی اور طباعت ہندوستان میں ہوئی پھر ۱۹۲۴ء میں قاہرہ سے مؤلف کے قانون الموضوعات کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۴) **قانون الموضوعات والضعفاء**: یہ ان کی کتاب تذکرۃ الموضوعات کا تکملہ سمجھی جاتی ہے، اس میں ضعفاء اور کذابین کی فہرست دی گئی ہے۔

(۵) تلخیص خواتم جامع الاصول جو شیخ محدث حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے اہتمام سے شائع ہوئی۔

(۶) تلخیص جامع الاصول: یہ کتاب اب تک مخطوطہ کی شکل میں ہے، یہ ناچیز پٹنہ لائبریری میں اس کی زیارت سے مستفید ہو چکا ہے۔

(۷) کتاب اسماء الرجال: اس کتاب کی تقسیم تین فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول: سیرۃ النبیؐ پر مشتمل ہے۔

فصل ثانی: انبیاءؑ کے احوال پر مشتمل ہے۔

فصل ثالث: اس میں دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: عشرہ مبشرہؓ کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری قسم: اس میں حروف تہجی کی ترتیب پر صحابہؓ وصحابیاتؓ، تابعینؒ اور محدثینؒ کے تراجم ناموں کے اعتبار سے بیان کیے گیے ہیں، یہ کتاب بھی پٹنہ لائبریری میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے، جو تحقیق اور طباعت کی محتاج ہے۔

(۸) صحیح بخاری، (۹) صحیح مسلم، (۱۰) مشکاۃ المصابیح اور (۱۱) جامع ترمذی پر بھی علامہ پٹنی کے حواشی اور تعلیقات ہیں، لیکن ان کتابوں کے بارے میں ہماری معلومات نہیں ہیں، ممکن ہے کسی مکتبہ میں موجود ہوں لأن في الزوايا خبايا۔

علمائے گجرات کی علوم وفنون پر شاندار تصنیفات ہیں لیکن یہ ناچیز علم حدیث میں ان کے کارناموں کو بیان کرتا ہے، ان میں سے شیخ صدیق عربی ہیں جن کی مشکاۃ المصابیح پر نجوم المشکاۃ نامی شرح ایک جلد میں ہے، اس کی فوٹو کاپی مرکز الشیخ أبي الحسن الندوی اعظم گڑھ میں موجود ہے، ہوسکتا ہے اس کی اصل پٹن میں موجود ہو۔

شیخ عبد النبی شطاری گجراتی کی بھی ایک کتاب زينة النكات في شرح المشكاة کے نام سے ہے۔

شیخ جعفر بن جلال الدین حسینی گجراتی (م ۱۱۶۰ھ) کی بھی چند تصانیف ہیں، جن میں دو جلدوں میں فیض الطاری فی شرح صحیح البخاری ہے، اس کا مخطوطہ مکتبہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔

ایسے ہی شیخ نور الدین احمد بن محمد صالح احمد آبادی گجراتی ۱۰۶۴-۱۱۵۵ھ بھی ہیں جو بہت سے علوم وفنون کے عالم تھے، ان کی تصانیف میں نور القاری شرح صحیح

البخاری ہے، اس کا مخطوطہ پایا جاتا ہے، اور شیخ محمد اسحاق بھٹی نے ذکر کیا ہے کہ جامع ترمذی کی شرح ہے، اس وقت موضوع کے مناسب جو باتیں ذہن میں آئیں ان کو اشارۃً ذکر کیا گیا۔

مگر مکتبات میں یہ کتابیں ڈھونڈی جائیں تو ممکن ہے بعض ایسے نوادرات ملیں جن سے ہم واقف نہیں ہیں، اس لیے کہ میں نے نسخہ صحیح بخاری اور اس کے متعلقات کے دیگر مخطوطات کی حصول یابی کے سلسلہ میں تجربہ کیا ہے، الحمد للہ میں نے وہ چیزیں حاصل کرلیں جو میرے تصور سے بالاتر تھیں، مثال کے طور پر صحیح بخاری کے نسخہ یونینیہ کے رموز کو ذکر کرتا ہوں، اس کا ایک نسخہ دار الکتب مصر میں موجود ہے، میں نے اس کا فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن حاصل نہ کرسکا، تلاش وجستجو اور محنت و کوشش کے بعد میں نے اس کی فوٹو کاپی ہندوستان میں پائی۔

لہٰذا جامعہ علوم القرآن کے احاطہ میں علمائے گجرات کے علمی سرمایہ کے احیاء کے لیے جو سیمینار علامہ محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے نام سے منعقد کیا گیا وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اس صوبے کو سنت کی نشر واشاعت اور درس و تدریس میں اولیت اور افضلیت کا مقام حاصل ہے، اس سے پہلے مجمع علمی ڈابھیل سے بعض نادر کتابیں شائع کی گئی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱. نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي.

۲. المصنف لعبد الرزاق الصنعاني.

۳. فيض البارى للعلامة الكشميرى.

۴. مشكلات القرآن للكشميرى، اوراس کے علاوہ بھی دیگر مطبوعات ہیں۔

مطبوعات کے سلسلہ میں اس ادارہ کی کاوشوں کا ملک و بیرون ملک کے علمائے کبار نے اعتراف کیا ہے، اخیر میں جامعہ علوم القرآن میں علمائے گجرات کی مؤلفات پر بحث وتحقیق کے لیے مجمع علمی قائم کرنے کی تجویز پیش کرتا ہوں اور میں خود مرکز الشیخ أبي الحسن الندوی کے ذریعہ اس معاملہ میں تعاون کے لیے تیار ہوں جس میں چار ہزار سے زائد مخطوطات اوراسی ہزار مطبوعات ہیں، اس میں مختلف علوم پر نوادرات بھی موجود ہیں، واللہ الموفق۔

اسلام، اعتدال اور صحیح فکر کی تعلیم دیتا ہے

[مدینہ منورہ میں منعقدہ کانفرنس کے لئے لکھا گیا]۔

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد خاتم النبيين والمرسلين، المبعوث رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه ومن دعا بدعوته واتبع هداه بإحسان إلى يوم الدين، أمابعد!

اللہ عزوجل نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و معلم اور شارح کی حیثیت سے مبعوث فرمایا، آپؐ کے لیے صحیح دین منتخب فرمایا، اپنی کتاب عظیم کے مطابق آپؐ کو صراط مستقیم کی ہدایت سے بہرور فرما کر پوری انسانیت کے لیے آپؐ کو امام اور پیشوا کے طور پر پسند کیا، اور تمام آسمانی شریعتوں کے لیے آپؐ کی ذات اقدس کو خاتم اور مہر قرار دیا، آپ پر نبوءات اور رسالوں کا سلسلہ منتہی ہو چکا ہے، قرآن کی شہادت ملاحظہ ہو: **ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شئی عليماً.** (سورہ احزاب:۴۰)

(محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں)۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس شریعت اور دین کو لے کر آئے وہ ہر زمانے اور ہر

جگہ کے مناسب حال ہے، قرآن نے بہت صاف لفظوں میں ذکر کیا ہے کہ یہ دین کامل ومکمل ہے اور اس کے اندر ہر دور کے انسانوں کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، ارشادِ خداوندی ہے: **اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا.** (المائدۃ:۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنا احسان پورا کیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا)۔

اللہ عزشانہٗ نے اپنے رسولؐ کا نبوت کی تکمیل کے ساتھ ایسے اوصاف سے ذکر کیا ہے جو آپؐ کی سرمدی رسالت پر دلالت کرتے ہیں، نیز آپؐ کا وجود باسعادت بلاتفریق ہر زمانے اور ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكرالله كثيرا.** (الأحزاب : ۲۱)

(تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے، یعنی اس شخص کے لیے نمونہ ہے جو اللہ سے، یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو)

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہر خیر وسعادت کا مرکز وسرچشمہ ثابت ہوئی، اس کے نتیجے میں ایک منفرد اسلامی معاشرہ تیار ہوا، اس اسلامی معاشرہ کی تشکیل تین عناصر سے ہوئی، پہلا عنصر قرآن مجید ہے، دوسرا عنصر آپؐ کی سیرت طیبہ واخلاق ہیں، تیسرے آپؐ کے اقوال وافعال وارشادات کا مجموعہ ہے جس کو ''سنت اور حدیث'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی مثالی معاشرہ کی تشکیل میں ان ہی عناصر کی کارفرمائی ہوتی ہے، ان کے بغیر کسی اچھے معاشرے کا

تصور نہیں کیا جا سکتا، صحابہ کرامؓ کی زندگی میں اسلامی اخلاق اور ایمانیات کی جو تابناک جھلک نظر آتی ہے، وہ صرف قرآن اور اس کی تلاوت سے نہیں ہے بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو سیرت و اخلاق اور آپ ؐ کی جامع تعلیمات وہدایات کا بہت بڑا رول ہے، صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ تصور سرایت کر چکا تھا کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں ہے اس کے لیے قرار نہیں ہے، دار القرار تو صرف آخرت ہے: **وما الحياة الدنيا إلا لهو ولعب وإن الدار الآخرة لهي الحيوان . (العنكبوت : ۶۴)**

(دنیا کی زندگی صرف کھیل اور جی بہلانا ہے، اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے)

آپ ؐ کی سیرت طیبہ اور آپ ؐ کے اہل خاندان کے طریقۂ زندگی کو دیکھ کر صحابۂ کرامؓ دنیا اور آخرت کی حقیقت خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے، تاہم رحمت، تواضع، نرمی اور اخلاق حسنہ کا صحیح مفہوم ان پر اس وقت آشکارا ہوا، جب انہوں نے کمزوروں، بچوں، عورتوں محتاجوں اور بیکسوں، نیز عام صحابہ اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ نبی کو بلند کردار پیش کرتے ہوئے دیکھ لیا، درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی، اور آپ کی تعلیمات وہدایات نے عالمی فضا کو روحانیت سے معطر کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی احوال وواقعات، حدیث نبوی ؐ کا مجموعہ ہیں جن سے امت، ممتاز خوبیوں اور خصوصیتوں سے آراستہ وپیراستہ ہوئی۔

ہمارے استاذ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

'بلا شبہ حدیث رسول ؐ، میزان عدل ہے، علماء ومصلحین نے ہر دور میں اسی سے امت کے اعمال وکردار کو اور اس کی کجی کو جانچنے اور پرکھنے کا کام انجام دیا ہے اور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا، وہ

قرآن وسنت دونوں کی جامعیت سے ہی پُر کیا جا سکتا ہے، اور اخلاق واعمال میں کامل اعتدال کی صرف یہی راہ ہے، اگر حدیث رسولؐ، معتدل اور متوازن زندگی کی نمائندگی نہ کرتی، اس کی حکیمانہ تعلیمات نہ ہوتیں، اور خود مسلم سوسائٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجا آوری نہ کرتی، تو یقیناً امت افراط وتفریط کا شکار ہو جاتی اور اس کا توازن بگڑ جاتا، امت کے سامنے یہی قابل عمل نمونہ ہے جس کے اختیار کرنے کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تلقین وترغیب دی ہے: **لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة.** (تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے)۔

حدیث شریف، اسلامی معاشرہ میں احتساب کا طاقت ور ذریعہ ہونے کے ساتھ بدعات وخرافات کی بیخ کنی کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث رسولؐ اس امت کی بنیادی ضرورت ہے، اور کتب حدیث، اصلاح وتجدید کی بنیادی مصادر ہیں، اور مسلمانوں کو صحیح دین پر گامزن رکھنے کے لیے اس سے استغناء ممکن نہیں ہے، اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ حدیث رسولؐ سے جب بھی مسلمانوں کا تعلق کمزور ہوا، ان پر رسوم ورواج اور بدعات کا غلبہ ہونا شروع ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کس قدر ان پر صادق آیا ہے: **لتركبنّ سنن من كان قبلكم شبراً بشبر وذراعاً بذراع.** (أخرجه الحاكم)

(تم ضرور ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ ان لوگوں کی روش پر چلو گے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں)۔

الحمد للہ علماء ومحدثین کی کوششوں کے نتیجہ میں قرآن کریم کے ساتھ عہد رسالت کا پورا ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے، قرآن کے ساتھ حدیثوں کی حفاظت اور

اس کی بقا اسلام کا ایسا معجزہ ہے، جس میں کوئی مذہب اس کا شریک وسہیم نہیں ہے، بے شک دین آیا ہی ہے اس لیے تا کہ روز قیامت تک باقی رہے، **إنا نحن نزلنا الذکر وإنا لہ لحافظون** . (بے شک ہم نے ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے)۔

اخیر میں اس تقریب کے تعلق سے میں اپنی مسرت وانبساط کا اظہار کرتا ہوں کہ صاحب السمو الملکی امیر نایف بن عبدالعزیز وزیر داخلہ ونائب وزیر اعظم سعودیہ عربیہ نے اس زمانہ میں سنت نبویؐ کی عظیم خدمت کی فکر اوڑھ لی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپؐ کی حدیثوں کو اختیار کرنے کے سلسلے میں امت اسلامیہ کی رہنمائی کا بہترین طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کو خوب اجر سے نوازے۔

معاشرہ جب نبیؐ کی سنت پر مضبوطی سے گامزن ہو جائے، تو فکری ارتداد سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور زندگی اعتدال اور راستی سے ہمکنار ہو جاتی ہے، شاعر مشرق علامہ اقبال نے اعتدال اور فکر صحیح کی اپنے شعر میں اس طرح ترجمانی کی ہے ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

معلم عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات وارشادات کے بغیر زندگی میں اعتدال اور صحیح فکر نہیں آسکتی۔

اس مبارک موقع سے یہ چند کلمات میں نے گوش گذار کر دیئے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خادم حرمین شریفین اور سعودیہ عربیہ کو عزت ورفعت اور صحیح رہنمائی کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

ساتواں باب

چند اہم شخصیات کے انتقال پر تأثراتی مضامین

(وفیات)

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ

نقوش وتأثرات

محفلِ دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف ومرض کے جھونکوں سے بُجھ بُجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو ہمیشہ کے لیے بُجھ گیا۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی

دریغا! کہ علم وعمل، فضل وکمال، ایمان ومعرفت اور زہد وورع کا وہ مہر تاباں غروب ہوگیا، جس کی ضیاء پاشیوں سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک عالم منور ہوتا رہا، آہ! وہ چشمۂ علم اور منبع تزکیہ وہدایت خشک ہوگیا، جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی۔

واا سفا! کہ وہ گنج گراں مایہ ہم سے جدا ہوگیا جو تاعمر اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق حدیث، اسرار احسانی اور رموز حکمتِ ربانی کے موتی لٹاتا رہا، یعنی امام دوراں ومحدث عصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ ہزاروں لاکھوں قلوب کو سوگوار وحزیں چھوڑ کر راہیٔ عالمِ بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابھی اس عظیم سانحہ کا غم بالکل تازہ ہے، حضرتؒ کی یاد سے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا، اس لیے ناچیز کے قلب میں ابھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کے نالہ وشیون کو سپرد قلم کرسکے، مگر اپنے مخدومین کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

در ایں آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم
جہانے را جگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

بلاشبہ حضرت اقدسؒ کا سانحۂ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے، آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی، وہ اپنے اکابر و مشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل وامین تھے، ان کی دوکان سے عشق ومحبت کا سودا بکا کرتا تھا، ہزاروں تشنگانِ علم نے ان کے منبع فضل وکمال سے اپنی علمی تشنگی فرو کی، لاکھوں گم گشتگانِ راہ نے اس قندیلِ فروزاں سے منزل حقیقی کا پتہ پایا، حضرت شیخ الحدیثؒ کا فیضان ایشیا ویورپ اور مشرق ومغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہوکر عالمگیریت اختیار کر گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کے عدیم النظیر کمالات اور نادر صفات کا احاطہ واستقصاء کرنا ایک مضمون میں ناممکن ہے، اس کے لیے ضخیم دفاتر بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے، جس کے کچھ جلوے ''الفرقان'' کی خصوصی اشاعت میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

راقم السطور اپنے اس مضمون میں حضرتؒ کی زندگی کے صرف اس گوشہ کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کے باعث زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انھیں ''شیخ الحدیث'' کا لقب و خطاب عطا کیا، اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جز اور اس کی علامت بن کر رہ گیا، بلکہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ کا حقیقی اسم گرامی ''شیخ الحدیث'' کے لقب کی عمومیت میں گم ہوگیا تھا، ان کا سینہ عشق رسولﷺ کی آتش سوزاں کی آماجگاہ تھا اور علم حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اور اس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اس عشق رسولﷺ کا طبعی نتیجہ تھا، ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتساب فیض کیا، آپ نے جو گرانقدر علمی کارہائے نمایاں انجام

دیئے اس کی نظیر کم از کم قرونِ متاخرہ میں مفقود ہے اور بلا شبہ گنبد افلاک آپ کے گونا گوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدہ عالم دوامِ ما

ہندوستان میں علم حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد:

تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں کہ آغاز اسلام کے ساتھ ہی سرزمین ہند قال اللہ و قال الرسولؐ کے سرمدی نغموں سے معمور ہوگئی تھی، ہر عصر وعہد میں محدثین کرام کی ایک جماعت اس ملک میں وارد ہوئی اور بساط درس حدیث آراستہ کی، علم حدیث کی ترویج و اشاعت اور تدریس وتصنیف کا جو غلغلہ ہندوستان میں بلند ہوا اس کی نظیر دوسرے بلاد اسلامیہ میں نہیں ملتی، خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی (المتوفی ۱۷۶۱ء) اور ان کے نامور خانوادے نے ہندوستان میں علم حدیث کے منارہ کو رفعت میں رشک فلک بنا دیا تھا، ان ہی کے ذریعہ اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج عام ہوا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے درس وتصانیف کے ذریعہ تفقہ فی الحدیث اور شریعت کے اسرار وحکم کا ایک نیا باب وا کیا، انھوں نے مذاہب فقہاء کی ادلہ احادیث پر عمیق نظر ڈالی اور اپنے نورِ باطن سے فقہاء کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ء) کے فیضان درس سے اکابر محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوکر نکلی جن میں سب سے زیادہ شہرت وامتیاز خود آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) کو حاصل ہوا ان کی ذات اپنے عہد میں علم حدیث

کا سب سے بڑا مرجع و مرکز تھی، اکناف عالم کے تشنگان علم نے ان کے در پر حاضر ہو کر کسب فیض کیا، نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر اس عہد میں شاید ہی مل سکے ان کے ممتاز و سرفہرست تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ (المتوفی ۱۲۹۶ھ) مہاجر مدنی کا نام نمایاں ہے جن کے درس حدیث سے ہندستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی اور ہندوستان کی پوری علمی فضا حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے معمور ہوگئی، ان کے سرآمد روزگار تلامذۃ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (متوفی ۱۳۲۳ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحیٰ (م ۱۳۳۴ھ) ہیں جن کے سبب دنیا نے حضرت کے عہد آخر کے دور حدیث کی بہار دیکھی، حضرت امام ربانی تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اس میں ضبط و اتقان اور تحقیقات نادرہ کے موتی بکھیرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحیٰ نے حضرت کے درس کے افادات عربی زبان میں قلمبند کئے تھے جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصہ کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں، یہی حضرت مولانا محمد یحیٰ ہمارے استاذ و مرشد مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت شیخ کی تعلیم حدیث کا آغاز:

حضرت شیخ الحدیثؒ سب سے پہلے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، پھر درسیات کی اکثر متداول کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے ''مشکوٰۃ شریف'' پڑھنے کا آغاز کیا، یہی نورانی و روحانی نقطۂ آغاز درحقیقت حضرت شیخ کی زندگی کی

وہ ساعت ہمایونی تھی جس نے تاحیات انہیں علم حدیث کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی میں منہمک رکھا۔حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ۔

''۷؍محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی ، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھاتے تھے نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی ، پھر میری طرف متوجہ ہوکر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا ، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر پندرہ یا بیس منٹ تک بہت دعائیں مانگیں مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دعائیں مانگیں لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے اسے مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھئے ، اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں ، گندگیوں اور سیئات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۹۰ھ تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو''۔

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات کیسے ممکن ہے اگر میں نے حدیث پڑھ بھی لی پھر مدرس بھی ہوگیا تو درس حدیث تک دس بارہ سال لگ جائیں گے بہت سے ایسے حضرات جو عرصہ سے مدرس ہو چکے تھے اس وقت تک مشکوٰۃ شریف تک نہیں پہونچ سکے تھے ، مگر اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب خود ہی پیدا فرمادیتا ہے۔

دورۂ حدیث:

حضرت شیخ کے دورۂ حدیث کی ابتدا ۱۳۳۳ھ میں ہوئی ، اسی سال حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہما نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس

کے سفر کا قصد فرمایا تھا، حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ نہ مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے اور نہ عجلت ہی ہے، ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ابوداودشریف مولانا یحییٰ صاحب کا خاص سبق تھا، اس لئے ان کے درس میں ابوداودشریف شروع کردی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری کی واپسی پر ملتوی رکھا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابن ماجہ کے سوا تمام کتابیں اپنے والد مغفور سے نہایت بحث وتحقیق کے ساتھ پڑھیں، اس کے بعد دوبارہ ۱۳۳۴ھ میں ان کتابوں کو حضرت شیخ نے اپنے استاذ ومرشد شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد سہارنپوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے پڑھا، (ابن ماجہ کے ابتدائی حصہ کو پڑھ کر اجازت لی تھی)۔

اس طرح حضرت شیخ اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارنپوری، دونوں بزرگوں کے علوم وکمالات اور روحانیت کے سچے جانشین تھے، حضرت شیخ کے علمی کارناموں کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔(۱) درس حدیث......اور......(۲) تالیف وتصنیف۔

۱۔تدریس حدیث:

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوئے اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے باعث ترقی کرکے تدریس حدیث تک پہونچ گئے حضرت مولانا سہارنپوری کو علم حدیث سے ان کی مناسبت اور استعداد کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہارنپوری کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اس لئے انہوں نے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے (از ۱۳ تا ۱۵) کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی، اور ایک سفر پر روانہ ہوگئے۔ واپسی پر تحقیق فرمائی کی پڑھانے لگے یا نہیں؟ اس پر معلوم ہوا کہ اکابر اساتذہ کی موجودگی میں

پڑھانے سے تکلف ہے اور احتراز کر رہے ہیں، اس پر حضرت سہارنپوری ناراض ہوئے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث جو ابھی عمر کی ۲۶ ویں بہار میں تھے اور اس وقت تک مشکوٰۃ شریف بھی نہ پڑھائی تھی عجیب کشمکش اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے اپنے استاذ وشیخ کی ناراضگی سے پریشان ہو کر عرض کیا۔

''حضرات! توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے، دوسرے مدارس والے کیا کہیں گے کہ ایک نوعمر لڑکے کو جس نے ابھی مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی ہے بخاری دے دی ہے''۔

یہ سن کر حضرت سہارنپوریؒ نے بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ ارشاد فرمایا:۔

''نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمہیں نہیں دیگا''۔

اس سوال وجواب کے بعد حضرت شیخ نے یہ درس حدیث قبول کر لیا اور پھر'' قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' کا حقیقی مشاہدہ ہوا۔ پورا تعلیمی سال اطمینان سے گزرا اور سب مطمئن رہے۔

اس کے بعد ماہ شوال ۱۳۴۱ھ سے مشکوٰۃ شریف کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مدرسہ علوم شرعیہ میں بعض مغربی طلبہ کو ابوداود شریف بھی پڑھائی، حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۸؍صفر ۱۳۴۶ھ سے اَبوداود شریف اور نسائی شریف کے اسباق آپ کے ذمہ منتقل ہو کر آئے تھے اسی کے ساتھ موطا امام محمد اور بخاری شریف کے آخری چار پاروں کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی، اس وقت سے ۱۳۷۵ھ تک مسلسل اَبوداود شریف کا درس حضرت شیخ ہی کے ذمہ رہا، آپ کے درس کی

شہرت ابتدا سے ہندوستان کے عربی مدارس میں ہوگئی تھی اور نام کے بجائے ''شیخ الحدیث'' کے لقب سے مشہور عام ہوئے۔ یہ لقب دراصل حضرت سہارنپوری نے آپ کو عطا فرمایا تھا اپنے انتقال سے پیشتر حضرت سہارنپوری نے جو تحریر مدینہ منورہ سے مدرسہ مظاہر علوم کے نام ارسال کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر تھا کہ حضرت شیخ کو حدیث سے جو مناسبت ہے وہ کسی اور کو نہیں، اس لئے انہیں کو مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا جائے اور اگر کسی کو اس میں تردد ہو تو میں اپنی طرف سے ان کو شیخ الحدیث کا لقب دیتا ہوں۔

تقریباً ۳۵ سال تک سنن أبی داؤد اور بخاری جلد اول کا درس حضرت ہی کے ذمہ رہا، اس کے بعد ۱۳۷۳ھ سے ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں سے بخاری جلد ثانی بھی حضرت ہی کی طرف منتقل ہوگئی، لیکن ۱۳۷۵ھ سے صرف بخاری شریف ہی آپ کے ذمہ رہ گئی، اس طویل زمانہ تدریس میں حسب ضرورت حدیث کی بعض دوسری کتب مثلاً ترمذی، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ بھی زیر درس رہیں، افسوس کہ ۱۳۸۸ھ سے آنکھوں میں نزول ماء (موتیابند) کی شکایت کے باعث درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا، مگر تالیف وتصنیف کا سلسلہ آخر آخر تک قائم وبرقرار رہا۔

اسی طرح مسلسلات حدیث کے درس کا بھی حضرت کے یہاں بڑا اہتمام تھا، ابتدا میں تو خصوصی طور پر بعض حضرات اجازت لیتے رہے، لیکن ۱۳۸۸ھ سے باضابطہ اس کا اہتمام ہونے لگا، اور کافی جم غفیر اس کی تحصیل کے لئے اکٹھا ہونے لگا، چنانچہ ۲۲/رجب ۱۳۹۰ھ کو ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ خبر گونج اٹھی کی حضرت شیخ مسلسلات حدیث پڑھائیں گے، اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہوگیا جس میں ہندوستان کے بہت سے اساطین ومشاہیر اہل علم بھی شریک ہوئے۔

درس حدیث سے والہانہ شیفتگی:

حضرت شیخ جس انہماک و دلسوزی، نشاط وسرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان وقلم قاصر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لئے محض ایک علم اورفن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق وحال بن گیا تھا اوران کے جسم و جان اور رگ و ریشہ میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی ؎

شاخِ گل میں جس طرح بادسحر گاہی کا نم

ایک بار موسلا دھار بارش ہورہی تھی، تمام سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا، ناکارہ راقم سطور مدرسۂ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہوتو سبق میں حاضر ہو، حضرت مولانا اسعداللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہر علوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے، باہر جا کر معلوم کرلو، چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروش سے معلوم کیا، بارش کا زور برابر قائم تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے، جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے، سڑک پر پانی بہہ رہا تھا، یہ کم ہمت بھی بعجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا، وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا، ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو کیسے آیا ہوں، اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک

ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا، نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے باصرار مجھے رکشے پر سوار کر لیا اور یہاں پہونچانے کے بعد میرے پیروں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھو دیا، یہ ناکارہ سن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا درس گرمی و سردی، صحت و بیماری اور بارش و آندھی تمام حالات میں اسی مستعدی ونشاط اور تازگی و پابندی کے ساتھ جاری رہتا تھا، دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی عطر کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا، ادب واحترام اور وقار وسکینت کی جو خاص کیفیت اس وقت پیدا ہو جاتی تھی اس کے بیان کے لئے راقم سطور ذخیرۂ الفاظ کو قاصر پاتا ہے، جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا یوں محسوس کرتا گویا ؎

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

حضرت شیخ کا درس اپنے عہد میں اہم ترین خصوصیت کا حامل تھا، اس لئے ان کے درس کی تقریر کو بہت سے علماء وفضلاء قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے تھے، اس ناچیز راقم سطور نے بھی درس بخاری کی تقریر کو بہت اہتمام سے قلم بند کیا ہے، مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ کی مختلف تقاریر کو مرتب کیا ہے، مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کی نظر ثانی کے بعد عرصہ ہوا، اس کے دو اجزاء کی طباعت ہو چکی ہے، اس کے شروع میں حضرت شیخ کے ایماء وحکم سے اس ناچیز کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں حضرتؒ کے درس کی امتیازی خصوصیات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

حضرت شیخ کے درس کی خصوصیات:

(۱) حضرت شیخ کا درس عشق نبویؐ اور حب رسولؐ کا نمونہ ہوتا تھا، جس کیفیت و سوز وگداز سے آپ پڑھاتے تھے وہ قابل بیان ہے ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر بہت غیر معمولی ہوتا تھا، کبھی آہ وبکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے ؎

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

خصوصاً حضرت شیخ جس وقت آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کی حدیث پڑھا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ عظیم سانحہ پیش آیا ہے، اس وقت حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا، عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی، اور طلباء وسامعین پر آہ وبکا کا عالم ہوتا ؎

الٰہی درد وغم کی سر زمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت شیخ کے درس میں تمام ائمہ سلف ومجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب وعظمت کا معاملہ رہتا تھا، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے تھے............ اور ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے، حنفیہ کی دلیل سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں گویا انھیں اس کی خبر نہیں، حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذاہب کی تائید میں

دوسری جگہ نقل فرمایا ہے مگر بہ ایں ہمہ حافظ ابن حجر کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں، امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہل علم کے لئے دشوار ہو جاتا ہے، مگر حضرت شیخ اس موقع پر عام طور پر امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کی عظمت شان اور جلالت قدر میں کسی طرح کمی واقع نہ ہو، خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الإکراہ میں حضرت شیخ کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا ترجمہ دشوار ہے، اس لئے کہ عربی کے مقابلہ میں اردو کا ذخیرۂ الفاظ کوتاہ ہے، اور بسا اوقات ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ اس طرح کے الفاظ کا اردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اردو زبان میں تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوتی اور دیگر شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ وتشریح میں بھی الجھن باقی ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دور فرماتے، اگر اس طرح کی تمام نادر تحقیقات کو جمع کر دیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر "باب القسامة" بخاری جلد ثانی ص ۱۰۱۸ (طبع ہند) میں "فقرنت یده بیده" میں ضمیر کے مرجع اور کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر تک سے وہم واقع ہوا ہے، حضرت شیخ اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع وعبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (لامع الدراری ج۳ ص۳۹۱)

(۵) اگر کتاب میں مؤلف یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر

کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے اور اس راوی و روایت کی حیثیت کو واضح فرماتے تھے، حافظ ابن حجر کی معرکۃ الآرا کتاب ''تہذیب التہذیب'' پر حضرت شیخ کا مبسوط ذیل ہے، اگر وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا خصوصاً احناف پر احسان عظیم ہوتا۔

(۶) مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے، اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل میں پہلے خلاصہ کے طور پر بیان فرمادیتے کہ اس میں ۵ یا ۷ یا ۱۰ بحثیں ہیں، پھر ان کی قدرے تفصیل و توضیح فرماتے، ان میں جن مسائل سے امام بخاری نے تعرض کیا ہے ان کی مزید تشریح فرماتے، رفع یدین، آمین بالجہر اور کسوف وغیرہ ابواب میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

(۸) شروح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ نہایت دل نشیں انداز میں بیان فرماتے، حضرت شیخ کی پوری تقریر مغز ہی ہوتی تھی، اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر ملا کر دیکھے گا تو وہ نمایاں طور پر محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی، اور بعض مواقع پر تو کوزہ میں دریا بند نظر آتا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات موقع و محل کی مناسبت سے سناتے تھے، بلا شبہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت مؤثر ہوتے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ طلباء اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھیں۔

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

(۱۰) درس بخاری میں حضرت شیخ خصوصیت کے ساتھ تراجم اَبواب کی شرح اور امام بخاری کے ترجمہ کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے، بعض تراجم پر تمام شروح بخاری خاموش ہیں مگر شیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر اور باریک بینی سے خالی نہیں ہے، مثلاً امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، " باب الصلوٰة إلى الحربة " یہاں تمام شروح ساکت ہیں، مگر حضرت شیخ کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کے شایان شان ایک دقیق نکتہ پیدا کیا اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل وتحقیق ''لامع الدراری'' اوراس کے حاشیہ میں موجود ہے، وہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل عرب ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس لئے پیش نظر ترجمہ سے امام بخاری اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دفع فرما کر اس کا اظہار فرمارہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حل تراجم ابواب کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی مخصوص امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام کی رائے کو پسند فرمایا ہے یا وہ اپنی رائے میں منفرد ہیں تو حضرت شیخ اس کو امام بخاری کے دلائل کے ساتھ بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مفصل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، اگر چہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقت نظر اس امر کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت شیخ اس پر طلباء کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرماتے تھے اور ایسی شافی وتسلی بخش تقریر فرماتے کہ تکرار کا اشکال رفع ہوجاتا، مثلاً صفحہ ۵۶ جلد اول پر دو باب " باب من لم يتم السجود " و " باب من يبدي ضبعيه

ویجافي جنبیه" ہیں یہی دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ۱۱۱۳ پر بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آئے ہیں مگر حضرت شیخ نے ان کی تکرار کو اس طرح فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو"لامع الدراری"۔

(۱۳) امام بخاری کو حدیث نبویؐ سے غیر معمولی عشق تھا اور عاشق صادق جب محبوب کے جمال پر نظر ڈالتا ہے تو ہر بار اسے ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے، امام موصوف کا بھی یہی حال ہے، بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حضرت بریرہ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیس مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے، اس پر حضرت خصوصیت سے طلباء کو متوجہ فرماتے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور جملے ایسے ہیں کہ ان کے صحیح معنی، لب و لہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر کچھ سمجھ میں نہیں آسکتے، اس لئے بھی علم حدیث کو کسی ماہر سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت پیش آتی وہاں اس کی عملی صورت بھی خود کر کے دکھاتے، مثلاً بخاری جلد اول ص۲۹ پر" ووضع خدّه الأيمن على ظهور كفه اليسرى و شبّك بين أصابعه " کا مفہوم بغیر مثالی صورت بنائے ہوئے محض الفاظ سے ذہن نشین نہیں ہوسکتا، اس پر خصوصیت کے ساتھ عمل کر کے طلباء کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف و اضطراب کی بناء پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے، حضرت شیخ اس اضطراب واختلاف کو اس طرح دفع فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی، ملاحظہ ہو لامع الدراری جلد ثانی ص ۶۸۔

بذل المجہود کی تالیف میں شرکت:

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا، ۱۳۳۴ھ میں حضرت شیخ نے دورۂ حدیث حضرت سہارن پوری سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا، ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارن پوریؒ دارالطلباء سے مدرسہ قدیم آرہے تھے اور حسب معمول حضرت شیخ ان کے ہمراہ تھے راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر حضرت سہارن پوریؒ نے ارشاد فرمایا:۔

''ابوداؤد پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی تین بار شروع کر چکا ہوں مگر ہجوم مشاغل نے کچھ نہیں کرنے دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرت علیہ الرحمہ سے حل کرلوں گا، مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا، اس کے بعد پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا یحیٰ صاحب تو ابھی باحیات ہیں ان سے بحث وتحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا، اب عرصے کے بعد مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو شاید میں یہ اہم کام کرلوں''۔

حضرت شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کردیں اور یہ میری دعا کا اثر ہے دریافت فرمایا، کیسی دعا؟ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دعا کا ذکر کیا کہ ''یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے یہ مجھ سے چھوٹنے نہ پائے'' یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے، حضرت سہارن پوری نے اسی وقت شروح حدیث کی ایک طویل فہرست بتادی اور انہیں کتب خانے سے حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

بلاشبہ یہ حضرت شیخ کے عروج واقبال کا وہ آغاز تھا جس کے درجۂ کمال تک آپ

پہونچے اور اپنے شیخ ومرشد کی بارگاہ میں آپ کو وہ اہمیت وخصوصیت حاصل ہوئی جو پھر اور کسی کو نہیں ہوسکی، تالیف کا یہ طرز تھا کہ حضرت سہارن پوری شروح حدیث اور مآخذ کی نشان دہی فرماتے، حضرت شیخ ان کا مطالعہ کر کے اور متعلقہ مواد جمع کر کے حضرت سہارن پوری کی خدمت میں پیش کر دیتے وہ اس میں سے حسب ضرورت مواد منتخب ومرتب کر کے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے ۔تسوید وتحریر کا کام حضرت شیخ انجام دیتے، اسی طرح یہ عظیم الشان شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی اس محنت وکوشش نے آپ کے اندر تصنیف و تالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہوگئی، پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت وتصحیح میں بھی سعی بلیغ فرمائی جس کے باعث آپ کو اپنے استاذ وشیخ کی خوشنودی واعتماد حاصل ہوا اور نامور استاذ علیہ الرحمہ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں ''قرۃ عینی وقلبی'' کے القاب سے اپنے شاگرد رشید کو سرفراز کیا، بلکہ حضرت سہارن پوری نے تو اصل مسودہ میں یہاں تک لکھ دیا تھا " هو جدير بأن ينسب هذا التعليق إليه " (کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت انہی کی طرف کی جائے) مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان حوصلہ افزا کلمات کو میں نے ادباً حذف کر دیا۔

بذل المجہود کے عربی ٹائپ پر طباعت کا اہتمام:

بذل المجہود پانچ ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر ہندوستان میں بہت عرصہ قبل مشہور و مقبول ہو چکی تھی مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دلی تمنا تھی کہ اگر یہ شرح عالم عربی میں بھی پھیل جاتی تو اس کا نفع زیادہ عام ہو جاتا، اس طویل مدت میں حضرت شیخ نے اس پر جابجا حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو بہت سے جدید اضافات پر مشتمل ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ان تمام قیمتی حواشی کو سلیقے سے مرتب کر کے بذل المجہود کو عربی ٹائپ میں طبع کرایا

جائے ، اس سلسلہ میں حضرت شیخ اس ناچیز راقم السطور کو اپنے ایک شفقت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود بیس پچیس سال سے بہت ہی متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں خدا ان کو بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے ، اس میں معاونت کے لئے تیار ہیں، اس سے پھر ایک امنگ پیدا ہوگئی اور تمہارے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا، تم نے لکھا ہے کہ سال بھر تیرے پاس رہنے کا جی چاہتا ہے، اگر بذل المجہود کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو اس کی اجازت نہ دیتا کہ آپ تدریس حدیث چھوڑ کر یہاں قیام کریں یہ تو بہت نقصان دہ ہے البتہ اگر آپ یہاں کے قیام میں بذل المجہود کے میرے حواشی جو بہت کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب کر کے اور بذل کی طباعت ایک سال میں کرا دیں تو یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ بذل المجہود، اُوجز المسالک اور دیگر کتب حدیث کی ٹائپ کے ذریعہ ندوہ پریس میں طباعت کا سب سے زیادہ اہتمام مولانا معین اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اس پر حضرت شیخ نے یہ تحریر فرمایا۔

''میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ندوہ میں اپنے حواشی کے ساتھ طبع کراؤں مگر میرا خیال تمہارے خیال پر یہ ہوا کہ اس کو تم جیسا ذی علم یہاں رہ کر اس کی نقل وتصحیح کر کے مکمل کر کے ندوہ بھیجتے رہیں تو طباعت میں زیادہ سہولت ہو بس اس میں تمہارے مدرسہ اور شغل تدریس کے حرج کا زیادہ خیال ہے، اگرچہ بذل کی تکمیل کے لئے یہ ناکارہ خود ایک سال

کی مدرسے سے چھٹی لے کرمدینہ منورہ جاچکا ہے‘‘۔

اس کے بعد ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

’’مولانا علی میاں اور مولانا معین اللہ صاحب دونوں کے خطوط اسی مضمون کے آئے کہ مولوی تقی صاحب کا ایک سالہ قیام بہت مناسب ہے یقیناً بذل کے حاشیہ کی تصحیح ان سے اچھی کوئی نہیں کرسکتا‘‘۔

چنانچہ اس ناچیز نے ۲۵ رشعبان ۱۳۹۱ھ سے ایک سال تک سہارن پور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قیام کرکے بذل کے حواشی کی ترتیب وتصحیح کا کام مکمل کیا، اوراس عرصہ میں بذل کی چھ جلدیں ندوہ پریس سے طبع ہوئیں، بعد میں اس کی طباعت قاہرہ سے طے ہوئی، اس لئے دوسرے سال ۲۶ رشوال ۱۳۹۲ھ سے ایک سال تک بذل کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ میں قیام رہا اس طرح باقی چودہ جلدیں قاہرہ میں طبع ہوکر پوری کتاب بیس جلدوں میں شائع ہوئی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاتمہ بالخیر پر نہایت غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اوراس کی مناسبت سے قاہرہ میں اہل علم کی دعوت کرنے کا حکم دیا چنانچہ تعمیل حکم میں مولانا عبداللطیف صاحب مکی نے قاہرہ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جس میں مصر کے مشہور محدث شیخ حافظ تیجانی کے علاوہ وہاں کے متعدد اہل علم نے شرکت فرمائی، مزید برآں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں بھی اس پرمسرت تقریب پر دعوت کا اہتمام فرمایا۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ بذل المجہود دوبارہ بیروت سے بھی فوٹو آفسٹ پر طبع ہوکر ذوق شناسان علم تک پہونچ چکی ہے، اوران شاء اللہ العزیز ابوظبی میں بھی میں اس کو پھر اہتمام سے طبع کرانے کے لئے کوشاں ہوں۔

۲۔ تالیف وتصنیف:

حضرت شیخ کے علمی کارناموں کی دوسری جولان گاہ تالیف وتصنیف تھی اس میں بھی انہوں نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش یادگار چھوڑے ہیں، ان کی تالیفات کو درج ذیل دومختلف نوعیّتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خالص دعوتی اوراصلاحی:

یہ کتابیں نہایت شیریں اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں، یہ کتابیں اتنی مقبول عام ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے، ان کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور دنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے، آج شاید ہی کوئی دینی مسلم گھرانہ ایسا ہوگا جہاں حضرت شیخ کی اصلاحی اور فضائل کی کتابیں موجود نہ ہوں۔

(۲) خالص علمی اور تحقیقی:

اس نوعیت کی جن کتابوں کا تعلق علم حدیث سے ہے (اور یہی زیادہ ہیں) صرف انہی کا تذکرہ وتعارف پیش نظر مضمون میں ہدیہ خدمت ہے، سطور بالا مین اجمالی ذکر آچکا ہے کہ حضرت شیخ نے اس میدان میں بیحد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اسلامی کتب خانہ آج حضرت شیخ کی گراں قدر تالیفات سے مالامال ہے۔اہل علم اور حضرات مدرّسین ان درہائے آبدار سے اپنے ذہن ودماغ اور سینہ وسفینہ کو روشن کرتے ہیں حضرت شیخ کی علمی کتابوں سے کچھ تو زیورطبع سے آراستہ ہوکر ذوق شناسان حدیث کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ تاہنوز منتظر طباعت ہیں۔

مطبوعہ تالیفات

(۱) أوجز المسالک إلی موطأ الإمام مالک:

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت شیخ کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔

یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی میں اقدام عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز فرمایا اور اللہ عزوجل شانہ نے اس میں ایسی غیر معمولی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر اتنا کام ہوگیا کہ ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہوسکا تھا۔ ابواب الصلاۃ تک تحریری کام ہونے کے بعد واپسی عمل میں آئی اور پھر ہندوستان میں طویل وقفوں کے ساتھ یہ اہم علمی کام جاری رہا، تقریباً تیس سال کی دیدہ وری اور عرق ریزی کے بعد ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں چھ ضخیم مجلدات میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ کتاب عرصہ قبل ہندوستان میں طبع ہوکر مشہور عام ہوچکی تھی، شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ میں جب راقم سطور بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ پہونچا تو محترم مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اس کی دوبارہ طباعت کا آغاز کروادیا تھا، اور میرے وہاں قیام کے زمانہ تک ہماری زیرنگرانی دوسری جلد تک طبع ہوچکی تھی پھر بذل کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت کو مؤخر کردیا گیا۔ بعد میں پندرہ جلدوں میں اس کی طباعت پایۂ تمام کو پہونچی، اور اب ہماری تحقیق وتعلیق کے ساتھ ابوظبی سے اٹھارہ جلدوں میں چھپ کر مقبول خاص وعام ہورہی ہیں۔

یہ کتاب، حدیث وفقہ کے اعتبار سے موطأ کی سب سے زیادہ جامع ومفصل شرح ہے، یہ انسان کو سینکڑوں شروح وحواشی سے بے نیاز کردیتی ہے بلکہ اگر اسے حدیث وفقہ کی ایک دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا اس کے شروع میں حضرت شیخ کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں موطأ اور اس کے نامور مؤلف کے محاسن وکمالات

اور سرزمین ہند کے مشائخ واساتذہ اور اکابر محدثین کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، علاوہ ازیں اس میں اصول حدیث اور بہت سی قیمتی معلومات کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔

بلاشبہ یہ عظیم تالیف حضرت شیخ کی وسعت معلومات، رسوخ فی العلم، عمق نظر، وسعت قلب اور صفائی ذہن کی ایک جیتی جاگتی تصویر وروشن دلیل ہے، ائمہ مذاہب اور ان کے دلائل کو نہایت مستند مآخذ سے نقل فرمایا ہے، ہر امام کا مذہب اسی کی معتمد علیہ کتب سے ماخوذ ہے، ہر راوی کی مختصر تحقیق کی گئی ہے۔

علمائے عرب کے نزدیک بھی یہ کتاب ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے، مکہ مکرمہ کے بہت مشہور عالم سید علوی مالکی نے اس نادرۂ عصر تالیف کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ''متقدمین میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے'' ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبدالعزیز المبارک (جو حضرت شیخ کی کتابوں کے بے حد گرویدہ تھے) اوجز المسالک کے بہت مداح تھے۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری:

یہ جلیل القدر کتاب حضرت شیخ المحدثین والفقہاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عظیم افادات ونادر تحقیقات کا مجموعہ ہے جن کو ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلم بند کیا تھا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی اور اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق سے جن لطیف معانی ونادر معلومات کا اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر فیضان فرمایا تھا ان کا اضافہ کیا ہے، آپ نے اس کتاب کے حواشی وتعلیقات میں جو غیر معمولی محنت فرمائی ہے اس کی حقیقت ایک مستقل کتاب کی ہوگئی ہے اور یہ کتاب حضرت کے نادر معلومات وذاتی تحقیقات کا سب سے بڑا گنجینہ ہے، اس کتاب پر آپ نے ایک مستقل

مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو امام بخاری کے حالات اور ان کی جامع صحیح کے محاسن پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کتاب پہلے تین ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں شائع ہوئی پھر پاکستان سے دس ضخیم جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی ہے، برادرم مولانا عبدالحفیظ مکی اسے دوبارہ متن بخاری کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۳) الأبواب والتراجم:

یہ کتاب خاص طور سے صرف صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ان قواعد واصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے جن سے ابواب وتراجم اور ابواب بلاتراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عصر وعہد میں پیچیدہ ومشکل سمجھے گئے ہیں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح اس امت پر قرض ہے مگر بقول حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کر دیا ہے، لیکن حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے، چنانچہ حضرتؒ نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا، مگر افسوس مکمل نہ ہو سکا، اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان دونوں متذکرۃ الصدر رسالوں کو نیز شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے اور غور وفکر کر کے سب کو اپنی ذاتی تحقیق وتنقیح کے بعد ان اصولوں کی تعداد ستر تک بیان

فرمائی ہے، پھران اصول کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب وکتب کے مابین مناسبت کوتفصیل سے واضح کردیا ہےاوراس طرح حضرت شیخ کی تالیف ''الأبواب والتراجم'' کے ذریعہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ سےادا ہوگیا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی ، اب دوبارہ مطابع الرشید مدینہ منورہ سے طبع ہورہی ہے۔

(۴) الکوکب الدری علی جامع الترمذی:

یہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی کے امالی ہیں جن کوحضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عربی میں قلم بند کیا تھا،اس پر ہمارے شیخ الحدیثؒ نے حواشی تحریر فرما کراسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنادیا بلکہ اس کے ایجاز،اختصاراور مجمل ومبہم و غامض عبارات کی تفصیل کردی،اور بہت سی تحقیقات کوحدیث کے مراجع ومصادر سے اخذ فرما کرحسب موقع نقل فرمادیا ہے، نیز ائمہ کےاقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتابوں سے کردی جوحضرت گنگوہی کی حیات میں طبع ہوکر سامنےنہیں آسکی تھیں اسی کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق کا اضافہ بھی فرمایا، اپنے مشائخ کےعلوم و تحقیقات جن کاتعلق وجدانی اور ذوقی علوم سے ہےان کوبھی جابجانقل فرمایا ہے، یہ کتاب اختصار کے باوجودطلباء وعلماء دونوں کے لئے مرجع ومصدر بن گئی ہے،ترمذی کی عبارت غامضہ کوحل کرنے کے لئے اس سے بہترکوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے،اس کی مناسبت سے حضرت شیخ نے راقم سطورکوایک قصہ سنایا تھا جس کوحضرت ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

’’مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی، مگر ان کا اسم گرامی کثرت سے سنتا رہا، اور ان کے علمی و تصنیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے، وہ دار العلوم دیو بند کے ممبر تھے اور مجلس شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا آدمی میرے پاس پہونچا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہیں وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا، مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری ملاقات روزانہ ایک گھنٹہ رہتی ہے، جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں، گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں، یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے بہت مفید ہے، ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں (انتہی بلفظہ) جہاں تک مجھے یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے آئے تھے، ۶ بجے دیو بند تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ نے اکابر علماء کے اصرار پر کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اول اور ۱۶/ رجب ۱۳۵۳ھ کو جلد ثانی مکمل کی، یہ پہلے ہندوستان میں دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی، پھر حضرت شیخ نے دوبارہ عربی ٹائپ میں اسے ۴ جلدوں میں شائع کرایا۔

ناچیز راقم سطور نے اس کتاب کو ”لجنة التراث و التاريخ أبوظبي“ کے

سامنے پیش کیا، انہوں نے اس عظیم الشان تالیف کو دیکھ کر یہ طے کردیا کہ یہ سہ بارہ لجنۃ التراث کی طرف سے جامع ترمذي کے متن کے ساتھ شائع کی جائے اس کی اطلاع حضرت کے انتقال سے تین ہفتہ قبل فون کے ذریعہ کردی تھی، مولانا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد اسماعیل بدات صاحب نے بتایا کی حضرت نے اس پر بار بار خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب حضرتؒ کے منشاء کے مطابق جلد از جلد شائع ہو سکے۔

(۵) حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ:

یہ رسالہ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے زمانے میں صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا، اسے محض حضرت شیخ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے، ورنہ اتنے مختصر وقت میں تو اس رسالہ کی نقل بھی مشکل ہے، پھر اس میں مزید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شعبان ۱۳۹۰ھ میں پہلی مرتبہ لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی، اس کے بعد ہندوستان اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں، کتاب کو اس حیثیت سے نہایت امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ان تمام مباحث کا استیعاب کرلیا گیا ہے جن کا تعلق حجۃ الوداع کے مبارک ونورانی سفر سے ہے، یہاں تک کہ منازل سفر کی تحدید ان کے نام اور اس سفر میں پیش آنے والے مبارک مقامات کی واضح نشان دہی کر دی گئی ہے، اس استقصاء وتفصیل کو دیکھ کر فرط تعجب سے نگاہ کھلی رہ جاتی ہے، بلا شبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی موسوعہ بن گیا ہے اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی:

شمائل ترمذی حضور اکرم ﷺ کے اخلاق وشمائل پر سب سے جامع حدیث کی

کتاب ہے حضرت شیخ نے اس کا اردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے، جس کے باعث ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ وانتفاع آسان ہوگیا ہے، اس کتاب کے حاشیہ پر عربی مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے، یہ کتاب ہند و پاک میں متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔

بذل اور دیگر عربی تالیفات پر تقدیم کا اہتمام:

یہاں یہ بات یقیناً قابل ذکر ہے کہ حضرت شیخ کی تمام عربی تالیفات اور بذل پر مقدمہ نگاری کا شرف مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا کا علمی و روحانی مقام معروف عام ہے اور حضرت ان پر بے حد غیر معمولی شفقت اور ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے، مگر فن حدیث میں مولانا رحمہ اللہ کے بلند مقام اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر غیر معمولی عبور سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں گے، اس لئے حضرت شیخ نے ان سے بذل پر مقدمہ تحریر کرنے کی فرمائش کی تو بہت سے اہل علم کو تعجب ہوا ،اسی طرح دیگر عربی مطبوعات کے تقدیمات کے ساتھ بھی ہوا مگر حضرت شیخ کا یہ اصرار پیہم تھا کہ ہر کتاب پر مولانا کا مقدمہ رہنا ضروری ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے پوری عالمانہ شان اور ایک نرالے وانوکھے انداز میں شیخ کی ہر کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اسے حضرت شیخ کی توجہ وعنایت کی برکت کا نام دیجئے یا رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے نسبی ارتباط و روحانی نسبت کا نتیجہ یا جانبین کے درمیان غیر معمولی الفت ومحبت کا ثمرہ کہ حضرت مولانا کے وہ مقدمات جو انہوں نے حضرت شیخ کی عربی کتابوں پر سپرد قلم فرمائے ہیں، نہ صرف علم وفن کی تاریخ میں بلکہ ادب عربی میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، ان میں فن کی عظمت، کتاب کی اہمیت ومحاسن، اور مصنفِ علام کی جلالت قدر و علوشان پوری

تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے، حضرت شیخ نے ہر مقدمہ پر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔

یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، راقم سطور کے قاہرہ میں قیام کے دوران میں حضرت شیخ نے خواہش ظاہر کی کہ اگر علمائے مصر میں سے کوئی بذل المجہود پر کلمہ لکھ دے تو مناسب رہے گا، چنانچہ میں نے اس وقت کے شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم کے سامنے بذل المجہود پیش کی اور ان سے چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی، انھوں نے کتاب اور مقدمات پر ایک نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ عظیم کتاب کسی مقدمہ کی محتاج نہیں ہے، اور شیخ ابوالحسن کی تقدیم کے بعد پھر کوئی کیسے لکھے گا، اسی سے مماثل شہادت مصر کے مشہور عالم ومحقق شیخ ابوزہرہ نے بھی دی تھی، بعد میں مصر کے معروف عالم حدیث حافظ التیجانی نے بذل پر کلمہ لکھا جو کتاب کے آخر میں شامل ہے، حضرت شیخ نے بعد میں حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم سے بھی بذل، اوجز اور حجۃ الوداع پر مقدمات لکھوائے، مولانا بنوری مرحوم کو برصغیر ہندوپاک میں ایک عظیم محقق، ممتاز عالم حدیث اور صاحب اسلوب اہل قلم کی حیثیت سے جو امتیازی مقام حاصل تھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ کی کتابوں پر مقدمات نہایت اہتمام وکاوش فکر وقلم کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں جو ہر کتاب کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات:

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر ''آپ بیتی'' نمبر۲ میں آچکا ہے، لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارن پوری اور دوسرے مشائخ کے قیمتی افادات وتحقیقات کا مجموعہ بھی تھا، علاوہ ازیں علامہ انور شاہ کشمیری کی ''تقریر ترمذی'' بھی تھی، جس کی ایک نقل

اس ناچیز کے پاس بھی ہے، اسی طرح حضرت گنگوہی کی غیر مطبوعہ تقریرات خاص طور پر مولانا محمد حسن مکی (جو حضرت گنگوہی کے تلامذہ خاص میں ہیں) نے دوران درس صحاح ستہ کی جن تقاریر کو قلم بند کیا وہ پورا مجموعہ بھی حضرت کے پاس تھا اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یحییٰ کی لکھی ہوئی تقاریر کا مجموعہ بھی تھا، جس میں تقریر ابوداؤد جو بہت مفصل اور طویل ہے اور جس سے بذل اور دیگر کتب میں استفادہ کیا گیا ہے، اس کا فوٹو کرا کے حضرت شیخ نے اس ناکارہ کو تعلیق وحاشیہ کے لئے دیا تھا، مگر افسوس کہ اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے اب تک کچھ نہ کرسکا، جیسا کہ مذکور ہوا حضرتؒ کی تالیفات کی تعداد ۱۰۵ ہے اور ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن پر جا بجا حضرت کے حواشی ہیں مثلاً مکتوبات امام ربانی، خود قرآن شریف کا نسخہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں حضرت کا تلاوت کا معمول تھا، اس پر جا بجا کتب تفسیر سے اہم باتوں کو دوران تلاوت نوٹ کرتے گئے ہیں، اگر ان نوٹس کو سلیقہ سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع تفسیر بن سکتی ہے، ذیل میں ان کی علم حدیث سے متعلق بعض مخطوطہ کتب کا تعارف پیش ہے۔

۱۔ **حواشي الإشاعة في أشراط الساعة.**

۲۔ **حواشي و ذيل التهذيب** :۔ حافظ ابن حجر کی تمام کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں، اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں کرا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں۔

۳۔ **معجم المسند للإمام أحمد** :۔ مسند امام کی روایات کی ترتیب صحابہ پر ہے، جس میں احادیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے، پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی روایت مع

جلد وصفحہ درج ہے۔

٤۔ **جزء ملتقی الرواۃ عن المرقاۃ** :۔ اس میں ان رواۃ حدیث کو جمع کیا گیا ہے جن پر ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کلام کیا ہے۔

٥۔ **تقریر نسائی شریف** :۔ اس میں حضرت گنگوہی اور دیگر اکابر کی جو تحقیقات مل سکی تھیں ان کو یکجا کر دیا گیا ہے، اس کی نقل بھی اس ناچیز کے پاس ہے، حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ اس کو یہ ناچیز مرتب کردے تاکہ شائع ہو سکے۔

٦۔ **تقریر مشکوٰۃ** :۔ یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر شروح وحواشی سے ملخص کر کے تحریر فرمائی ہے، بہت سے اہل علم و مدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں، اس ناچیز کے پاس بھی اس کی ایک نقل محفوظ ہے۔

٧۔ **شذرات الحدیث** :۔ صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں، شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثناء مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرمالیتے، حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں **کذا فی الشذر** اور **البسط فی الشذر** کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں، اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ ارتحال

نظام الدین دہلی سے ۱۰؍جون ۱۹۹۵ء کی صبح کو اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے، خبر پر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کیوں کہ ہمارے علم میں یہ تھا کہ حضرت ابھی حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے ہیں، صحت اچھی ہے، اور سفر میں بیان و دعا کا سلسلہ بھی جاری تھا، مگر بالآخر خبر پر یقین کرنا پڑا، اس عالم کی ہر چیز کو فنا ہے، **کل من علیھا فان** کا قانون اپنی جگہ اٹل ہے۔

اس ناگہانی خبر نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، غم و حزن کی فضا ہر طرف چھا گئی، حضرت جی (مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ) کی وفات کا سانحہ صرف ایک خاندان، ایک جماعت، ایک ملک کا خسارہ نہیں بلکہ عالمی خسارہ ہے، ابھی امید کی جاتی تھی کہ آپ کی ذات ایک عرصے تک دعوت و اصلاح کی اس عالمی تحریک و دعوت کی قیادت و رہنمائی کرے گی جسے ہم ''تبلیغی تحریک'' کے نام سے جانتے ہیں، اسی نسبت اور تعلق کی بنیاد پر آپ کی ذات گرامی ہزاروں لاکھوں انسانوں کی محنت کا مرکز تھی، آپ کی شخصیت میں غیر معمولی مقناطیسی کشش تھی جو لوگوں کو کشاں کشاں

اپنی طرف کھینچ لاتی تھی، افسوس کہ وہ آج ہم سے رخصت ہوگئے، إنا لله و إنا إليه راجعون۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اپنی ذاتی خصوصیات وصفات میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد وخلیفہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی زندہ یادگار اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے جانشین تھے، بلاشبہ آپ کا اندرون حُب الٰہی وعشق رسول کا گنجینہ اور دعوت وتبلیغ کا شعلہ افشاں پہاڑ تھا اور بیرون میں وقار وسکینت کی فضا رہتی تھی۔

عشق عصیاں است گر مستور نیست

کبھی کبھی پیمانہ چھلک پڑتا تھا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور چہرے کا رنگ بدلنے لگتا۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

حضرت مولانا کی نشو نما اپنے زمانے کے اہل اللہ کے زیر سایہ ہوئی تھی، آپ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے رفیق درس بھی تھے، مظاہر علوم میں اپنے دورۂ حدیث کے زمانے کے قصے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اکثر بیان فرماتے، ’’ہم دونوں نے آپس میں طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ

کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمے ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیے سونے والے کو اٹھائے گا، ایک دن مولانا محمد یوسف صاحبؒ شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا، اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی''۔

اس واقعہ سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات نے کس محنت و جانفشانی سے اپنی طالب علمی کا زمانہ گزارا تھا ۔

من طلب العلا سهر الليالي

جو بڑا مرتبہ چاہتا ہے اس کے لیے راتوں کی بیداری ضروری ہے، یہ دونوں حضرات دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے درس و تدریس و علمی کام میں اس طرح مشغول تھے کہ بیعت کا موقع نہ مل سکا تھا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہو چکے ہوگے، بہر حال اب دیر نہ کرو، ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہونے کی درخواست کی، حضرت جی نے اسے منظور فرما لیا اور ارشاد فرمایا اللہ مبارک فرمائے، اور ان شاء اللہ مبارک ہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ میں تعلق مع اللہ کی غیر معمولی استعداد رکھی تھی، اس کو قرآن و حدیث سے شب و روز اشتغال اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی صحبت نے چمکا دیا، چنانچہ جن چند آدمیوں کو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنے وصال سے پہلے اجازت وخلافت سے نوازا تھا ان میں یہ

دونوں حضرات مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ بھی تھے۔

۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ان کے جانشین مقرر کئے گئے اور دعوت وتبلیغ کے کام کو حضرتؒ نے پوری طاقت وقوت سے پھیلانا شروع کیا، اندرون ملک و بیرون ملک کثرت سے اسفار کئے اور اجتماعات منعقد ہوئے، چند کو چھوڑ کر تقریباً ہر اجتماع میں اور ہر سفر میں حضرت مولانا کے رفیق سفر رہے اور مشورے میں ان کی رائے بہت اہم خیال کی جاتی تھی اور یہ سلسلہ ۲۱ سال یعنی ۲/اپریل ۱۹۶۵ء تک قائم رہا اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور تبلیغی کام کے امیر مقرر کئے گئے، جو اب تک خالص علمی مطالعہ اور درس وتدریس یا تبلیغی مشوروں تک محدود تھے، تقریر کرنے کے عادی نہ تھے مگر ان کی خصوصیت کی بنا پر جب اس کام کی ذمہ داری ڈالی گئی تو پوری توجہ وہمت سے اس کام کو آگے بڑھانے کی انتہائی کوشش فرمائی، صحت خراب ہوگئی مگر کام کی رفتار میں فرق نہ آیا، جس عظیم کام کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے بفضلہٖ تعالیٰ اس کام کو عالمگیر بنادیا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے زمانے میں یہ کام جس تیزی سے آگے بڑھا اور بڑھتا جارہا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، عرب وعجم کے ممالک میں لوگوں میں خدا طلبی کا خاص جذبہ بیدار ہورہا ہے، مغربی ممالک میں تیزی سے لوگ اس کام کی طرف متوجہ ہورہے ہیں، لندن کے اجتماع میں جب سو آدمی شریک ہوئے تو ایک غیر معمولی بات سمجھی گئی مگر گذشتہ سال حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی آمد پر جو اجتماع ہوا اس میں پچاس ہزار کی تعداد بتلائی گئی، یہ غالباً ان

کی دعا وآہ وزاری، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی وتواضع کی برکت تھی، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ راوی ہیں کہ حضرت جی آٹھ گھنٹہ روزانہ ذکر وعبادت اوردعا میں بسر کرتے ہیں، تمام بڑے اجتماعات میں حضرت جی خود شریک ہوتے اوراس کا اہتمام فرماتے اور کام کی پوری خبر گیری رکھتے تھے، جماعت کے خواص تمام چھوٹے بڑے معاملات میں حضرت جی سے مشورہ و ہدایات کے طالب ہوتے، آپ سب سے حالات سن کر جامع ومختصر ہدایات سے سرفراز فرماتے، اس ناچیز کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ سے ۱۹۵۲ء سے تعلق رہا ہے، یہ تعلق حضرتؒ کی آخری زندگی تک برقرار تھا، ۱۹۵۹ء میں جب ایک سال کے لیے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں قیام تھا اور بخاری شریف کے درس میں بہت اہتمام سے شرکت کرتا تھا، اس زمانے میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا بھی تقریباً قیام سہارنپور ہی تھا، اکثر ہمارے کمرے میں تشریف لاتے، بخاری شریف کے بعض تراجم کے بارے میں دریافت فرماتے کہ شیخ کی کیا تحقیق ہے؟ اس کے بعد اپنی یا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی رائے بیان فرماتے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا بخاری شریف کا مطالعہ بہت ہی عمیق و گہرا ہے۔

نظام الدین میں دورۂ حدیث کا سلسلہ قائم کیا گیا، اس موقع پر بخاری شریف کا درس حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ذمہ کیا گیا، اس وقت سے ہی بخاری شریف حضرت ہی کے زیر درس رہی، ادھر علالت ومشغولیت کی وجہ سے آپ اس سے سبکدوش ہو گئے تھے، مگر مطالعہ کا سلسلہ قائم تھا، دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے، گذشتہ سال نظام الدین کی حاضری کے موقعہ پر دیکھا کہ حضرت کی الماری

میں سیرت کی کتابیں موجود ہیں، سیرت النبی بھی تھی، فرمایا اس میں دو جگہ اشکال ہے، ایک جگہ واقعی صریح تسامح ہے، دوسری جگہ کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ حضرت سید صاحبؒ نے اس عبارت سے رجوع کرلیا تھا۔

بہر حال دعوت کے اس عظیم کام کی رہنمائی کے لیے جس طرح روحانی طاقت کی ضرورت ہے اسی طرح علمی کمال و گہرائی کی ضرورت بھی ہے، حضرت والا میں دونوں کمالات اللہ تعالیٰ نے جمع کردیئے تھے۔

حضرت جی کے توکل و استغنا کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو ان کے حالات میں درج کی جائیں گی، دو واقعے اس ناچیز کے ساتھ پیش آئے اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، ۱۹۷۷ء میں حضرت جی امارات کے دورہ پر مع اپنے قافلے کے تشریف لائے، اس وقت یہاں تبلیغی کام ابتدائی مرحلہ میں تھا، اب تو ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں عرب و عجم اس کام سے وابستہ ہیں، اس ناچیز نے حضرت کو کھانے پر دعوت دی اور یہاں کی بعض اہم شخصیات کو بھی مدعو کرنے کا خیال تھا کہ تعارف ہوجائے، حضرت جی نے تو منظور فرمالیا مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری نے بعد میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت نے آپ کے تعلق میں قبول فرمالیا ہے لیکن بوجھ ہے، بڑے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا اجتماع حضرت پسند نہیں فرماتے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت کی رضا منظور ہے، اس ناچیز نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا: حضرت دعوت کا پروگرام ملتوی کر رہا ہوں، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح دو سال پہلے ابوظبی کی ایک اہم شخصیت کے ہمراہ جو اس ناچیز سے بہت محبت کرتے ہیں ہندوستان جانا ہوا، نظام الدین حضرت سے ملاقات کے لیے

حاضر ہوا، انھوں نے ملاقات کے بعد ایک بڑی رقم ہدیہ کے لیے نکالی، حضرت نے معذرت فرمادی، ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لیے مجھے لمبی تقریر کرنی پڑی، لیکن اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ ان کو حضرت اور تبلیغی تحریک سے غیر معمولی عقیدت اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔

جنوری ۱۹۹۵ء میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں عالمی تبلیغی اجتماع طے کیا گیا، اس مدرسہ کے بانی وسرپرست حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہ العالی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ دونوں بزرگوں کے اجل خلفاء میں ہیں، وہی درحقیقت اس اجتماع کے داعی تھے، اس لیے اس ناچیز نے موقع مناسب سمجھ کر جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ کی بھی دعوت دی، حضرت جی نے منظور فرمالیا، معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ اپنے قافلے کے ساتھ ۲۰؍جنوری بروز جمعہ صبح کو بنارس پہونچ رہے ہیں اور وہاں سے ہمارے یہاں تشریف لائیں گے، حاجی رحمت اللہ صاحب جو بنارس کے بڑے تاجر ہیں اور تبلیغی کام اور اس کے اکابر سے گہرا تعلق رکھتے ہیں، وہی منتظم تھے بہرحال ان کے انتظام میں حضرتؒ مع اپنے قافلے کے جامعہ اسلامیہ تشریف لائے، مولانا محمد سعید خان صاحب کی مسجد میں تقریر ہوئی اور حضرت جیؒ نے دعا فرمائی، ہمارے گھر پر عورتوں کا اجتماع تھا، گھر پر تشریف لائے، میرے پوتے (فریدالدین ندوی) نے حفظ قرآن شریف کا آغاز کیا، حضرت نے حفظ قرآن کی دعا کرائی، اس کے بعد بیعت کے الفاظ ادا فرمائے، اور بڑی مؤثر دعا فرمائی، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت عرصہ ہوا خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ اس جگہ تشریف فرما ہیں، آپ کے تشریف لانے سے خواب کی

تعبیر پوری ہوگئی جب کہ جناب مولانا محمد طلحہ صاحب بھی ساتھ ہیں۔

گورینی کے اجتماع میں مجمع توقع سے بہت زیادہ تھا، آخری دن ناشتہ کے بعد حضرت مجلس میں تشریف فرماتھے، علماء ومشائخ، خواص سب مجلس میں تشریف رکھتے تھے، اس ناچیز کے سوال پر لمبی تقریر فرمائی، اس کے بعض کلمات یہ ہیں:

''اعمال صالحہ میں حق تعالیٰ نے فی نفسہ حسن رکھا ہے، یہ اعمال اپنے اندر کشش رکھتے ہیں، تقریر وتحریر یہ سب معاون ہیں، اصل نہیں، فرمایا! مولانا عمران خاںؒ فرماتے تھے: اس دعوت کے بانی بھی الکن تھے (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زبان میں لکنت تھی) اور آپ بھی قلیل الکلام ہیں، بیچ میں ابوالکلام آ گئے تھے، ان کی مراد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نوراللہ مرقدہ تھے جو گھنٹوں تقریر کرتے اور دعوت کے اصول بیان فرماتے، پھر فرمایا: ہم تو ایسے ہی ہیں ہمارے نام پر ڈگڈگی بجا کر جمع کرلو اور کچھ کام کرلو۔

پھر تھوڑی دیر آرام فرما کر اجتماع گاہ میں آخری بیان ودعا کے لیے تشریف لے گئے، بیان ودعا ایسی مؤثر ہوئی کہ بیماری کا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری زیارت ہے۔

بلاشبہ حضرت کا وصال تمام ہی مسلمانوں بالخصوص تبلیغی جماعت اور اس کے کارکنوں کے لیے ایک دہلا دینے والا حادثہ ہے مگر جماعت کو اس سے پہلے بھی ایسے ہی حادثات سے واسطہ پڑا ہے اور جماعت نے انتہائی نازک حالات میں بھی ہمت جمع رکھی، قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھنے لگے، کثرت سے جماعتیں باہر نکلیں، امیروں نے اپنے بیانات میں ان باتوں کی تشریح کرنی شروع کردی، جن کو سیدنا

صدیق اکبرؓ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے نکلوایا تھا **من کان منکم یعبد محمداً فإن محمداً قدمات ومن کان منکم یعبد اللہ فإن اللہ حی لا یموت.**

کام کرنے والوں میں جتنی لگن وتعلق اور جذبہ تھا وہ بہت بڑھ گیا، اس حادثہ کے بعد بھی امید ہے کہ اللہ کے فضل وتائید سے یہی صورت حال ہوگی، اور جماعت کے کارکن مزید ہمتیں جمع کر کے اس بلند مقصد (دعوت الی اللہ اور نبوی نظام زندگی کی اشاعت) کے لیے از سر نو کمربستہ ہو جائیں گے، اس لیے کہ اس دعوت کا رشتہ کسی شخصیت اور قائد سے (حتی کہ نبی کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی) ایسا نہیں کہ اس کے ارتحال سے دعوت ہی مر جائے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ اور مرحوم ومغفور مولانا ہارون صاحب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تبلیغی مراکز کو جو خط لکھا تھا اس میں کا ایک جملہ یہ بھی ہے:

> ”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بابرکت اور باعظمت ہستی جن کے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد وکرب اور بے چینی سے امت کا نشو ونما اور جن کی گریہ وزاری سے امت کی دارین کی فلاح ونجات اور جن کے چہرۂ انور کی زیارت ہزارہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی، اگر وہ بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لے جاویں اور امت ان کی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتماد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر دین کے

لیے قربانیوں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور محنت کا دنیا میں تعدیہ وتبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کے لیے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لیے ہوئے ہے"۔

دعا ہے کہ یہ تبلیغی کام پورے نشاط وقوت کے ساتھ عالم میں پھیلتا جائے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

(ماخوذ از: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اگست ستمبر ۱۹۹۵ء)

دین ودانش کا مہرانور

(۱)

آہ! دین ودانش کا مہرانور جونصف صدی تک اپنی ضیاپاشیوں سے ایک عالم کومنور کر رہا تھا وہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کوغروب ہوگیا، یعنی محدث فرید وفقیہہ یگانہ، جامع علوم نقلیہ وعقلیہ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ظاہری طور پر ہزاروں انسانوں کوسوگوار چھوڑ کراس عالم سے رخصت ہوگئے، اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون۔

حضرت مولانا کا سانحہ درحقیقت اس دور کا عظیم ترین حادثہ ہے، وہ مجلس علماء کی رونق وتشنگان علم کا مرجع وگم گشتگان راہ کے راہرو تھے، ان کا کمال وتبحر اہل علم میں مسلم تھا، ان کا فیض ہندو پاک و عالم اسلامی ہر جگہ جاری تھا، مشکل علمی مسائل میں طبقہ علماء کے وہ مرجع وماویٰ تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کے استاذ حضرت علامہ کشمیری کی وفات پر معارف میں لکھا تھا ''مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہواور اندر کی گہرائیاں گراں قدر موتیوں سے معمور ہوں'' بالکل یہی حال حضرت مولانا مرحوم کا تھا، ان کے مشائخ بالخصوص علامہ کشمیری نے جوعلمی امانت ان کے سپرد کی تھی اس کی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہوئے، پوری زندگی درس وتدریس، علم و

تحقیق کے میدان میں گذاری، ان کی درسگاہ علم سے سینکڑوں جید علماء تیار ہوئے جو کسی نہ کسی جگہ درس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستانی علماء کے پچھلی صدیوں میں علم حدیث میں تبحر و کمال کا تمام عالم اسلامی میں اعتراف کیا جاتا رہا ہے بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کی اولاد و تلامذہ نے علم حدیث کا منارہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ کوئی دوسرا ملک اس میں ہندوستان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور اس مبارک سلسلہ میں ہر دور میں علماء و محدثین کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوتی رہی، اس آخر دور میں اس ولی اللہی درسگاہ کے حضرت مولانا درخشاں تارے تھے بلکہ اپنی بعض خصوصیات میں اپنے معاصرین میں ممتاز و منفرد تھے، جن میں ان کا ثانی ملنا مشکل ہے، ان کی زندگی علم و عمل، زہد و تقویٰ اور حب رسولؐ اور اتباع رسول کا بہترین نمونہ تھی، ان کے قلب میں حب الٰہی و حب رسولؐ کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی تسکین حرمین شریفین کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتی تھی، ادھر عرصہ سے تقریباً ہر رمضان میں مدینہ منورہ حاضری دیتے اور مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے تھے، اس ناچیز کو بھی ایک مرتبہ وہاں پر دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہاں پر حضرت مولانا پر جو سکینت و وقار کا عالم ہوتا وہ ان کے منور چہرے سے نمایاں تھا، اسی موقع پر اس ناچیز نے ان سے بخاری شریف کی اجازت کی درخواست کی، چنانچہ بخاری شریف کے اوائل پڑھائے پھر جملہ کتب حدیث کا اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا، شروع میں ایک مختصر تقریر بھی فرمائی، آنکھیں اشک بار تھیں۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں لئے ہوئے

اس طرح تقریباً ہر سال حج بیت اللہ کے لیے بھی تشریف لاتے اور بڑی تعداد ان سے فیض یاب ہوتی، جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے خواہ وہ علم حدیث کا ہو یا فقہ کا، علم کلام کا ہو یا ادب ونحو و بلاغت کا اس میں متقدمین ومتاخرین کی تحقیقات کا خلاصہ ونچوڑ پیش کردیتے، اپنی اگر کوئی خاص تحقیق ہوتی تو اس کو بھی بیان فرماتے۔

میں نے مصر و شام و حجاز کے اکثر علماء و مشائخ سے ملاقات کی ہے، ہندوستانی علماء کا جب ذکر آتا تو حضرت مولانا کا ذکر سرفہرست رہتا، اور انہیں ان کے علم وتحقیق کا معترف و مدح خواں پایا، بالخصوص ''معارف السنن'' کو اس دور کی اہم ترین کتابوں میں سمجھتے ہیں، بلکہ یہ نادر تحفہ ہے جس کو حضرت مولانا نے عالم اسلامی کے لیے پیش فرمایا، حضرت شاہ صاحب کے علوم کی ترجمانی اور متقدمین کی کتابوں سے اخذ واستفادہ اور اس سے کام کی بات جس طرح حضرت مولانا نے نکالی ہے وہ انہیں کا حصہ تھا۔

اسی طرح مقدمہ مشکلات القرآن ''یتیمۃ البیان'' بھی اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں، جو شخص تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے یا اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بہتر رہبر ہے، یہ کتابیں حضرت مولانا کی شخصیت کو ہمیشہ زندہ جاوید رکھیں گی ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مولانا نے مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں عرصہ تک قیام فرمایا تھا اور وہاں پر درس وتحقیق کا ایک زمانہ گزارا ہے، مدرسہ میں ایک اچھا کتب خانہ بھی ہے، آج سے چند سال پیشتر میں نے رسالہ ''الفرقان'' لکھنؤ میں ہندوستان میں علم حدیث

کے عنوان پر مقالات کا ایک سلسلہ لکھا ہے، عام طور پر غلط فہمی ہے کہ ہندوستان کی ابتدائی صدیوں میں فقہ وتصوف اور منطق وفلسفہ کے ائمہ فن تو اس ملک میں موجود تھے مگر علم حدیث سے اس کا دامن خالی تھا، میں نے اس کی تردید کی ہے کہ بلاشبہ یہ علوم اس ملک میں غالب تھے لیکن ہندوستان کی سرزمین پر ان صدیوں میں بھی متعدد محدثین کا تذکرہ ملتا ہے، اس سلسلہ میں متعدد کتابیں دیکھیں، وہاں کے کتب خانہ میں ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' جو علامہ بلگرامی کی مشہور کتاب ہے، اس میں علامہ صغانی کے ترجمہ میں حضرت مولانا بنوریؒ کے قلم سے حاشیہ پر جا بجا لکھا ہوا ملا، حضرت مولانا نے اس میں علامہ صغانی کے اساتذہ میں متعدد ہندوستانی محدثین کا ذکر فرمایا ہے، اس کو پاکر بے حد مسرت ہوئی، اس سے حضرت مولانا کی تاریخ پر نظر کا اندازہ ہوا، اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر ان کے بڑے قیمتی حواشی تھے۔

کمال، جامعیت، تبحر علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مولانا کی ذات گرامی کو انکساری، تواضع کا پیکر بنایا تھا، وہ اپنے چھوٹوں پر جس طرح شفقت اور اپنے تلامذہ کی جس طرح خاطر داری فرماتے تھے اس کی مثالیں اس دور میں عنقاء ہیں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں جرأت و ہمت، حق کی حمایت ونصرت کا ایسا جذبہ ودیعت فرمایا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، وہ کسی باطل تحریک اور کسی ایسی بات کا تحمل نہیں فرماسکتے تھے جو کتاب کی شاہراہ سے ہٹی ہوئی ہو یا سلف صالحین کے مسلک پر نہ ہو، اس سلسلہ میں وہ زبان وقلم دونوں طاقتوں کو استعمال فرماتے تھے، اس ناچیز نے اپنی آخری ملاقات ۷؍جولائی ۱۹۷۷ء کو عرض کیا کہ حضرت آپ کی ہر کتاب کو بہت غور سے پڑھتا ہوں اور ہر صفحہ پر نئی بات ملتی ہے اور بہت سے ایسے حقائق سامنے

آتے ہیں جو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر غور سے کوئی انصاف پسند پڑھے گا تو راہ راست پر آجائے گا، کیا عجب ہے کہ جس تحریک کی گمراہیوں وغلطیوں کا پردہ جناب نے فاش کیا ہے اس میں بہت سے لوگ اپنے غلط خیالات سے تائب ہو جائیں، یہ سب کچھ ہے مگر لہجہ بہت تیز ہے، فرمایا: آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں لکھنوی انداز میں لکھتا، میں نے جو بات حق سمجھی بلا خوف لومتہ لائم لکھ دی ہے اور آئندہ مزید لکھوں گا، اس سلسلہ میں مجھے کسی ملامت کی پرواہ نہیں، سلف صالحین میں بھی ایک جماعت کا یہی مسلک رہا ہے کہ دین میں کسی مفسدہ کے جب پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتو بڑی شدت سے اس کی تردید فرماتے اور بعض لوگوں کا حال یہ تھا کہ اس مفسدہ کی شناعت اسی درجہ کی ان کے نزدیک بھی تھی مگر اس کو رفع کرنے کے لیے دوسرا انداز اختیار فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی آخری زندگی میں نابینا ہو گئے تھے، ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز کے لیے داخل ہوئے، وہاں پر انہوں نے سنا کہ اقامت و اذان کے درمیان لوگوں کو نماز کے لیے بلند آواز سے دعوت دی جا رہی ہے، خادم سے فرمایا کہ اس مسجد سے نکل چلو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں گے، حالاں کہ نفس الامر میں یہ بات حرام کے درجے کی نہیں تھی بلکہ کراہت کے درجے کی بدعت تھی، مگر اس کو بھی گوارا نہ فرمایا اور جب اس سے بڑا مفسدہ ہو اس کے لیے تحریر میں تیزی کا آجانا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اس ملت کا ایک خاص مزاج ہے ۔

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

حضرت امام مالک کا مشہور مقولہ ہے کہ اس امت کی اصلاح اسی راستہ پر

چل کر ہوگی جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔

ان کے کارناموں میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ہے جس کے حضرت مولانا مؤسس و بانی ہیں، اس مدرسہ نے جس کے قیام کی مدت ۲۵ سال سے بھی کم ہے اس قلیل عرصہ میں اسے بے سروسامانی کے باوجود حضرت مولانا کی مخلصانہ کوششوں سے اس قدر ترقی ہوئی کہ وہ اب نہ صرف پاکستان کی مرکزی درسگاہ ہے بلکہ عرب ممالک میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، حضرت مولانا ابھی اس کو بہت ترقی دینا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کا غیب سے انتظام فرمائے۔

ادھر آخری دور میں خصوصیت سے حضرت استاذنا الکبیر برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے خصوصی تعلق ہوگیا تھا اور اس میں روز افزوں اضافہ تھا، حضرت بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے، حضرت کی فرمائش پر ان کی بخاری کی شرح ''لامع الدراری'' اور موطا کی شرح ''اوجز المسالک'' پر بڑے فاضلانہ مقدمے تحریر فرمائے ہیں جو ان دونوں کتابوں کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مقدمے علمی و تحقیقی نوادر پر مشتمل ہیں، ادبی حیثیت سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے حضرت مولانا کی عربی زبان وادب پر غیر معمولی قدرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جولائی ۱۹۷۷ء کو ہندوستان سے واپسی پر تین دن حضرت مولانا کے مدرسہ میں قیام رہا، اور ان کی شفقتوں سے محظوظ ہونے کا موقع ملا، ۷؍جولائی کو ناشتہ ان کے دسترخوان پر کیا، اس کے بعد رخصت فرمایا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مجھے تعجب ہو رہا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، اب اس بہار کو دیکھنے کا موقع ملے گا ہی

نہیں، اور وہ اتنی جلدی ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے پاکستانی ریڈیو سے اور اس کے بعد یہاں کے اخبار ''الاتحاد'' سے اس سانحہ کی اطلاع ہو کر بہت ہی رنج و قلق ہے، یہاں کے علماء و مشائخ سب نے رنج کا اظہار کیا، بالخصوص یہاں کے قاضی القضاۃ شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک جو یہاں کے سب سے بڑے عالم ہیں، حضرت مولانا سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ابوظبی آنے کی دعوت بھی دے چکے تھے، انہوں نے بہت ہی رنج و غم کا اظہار کیا اور بار بار یہ کہتے رہے کہ اب ان کا بدل کہاں ملے گا اور یہاں سے تعزیتی تار ارسال کیا اور ایک مقالہ لکھ کر ''خدام الدین'' اور البینات میں روانہ کر رہے ہیں ''خدام الدین'' کے خصوصی نمبر کا انتظار رہے گا، اللہ تعالیٰ مولانا کے فیوض کو ہمیشہ جاری رکھے اور پوری امت کو فیض یاب فرمائے، اور ان کو جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از: خدام الدین لاہور ۱۹۷۲ء)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا سانحۂ ارتحال

(۲)

اس عالم کی کسی چیز کو بقاودوام نہیں ”کل من علیھا فان“، مگر بعض حادثات ایسے پیش آتے ہیں کہ اس کا اثر نہ صرف ایک خاندان و جماعت پر پڑتا ہے، بلکہ پوری ملت اس سے متاثر ہوتی ہے اور ہر صاحب ایمان کے قلب پر چوٹ وزخم لگتا ہے اور مدتوں اس کی یاد تازہ رہتی ہے، ان میں حضرت مولانا بنوری کا سانحۂ ارتحال ہے، ملت اسلامیہ میں ایک ایسا خلاء ہے جس کے پُر ہونے کی بظاہر کوئی توقع نہیں، اور یہ سانحہ ایسے وقت اور ایسے زمانہ میں پیش آیا کہ ان کی ذات گرامی کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی، وہ اپنی بعض خصوصیات میں ممتاز ومنفرد تھے، وہ اس دور میں حضرت علامہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل اور ترجمان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت حافظہ نادرۂ روزگار عطا فرمائی تھی، وہ اس عصر کے ایک طرف ممتاز ترین محدث اور فقیہ تھے تو دوسری طرف مفسر ومتکلم تھے، عربی زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔

اس ناچیز نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کا اسم گرامی اپنے اساتذہ کے حلقہ میں سنا تھا، سب لوگ ان کے علم وفضل کے معترف تھے، اس لیے ان سے استفادہ اور ان کی زیارت کا ہمیشہ اشتیاق رہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی تدریس

حدیث کے زمانے میں خاص طور سے جب ترمذی پڑھانے کا اللہ تعالیٰ نے موقع عطا فرمایا، تو اسی زمانے میں حضرت مولانا مرحوم کی کتاب ''معارف السنن'' کی تین جلدیں طبع ہوکر آئی تھیں، اس کے دو دو نسخے حضرت مولانا نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلۂ اور حضرت محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کے نام ہدیۃً ارسال کئے تھے، پہلی جلد حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اور دو جلدیں حضرت مولانا نعمانی صاحب نے اس ناچیز کو ہدیۃً عنایت فرمائی، بعد میں بقیہ جلدیں بھی آ گئی تھیں، اور اس سے استفادہ کی مقدور بھر کوشش کی۔

جامع ترمذی ''باب ماجاء فی الوضوء من الموطی'' میں مجھے ایک اشکال پیش آیا، وہ یہ کہ اس باب کی حدیث جو عن محمد بن إبراهيم عن أم ولد لعبد الرحمٰن کے طریق سے مروی ہے امام ترمذی نے فرمایا کہ دوسرے طریق میں عن أم ولد لهود ابن عبدالرحمٰن ابن عوف ہے، جو وہم راوی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عن أم ولد لإبراهيم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہے، مگر امام ترمذی نے عن أم ولد لعبدا لرحمن پر کوئی کلام نہیں کیا، اس سے ان کے کلام سے ایک طرح کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ترجمہ میں تہذیب التہذیب وتقریب التہذیب میں جو کچھ لکھا ہے ان دونوں کو ملانے کے بعد بھی یہ اشتباہ والتباس برقرار رہتا ہے، اس کو مفصل طور سے حضرت مولانا مدظلہ کو لکھ کر بھیجا، جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر حافظ نے فیصلہ نہیں کیا ہے تو مشکل ضرور ہے، مگر معتذر نہیں، ام ولد لعبد الرحمٰن بھی وہم راوی ہے۔

آج سے ۴ سال قبل یہ ناکارہ قاہرہ سے جہاں پر ''بذل المجہود'' کی طباعت

کے لیے مقیم تھا، حج کے لیے حاضر ہوا، معلوم ہوا کہ حضرت مولانا بنوریؒ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں اور ہر سال ان کی تشریف آوری ہوتی تھی، ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی مجلس میں اچھا خاصا مجمع تھا، جس میں اکثر ساؤتھ افریقہ کے لوگ تھے، ملاقات پر بہت ہی مسرت و بشاشت کا اظہار ہوا، اور بہت ہی اہم علمی گفتگو فرماتے رہے، فرمایا کہ میں نے ''معارف السنن'' پر مقدمہ الگ سے لکھا ہے جو تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''فیض الباری'' میں نقل کیا گیا ہے کہ "التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد" کو فتح الباری پر ترجیح ہے، یہ کس امتیاز سے ہے، فرمایا کہ حافظ ابن عبدالبر غیر متعصب اور انصاف پسند ہیں۔

اسی مجلس یا کسی دوسری مجلس میں ''معارف السنن'' کی طباعت کا تذکرہ فرمایا کہ کتاب کی ضخامت کو دیکھتے ہوئے مجلس علمی کا خیال ہوا کہ مختصر کر دی جائے، اس لیے کہ اس میں مصارف بہت آئیں گے، فرمایا کہ میں اس پر راضی نہ ہوا اور ملتزم شریف پر حاضری کے موقع پر اس کی طباعت کے لیے دعا کی، یا اللہ تو غیب سے اس کا انتظام فرما دے، اس کے چند ہی دن کے بعد ساؤتھ افریقہ سے ایک صاحب کا خط آیا کہ ہم طباعت کے لیے تیار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''معارف السنن'' میں حضرت مولانا مرحوم نے جو تحقیقات کے نوادر بکھیرے ہیں، جس طرح سینکڑوں مراجع و مصادر کے مطالعہ کے بعد ان سے کام کی بات نکال لی ہے، یا جس طرح ملخص فرما دیا ہے، یہ انہیں کا حصہ تھا، اور ان کی یہ کتاب انہیں ہمیشہ زندہ و جاوید رکھے گی اور علمی دنیا اس سے فیض یاب ہوتی رہے گی،

اسی طرح ان کی کتاب ''یتیمۃ البیان في مقدمۃ تفسیر القرآن'' دیکھنے میں تو ایک مختصر رسالہ ہے، مگر تفسیر کے طالب علم کے لیے اس میں بہت بڑا خزانہ جمع فرما دیا ہے، ''مشکلات القرآن'' پر ان کا مقدمہ بھی بہت سی نادر خصوصیات کا حامل ہے، ان کے علاوہ بھی حضرت مولانا مرحوم کی متعدد تصانیف ہیں۔

وہ فتنہ قادیانیت کو اس دور کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے، اور اس کی تردید میں متعدد مقالات رسالہ ''بینات'' میں تحریر فرمائے اور عربی میں ایک مستقل کتاب رد قادیانیت میں تحریر فرمائی، جب پاکستان میں رد قادیانیت کی تحریک چلی تو تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر حضرت مولانا کو اس کا صدر منتخب کیا، اور ان کی قیادت میں یہ تحریک اتنے زور وشور سے چلی کہ بالآخر سابق حکومت کو اس کے سامنے جھکنا پڑا، اور قادیانیت کو اقلیت غیر مسلمہ قرار دینا پڑا۔

حضرت مولانا سلف صالحین کے مسلک پر پابندی سے قائم تھے، اس سے انحراف کو ملت کے لیے خطرہ تصور کرتے تھے، اور اس کے خلاف ہر چیز اور ہر تحریر کے مخالف تھے، امام مالکؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ اس امت کی اصلاح اسی راستہ پر چل کر ہوگی جس پر اس امت کی اولین جماعت کاربند تھی، حدیث پاک کی طویل خدمت اور اشتغال نے ان کے سینہ مبارک کو حُب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھر دیا تھا، متوکلانہ زندگی کے باوجود ہر سال تقریباً رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے اور مسجد نبویؐ میں اعتکاف فرماتے تھے، تراویح کے بعد قرآن پاک کسی قاری وحافظ سے نوافل میں سنتے تھے۔

حضرت مولانا خالص علمی وتحقیقی آدمی تھے، ان کی شہرت مشرق ومغرب ہر

جگہ تھی جس کا اعتراف مصر و شام کے علماء کو بھی تھا، میں نے اپنے زمانۂ قیام قاہرہ وہاں کے تمام بڑے علماء شیخ ابو زہرہ، شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم محمود وغیرہم کو مولانا کے علم کے معترف وقدرداں اوران کی مؤلفات کا مدح خواں پایا۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم سے خصوصی تعلق تھا اور یہ تعلق ادھر آخری دور میں بہت بڑھ گیا تھا، حضرت بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے، حضرت شیخ کی فرمائش پر ان کی کتاب موطأ کی شرح ''اوجز المسالک'' اور بخاری کی تعلیق ''لامع الدراری'' پر عربی میں حضرت مولانا نے مقدمے تحریر فرمائے ہیں، یہ دونوں مقدمے اپنی خصوصیات میں شاہکار ہیں، جس سے حضرت مولانا کی علم حدیث پر قدرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت مولانا کے کارناموں میں سے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی ہے، جس کے بانی حضرت مولانا ہی تھے، یہ مدرسہ عرب و عجم میں ہر جگہ شہرت رکھتا ہے، ابھی جولائی میں ہندوستان سے واپسی پر تین دن کے لیے کراچی حضرت مولانا ہی کا مہمان رہا اوران کے مدرسہ ہی میں قیام تھا، فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کا منظر بڑا نرالا تھا، حضرت مولانا سے اس کا ذکر کیا تو اس پر بہت ہی بشاشت کا اظہار فرمایا، اس مدرسہ میں حضرت مولانا نے متعدد اہل علم واہل کمال کو جمع کرلیا تھا، دورۂ حدیث میں طلبہ کی ایک بڑی جماعت زیر تعلیم ہے، اپنی سادگی اور طرز میں یہ مدرسہ سلف کی یادگار ہے، مدرسہ میں مجلس تحقیقات کا ایک اہم شعبہ ہے، جس میں تحقیقی وعلمی کام ہورہا ہے، جس کو ترقی دینے کی حضرت مولانا کو بہت فکر تھی، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

اس مدرسہ کے لیے کبھی چندہ کی اپیل حضرت مولانا نے شائع نہیں کی، محض

توکل علی اللہ کام پورا ہوتا رہا، اور اہل خیر اعانت فرماتے رہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے مدرسہ کی باہر ممالک تک شہرت ہے، اس لیے اس کے مقاصد و نظام وغیرہ کو عربی میں شائع ہونا چاہئے، فرمایا کہ بھائی مجھے بیجا شہرت پسند نہیں، مگر لوگوں کا اصرار ہے تو مختصراً شائع کر دیا جائے گا، مولانا عبدالرزاق صاحب جنہوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے، وہ اس کام کو کر دیں گے۔

موجودہ حکومت جو حضرت مولانا کی قدرداں تھی اور اہم کام لینا چاہتی تھی اور اسی سلسلے میں کراچی سے اسلام آباد تشریف لے گئے تھے کہ اچانک سانحۂ ارتحال پیش آیا، ۱۶/۱۷ اکتوبر کو پاکستان ریڈیو سے یہ جانکاہ خبر سنی گئی، دوسرے دن یہاں کے مشہور روزنامہ اخبار ''الاتحاد'' نے بھی یہ خبر شائع کی، یہاں کے اہل علم و مشائخ سب نے بہت ہی رنج کا اظہار کیا، بالخصوص یہاں کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد بن عبدالمبارک رئیس القضاء الشرعی (چیف جسٹس) نے جو حضرت مولانا کے بڑے قدرداں تھے، ان کو ابوظبی کی دعوت بھی دے چکے تھے، بہت رنج و غم کا بار بار اظہار فرمایا کہ اب ان کا بدل کہاں ملے گا؟

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ماخوذ از: تعمیر حیات، جنوری ۱۹۷۸ء)

شاہ معین الدین احمد ندویؒ

اچانک محترم شاہ معین الدین احمد ندوی کے سانحۂ ارتحال کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی کہ ۱۳/دسمبر۱۹۷۴ء کو اعظم گڑھ میں یہ حادثہ عظیمہ پیش آیا، اس خبر کو سن کر پوری علمی وادبی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی، خاص طور سے دارالمصنفین اعظم گڑھ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا حلقہ ایک ایسی شخصیت کے وجود سے خالی ہوگیا جس کی تلافی ممکن نہیں، شاہ صاحبؒ نے ۴۷ سال دارالمصنفین میں گذارے، اس طویل عرصہ میں تصنیف وتالیف کی ایک عظیم الشان یادگار اپنے پیچھے چھوڑی ہے، جو اُن کے لیے ذخیرہ آخرت ہے، آخری دور میں ''دین رحمت'' و''حیات سلیمانؒ'' دونوں اہم موضوع پر اہم کتابیں ہیں۔

شاہ صاحب اپنی بے نفسی وتواضع کی بنا پر پورے حلقہ میں ہر دلعزیز تھے، ہر خورد وکلاں ان سے محبت کرتا تھا، اپنے چھوٹوں پر وہ انتہائی شفیق تھے۔

شاہ صاحب شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ کی اولاد میں تھے، اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کو تصوف سے خصوصیت کے ساتھ مناسبت تھی، انہوں نے بتایا تھا کہ تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی حضرت مولانا علی میاں صاحب کی تالیف کو ایک ہی

نشست میں پڑھ ڈالا، ادھر چند سالوں سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے تعلق بھی ہو گیا تھا، خط و کتابت بھی رکھتے تھے، جب بھی دارالمصنفین حاضری ہوتی، شاہ صاحب بہت ہی اشتیاق سے شیخ کے حالات دریافت فرماتے، اور نہایت والہانہ انداز میں حضرت شیخ کا تذکرہ فرماتے تھے، گذشتہ سال وزارت المعارف کی دعوت پر حجاز مقدس گئے تھے، واپسی پر بار بار فرماتے تھے، میرے سفر کا مقصد حرمین اور مدینہ منورہ میں حضرت شیخ سے ملاقات تھی، سفر سے شاہ صاحب کو مناسبت نہ تھی، سہارنپور جب حاضری کے لیے شیخ کو خط تحریر فرماتے تو شاہ صاحب کی رعایت کے پیش نظر حضرت شیخ ان کو تحریر فرماتے کہ علی میاں صاحب کے ساتھ تشریف لائیں کہ حضرت مولانا سے شاہ صاحبؒ کو انتہائی محبت بلکہ عقیدت تھی، فرماتے تھے کہ دو سفر میں نے تنہا کئے ہیں، اسی شوال میں شاہ صاحب سے اعظم گڑھ میں ملاقات ہوئی، فرمایا کہ تمہارے ساتھ سہارنپور حاضر ہونا چاہتا ہوں، مگر مجھے جلدی تھی اس لئے ۲۱ر شوال کو سہارنپور حاضر ہو گیا، شاہ صاحب ۴۔۵ دن کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور مولوی ہارون ندوی کو اپنے ہمراہ سہارنپور لائے کہ رفیق کے بغیر سفر مشکل تھا، چار دن سہارنپور میں قیام رہا، اس ناچیز کو حضرت شیخ نے ان کا میزبان بنا رکھا تھا درانحالیکہ حضرت شیخ کی طبیعت انتہائی خراب تھی، ہفتہ بھر سے غذا بند تھی اور شدید بخار، کھانسی کی تکلیف تھی، مگر شاہ صاحبؒ کی راحت کا انتہائی خیال فرماتے، کھانا و ناشتہ میں بھی شاہ صاحب کے ساتھ غیر معمولی اہتمام فرماتے، ایک دن عصر کے وقت کی چائے بغیر بسکٹ و فروٹ کے آ گئی، بعد میں حضرت کو علم ہوا تو خدام پر ناگواری کا اظہار فرمایا، شاہ صاحب نے کئی مرتبہ انتہائی تواضع میں فرمایا کہ ہم سے تو

کچھ ہوتا نہیں ہے اس لئے حضرت کھلاتے و پلاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس مرتبہ شاہ صاحب کا حضرت شیخ نے جس قدر اہتمام فرمایا وہ اس ناچیز کے لیے بھی باعث تعجب تھا۔

ان کی معمولی سی معمولی راحت کا انتہائی اہتمام تھا، بخاری شریف کا حضرت شیخ افتتاح فرمانے والے تھے، یہ ناکارہ اور شاہ صاحب دونوں وقت سے پہلے مدرسہ میں حاضر ہوئے، اور وہاں پر مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ جو حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور صاحب فراش ہیں، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مصافحہ ہوا، حضرت مولانا نے شاہ صاحب کا ہاتھ تھوڑی دیر کے لیے پکڑ لیا اور خدام سے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو، بیٹھ کر فرمایا کہ میں انتہائی سرور محسوس کرتا ہوں، درانحالیکہ شاہ صاحب کا تعارف ابھی میں نے نہیں کرایا تھا، اس کے بعد تعارف کرایا، حضرت مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اشعار پڑھنے لگے، شاہ صاحبؒ نے دعا کی درخواست کی، فرمایا کہ ہم تو زیادہ محتاج ہیں۔

وہاں سے درس بخاری شریف میں تشریف لائے اور اس میں شرکت فرمائی، سہارنپور قیام کے دوران ایک دن حضرت شیخ سے فرمایا کہ حضرت میں تہجد و معمولات کی پابندی کرتا ہوں اور چلتے پھرتے جو ممکن ہوتا ہے درود شریف پڑھ لیتا ہوں، حضرت نے فرمایا بس یہی کافی ہے، صبح کی نماز کے بعد حضرت شیخ کے یہاں ذکر کی مجلس ہوتی تھی، اس میں انتہائی پابندی واہتمام سے شرکت فرماتے۔

شاہ صاحب اپنے علمی و دینی کاموں کے ساتھ جس خاندان سے ان کا تعلق

تھا،اور آخری دور میں اپنے دور کے ایک جلیل القدر شیخ طریقت سے وابستگی یہ ان کے لیے بہت بڑی دولت ہے، البتہ ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا بظاہر پُر ہونا ممکن نہیں۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف اور مقالے جو اس ۴۷ سال کے عرصہ میں تحریر فرماتے رہے وہ اپنی زبان وسلاست بیان کے لحاظ سے اور علم وتحقیق کے اعتبار سے ان کا علمی دنیا میں جو مقام ہے، اس پر مستقل لکھنے کی ضرورت ہے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت عبدالرب صاحب علیہ الرحمہ

نقوش وتأثرات

حضرت اقدس سید عبدالرب صوفیؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے اور حضرت تھانویؒ کی مجالس سے فیض یاب ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ کی صحبت ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، افسوس کہ آخر میں بینائی کمزور ہوگئی تھی، ناچیز اپنی طالب علمی کے زمانہ سے ہی ان کی ذات گرامی سے واقف تھا اور ندوہ میں اپنی مدرسی کے زمانہ میں جس کا سلسلہ ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک قائم رہا، بار باران کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ دونوں ہی بزرگ اور ندوہ کا حلقہ ان سے عقیدت ومحبت کا تعلق رکھتا تھا، ان کی آمد پر بڑا اہتمام رہتا تھا۔

یہ شہرت تھی کہ حضرت صوفی صاحب بڑے مستجاب الدعوات ہیں، اس ناچیز پر اس زمانہ میں ایک نازک اور مشکل مرحلہ پیش آ گیا، اپنے اکابر کو دعاؤں کے لیے خطوط لکھے، اسی اثنا میں صوفی صاحب سے بھی ملاقات ہوگئی اور اُن سے بھی دعا کی درخواست کی، اس ناچیز کی پہلی تصنیف ''محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے'' طبع ہوکر آئی تھی، اس کتاب کو ان کی خدمت میں پیش کیا، بہت خوش ہوئے، اوراس ناچیز

کو اپنے وطن اناؤ لے گئے، وہاں ایک رات قیام رہا، ان کے شب و روز دیکھنے کا موقع ملا، ان کی شخصیت کا نقش دل و دماغ پر قائم ہو گیا، نماز وہ خود پڑھاتے تھے اور قرآن پاک بہت اچھی آواز میں پڑھتے تھے، وہاں کے قیام کے دوران صوفی صاحب نے فرمایا کہ اپنی کتاب ''محدثین عظام'' کو ہاتھ میں لے کر اس کے وسیلہ سے دعا کریں، فرمایا یہ عظیم کام ہے اور آپ کی دعا ان شاء اللہ ضرور قبول ہو گی اور اللہ آپ کو ضائع نہ فرمائے گا، بحمد للہ اس پر عمل کیا اور اس کا اثر پایا۔

بزرگوں کے واقعات کثرت سے سناتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ متاثر تھے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے بھی ان کی سہارنپور تشریف آوری کا قصہ کئی مرتبہ اپنی مجلس میں سنایا جس کو اس ناچیز نے اپنی کتاب ''صحبتے با اولیاء'' میں ذکر کیا ہے اور اس سے یہاں نقل کر رہا ہوں، فرمایا صوفی عبد الرب صاحب (مجاز حضرت اقدس تھانوی) نے کہا: میرا روزانہ کا صرف پان کا خرچ تیس چالیس تک کا ہوتا ہے، عرصہ ہوا لکھنؤ سے ایک جماعت آئی، اس میں علی میاںؒ، مولوی منظورؒ اور صوفی صاحبؒ بھی تھے، چنانچہ علی میاں و مولوی منظورؒ نے جماعت والوں کو اصول بتائے اور سکھائے اور کہا کہ تم لوگوں کا قیام تبلیغی مرکز کی مسجد میں رہے گا، دیکھو شیخ کی دعوت قبول مت کرنا زیادہ اصرار کریں تو ایک وقت ان کے یہاں کھا لینا مگر ہم دونوں کے ایسے تعلقات ہیں کہ کھانا وہیں کھائیں گے، چونکہ صبح کی لکھنؤ والی ٹرین اکثر لیٹ آتی ہے اور پریشان کرتی ہے، وہ لیٹ آئی، غالباً ڈیڑھ بجے گاڑی آئی، صوفی صاحب کہیں پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی اُن حضرات کے ساتھ میرے پاس آئے، بڑے حضرت رائے پوری کے خلفاء میں حضرت منشی رحمت علیؒ تھے، وہ

فرماتے تھے، مولوی کا دماغ جب چلے ہے جب دسترخوان تو ہو دوسروں کا اور انتظام ہو اس کا، میرا بھی یہی حال ہے، میرا دماغ دوپہر کے کھانے میں خوب چلتا ہے، ان حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا، صوفی صاحب نے ان دونوں سے کھانے کے بعد کہا کہ آپ جو کچھ کہیں میں تو کھانا یہیں کھاؤں گا، پندرہ دن تک قیام رہا، جب وہ جانے لگے تو بہت سی دعائیں دیں، شاعر بھی تھے، میرے ساتھ بھی شاعری برتی، انہوں نے مجھ سے تین باتیں دریافت کیں، ایک تو میں بھول گیا البتہ دو یاد ہیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ سب چھوڑ کر تبلیغ میں نکل جاؤ اور علماء کرام کہتے ہیں کہ حقوق بھی ہیں، میں نے آپ کو بہت معتدل پایا، اس لیے جواب کی درخواست ہے، میں نے کہا اگر بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام ہے تو ضرور تبلیغ میں جانا چاہئے اور اس کے خلاف مولویوں کی ایک نہ سننا، البتہ اگر باہر جاؤ اور انتظام مکمل کرلو اور عین چلتے وقت بیوی سے تنہائی میں کہو کہ سفر کا بہت سہم چڑھ رہا ہے، دل نہیں چاہ رہا ہے، تری یاد بہت پریشان کرے گی، کسی کام میں دل نہیں لگے گا مگر مجبوری ایسی پیش آئی کہ بغیر جائے چارہ کار نہیں، جلدی سے جلدی واپسی کی کوشش کروں گا، یہ کہہ کر خوب اس سے مل کر چل دو اور سفر سے تھوڑے تھوڑے وقفہ میں اس کی محبت اور یاد کے خطوط لکھتے رہو اور پھر واپسی پر سب سے پہلے اسی سے ملو اور کہو کہ سارے سفر میں تمہاری یاد بہت آتی رہی، کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا، سب سے جان چھڑا کر خدا خدا کر کے گھر آیا ہوں اور اگر بیوی بچوں کا انتظام نہ ہو تو تبلیغ والوں کی باتوں پر عمل نہ کرنا، جب وہ یہاں سے اپنے وطن (اناؤ) پہنچے تو ان کا اور ان کی بیوی دونوں کے خطوط آئے، انہوں نے لکھا میں نے گھر آکر سب اگل دیا، چونکہ ہمارے یہاں بیوی کو خطاب

کرنے کا تو کے ساتھ معمول نہیں ہے، بلکہ آپ کے ساتھ ہے لیکن جب میں نے اس نیت سے کہ حضرت کے فرمائے ہوئے الفاظ میں برکت ہے وہ دوسرے لفظوں میں نہیں، اس لیے بیوی سے وہ لفظ کہے جو حضرت نے فرمائے تھے، اس کو یہ طرز خطاب بہت اجنبی معلوم ہوا، اس لیے پوچھا کہ یہ سبق کس نے پڑھایا، جب میں نے جناب کا ذکر کیا تو اس نے بھی شکریہ کا خط لکھا، دوسری بات یہ دریافت فرمائی کہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دست غیب حاصل ہے، میں نے آپ کی دوکان کی اور منی آرڈر کی خوب تحقیق کر لی ہے مگر دونوں کی آمدنی روزانہ کے دسترخوان کے خرچ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، میں نے کہا کہ دست غیب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی نقد نہ منگوائے، ادھار منگائے اور بھاؤ بھی نہ پوچھے بلکہ جس چیز کی ضرورت ہو منگا لے اور جب روپیہ کا مطالبہ کرے فوراً ادا کر دے، میرا یہی معمول ہے، قرض خوب ملتا ہے جب ادائیگی کا اطمینان ہو (صحبتے با اولیاء ص ۵۷)۔

انہیں تأثرات کے ساتھ بزم حضرت صوفی عبدالرب صاحب میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مولانا محمد الحسنی

یہ ناچیز اپنے تعلیمی مراحل طے کرتا ہوا، ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم میں داخلہ کے لئے حاضر ہوا، مولانا عبدالرشید صاحب اعظمی مرحوم (راقم سطور کے مشرف داخلہ اور حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ کے شرق اوسط کے سفر میں رفیق و کاتب) نے داخلہ کے مراحل پورے کرائے، امتحان داخلہ ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا سلونیؒ نے لیا، داخلہ فضیلت اول (دینیات) میں فرمایا، ندوۃ العلماء میں اس وقت عالمیت کے چھ درجے تھے، درجہ ششم سے فارغ طالب علم کو عالمیت کی سند دی جاتی تھی، اس سے قبل صرف پانچ سال تھے، پانچ سال میں عالمیت کی سند پانے والوں میں ہمارے دوست پروفیسر ڈاکٹر احتشام ندوی بھی تھے، عالمیت کے چھ درجات کے بعد دو درجے تخصص ادب عربی اور دو درجے فضیلت دینیات کے رکھے گئے تھے۔

فضیلت اول (دینیات) میں یہ ناچیز اور مولوی مطیع الرحمٰن صاحب ندوی، مولوی وجیہ الدین صاحب ندوی مرحوم، مولوی طاہر علی پورنوی مرحوم اور مولوی احمد علی حسنی مرحوم تھے، اس میں بھی کل تعداد پانچ تھی۔

مولوی مطیع الرحمٰن ندوی تمام ساتھیوں میں بڑے طباع اور ذہین اور حافظ تھے، مدرسۃ الاصلاح میں وہ اس ناچیز سے درجہ میں آ گے تھے، لیکن ندوہ میں داخلہ ایک ہی درجہ میں ہوا تھا۔

یہ ناچیز چونکہ مدرسۃ الاصلاح کے بعد مظاہر علوم سے ہوکر ندوہ آیا تھا، اس لیے حضرت شاہ حلیم عطا سلونی بار بار درس حدیث میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا ذکر فرماتے تھے، مولانا معین اللہ صاحب ندوی (جن میں شرق اوسط کے تبلیغی اسفار سے لوٹنے کے بعد تبلیغ کا بڑا رجحان تھا) حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے وابستگی کے تعلق سے اس ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے، ہماری بورڈنگ کے نگراں مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی مرحوم تھے، دونوں بورڈنگوں میں اقامتی طلبہ کی تعداد ۷۰۔ ۸۰ کے درمیان تھی، مولانا عمران خاں صاحب دارالعلوم کے مہتمم تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحب معتمد تعلیم اور مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب ناظم دارالعلوم، اس طرح دارالعلوم میں اساتذہ کا بہت چیدہ اجتماع تھا، ہر فن کے باکمال اساتذہ موجود تھے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کو ندوہ کی ترقی اور اس کے مقاصد کی نشر و اشاعت، عشق کے درجے میں تھی، اس لیے وہ طلبہ کی تربیت اور ان کی تعلیمی نگرانی کے تعلق سے بے حد فکر مند رہتے تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے گھرانے کے جن افراد سے راقم کا ابتدائی تعارف ہوا، ان میں مولانا محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی ہیں جو ہم سے ایک درجہ آ گے تھے، مولوی مطیع الرحمٰن صاحب ندوی کے خاص دوست تھے، ان کے علاوہ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم بھی تھے، گوئن روڈ پر واقع تبلیغی مرکز میں بالعموم اتوار کو درس میں جانا ہوتا تھا، اتوار کی شام کو

حضرت مولانا علی میاں صاحب کا تبلیغی مرکز میں خصوصی بیان ہوتا، جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے، حضرت مولانا کے یہ بیانات اصلاحی ہوتے، جن سے ہر وارد مستفید ہوتا، اس اصلاحی بزم میں جن حضرات سے بکثرت ملاقات ہوتی ان میں مولانا محمد میاں مرحوم، مولانا محمد ثانی صاحب ندوی حسنی اور مولانا محمد طاہر صاحب ندوی تھے، ناچیز چونکہ مظاہر علوم سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے آیا تھا، اس لیے یہ حضرات نہایت محبت کا معاملہ فرماتے۔

فضیلت کے دوسرے سال میں مولانا محمد میاں صاحب مرحوم ساتھ ہو گئے، ان کے والد مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک خاص نظام بنایا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب نے عربی زبان سیکھنے اور نحو و صرف وغیرہ کی تعلیم کا جو اسلوب اختیار فرمایا تھا وہ نرالا تھا، مصر کے مجلّات و جرائد اور اس دور کے ادباء و صاحب قلم کی کتابوں اور تحریرات کے مطالعہ کا ان کو خوگر بنا دیا تھا، اس طرح ان کی تعلیم مکمل ہوئی، مزید برآں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت اور خصوصی توجہ نے اس پر چار چاند لگا دیئے تھے، اس لیے ان میں عربی زبان کے فہم و ادراک اور ذوق کی خاص کیفیت پیدا ہو گئی تھی، صحیح بخاری و صحیح مسلم حضرت شاہ حلیم عطا سلونی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اہتمام سے ختم فرمائی تھی، انہیں دونوں کتابوں کے درس میں مرحوم شریک ہوتے، گرچہ ان کتابوں کا قاری مولوی مطیع الرحمٰن صاحب ندوی اور یہ ناچیز ہوتا لیکن حضرت شاہ صاحب کوئی نکتہ بیان کرتے وقت مولانا محمد میاں صاحب کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی خصوصیات میں سے ایک

خصوصیت یہ تھی کہ حاشیہ کی طرف اشارہ فرما کر فتح الباری اور شرح نووی کی عبارتیں زبانی سناتے تھے جن کا موضوع سے تعلق ہوتا تھا، حضرت شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا۔

درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ کے اقوال بکثرت نقل فرماتے، ساتھ ہی ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے اقتباسات بیان فرماتے تا کہ طالب علم میں ان حضرات کی کتابوں کے سمجھنے کا ذوق پیدا ہو جائے، چنانچہ مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کے اندر حدیث فہمی کا ذوق پیدا ہوا، جو ان کی خاندانی روایت کے عین مطابق تھا، اور حضرات شیخین، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت سید احمد شہید اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ کے علوم و معارف سے آ گاہی ہوتی۔

ندوے میں ناچیز کا فراغت کے بعد ایک سالہ قیام تخصص فی الحدیث کے لیے بھی رہا تھا، فراغت و تکمیل کے بعد چند ایام کے لیے صوبہ گجرات میں مدرس ہو گیا تھا، اس کے بعد ۱۹۵۶ء میں ندوے میں مدرس ہو گیا، مولانا مرحوم ''البعث الاسلامی'' کی ادارت سنبھال چکے تھے، مولانا مرحوم کو اسلوب و بیان اور زبان و ادب کے علاوہ دعوتی و اصلاحی رنگ جو انہیں ورثہ میں ملا تھا، ان کے قلم میں پوری طرح نمایاں رہتا اور اس میں ترقی ہوتی رہتی۔

میں نے پوری زندگی کبھی کسی کی غیبت و شکایت کا ان سے ایک حرف بھی نہیں سنا، مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ تم کو اکابر میں سے کس سے مناسبت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت

مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے، اس پر مولانا نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ جواب روایت کے عین مطابق ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اس گھرانے اور خاص طور سے مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی بکثرت آمد و رفت رہتی تھی، اور قیام مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے یہاں ہی رہتا تھا، اس لیے مولانا محمد میاں مرحوم کو حضرت شیخ الحدیث کی دعائیں اور شفقتیں بھی حاصل رہیں، بیعت کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ مادرزاد ولی ہیں۔

ایک مرتبہ رائے پور کے سفر میں حضرت مولانا علی میاں صاحب نوراللہ مرقدہ کے وفد کے ساتھ مولانا محمد میاں مرحوم اور یہ راقم سطور بھی تھا، سہارنپور سے بذریعہ بس رائے پور کے لیے روانہ ہوئے اور بہٹ جاکر اترے، نہر کے کنارے کی سڑک سے رائے پور جانا تھا، لیکن سواری کا نظم نہ تھا، دو بج رہے تھے، بارش بھی ہو رہی تھی، خیال ہوا کہ شاہ مسعود صاحب کے یہاں چلیں، شاید سواری کا انتظام کردیں، سبھی حضرات بھوکے پیاسے تھے، حضرت مولانا نے فرمایا کہ کوئی زبان پر کھانے کا تذکرہ نہ کرے، چنانچہ مسعود صاحب کے باغ بہٹ ہاؤس میں پہنچ کر نماز ادا کی گئی، تھوڑے وقفہ سے شاہ مسعود صاحب نے آموں کے ساتھ قسم قسم کے کھانے کا انتظام کردیا، ہم لوگوں نے خوب شکم سیر ہوکر کھایا، انہوں نے رکشے کا بھی انتظام کردیا، جس پر سوار ہوکر بخیر و عافیت رائے پور پہنچے، حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ نے حضرت

کی آمد پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت کی خدمت میں چند دن قیام کے بعد سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کی زیارت کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔

اس ناچیز کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس وتدریس کا سلسلہ گیارہ سال یعنی ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۷ء تک جاری رہا، اس دوران مولانا مرحوم سے بکثرت ملاقاتیں رہیں، شہر میں امین آباد جانے کا مقصد عام طور پر ان سے ملاقات ہی رہتی تھی، مولانا مرحوم اکثر چائے وبسکٹ سے ضیافت فرماتے، ان کی ضیافت کے کئی قصے ہیں، وہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے اکلوتے فرزند اور حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے اکلوتے بھتیجے تھے، ان دونوں حضرات کی خصوصی محنت اور دعاؤں کے نتیجے میں وہ بہت سی صفات وخصوصیات کے مالک تھے۔

اس ناچیز نے ان کو چند انفرادی خصوصیات کا حامل پایا:

۱۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے ان میں جو صلاح و فہم، تقویٰ وعلمی اور ادبی استعداد کے علاوہ اردو وعربی میں فکر اسلامی کو پیش کرنے کا ایک نرالا انداز پیدا ہو گیا تھا، ان کی عربی تحریریں مصر کے مشہور ادباء واہل قلم سید قطب وغیرہ کی مماثل ہوتی تھیں، جب وہ لکھنے بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اندر سے علوم و افکار ابلتے چلے آرہے ہیں، وہ اس شعر کا پیکر بن جاتے تھے ؎

بینی اندر خود علوم انبیا ۔۔۔ بے کتاب وبے معید و استا

۲۔ ان کی زندگی اخلاق حسنہ، تواضع، خاکساری، خودداری واستغنا کا اعلیٰ نمونہ تھی، گویا ان کی زندگی اس شعر کا مصداق تھی ؎

تعلق سے غنی کے ہوگیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو میرا مغرور ہو جانا

ان صفات میں وہ اپنی خاندانی اعلیٰ روایات کا نمونہ تھے، جن کو دیکھ کر رشک آتا تھا۔

۳۔ علمائے سلف اور بزرگان دین کے ساتھ نہایت ادب کا معاملہ فرماتے اور اسی کے ساتھ بزرگان دین خاص طور سے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب وغیرہم کا ذکر اکثر فرماتے تھے۔

۴۔ تحریک ندوۃ العلماء اوران کے مقاصد کا بہت گہرا مطالعہ تھا، جس کی جھلک ان کی کتاب ''سوانح مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ'' میں دیکھی جاسکتی ہے، انہوں نے اس تحریک کے مقاصد کا بہت محتاط انداز میں تجزیہ کیا ہے اور ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے، اسی طرح سے انہوں نے ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی پر جو''روداد چمن'' مرتب کی ہے وہ بھی انہیں کا حصہ تھا، ندوۃ العلماء کے مؤسسین کے پیش نظر ایسے علماء وفضلاء تیار کرنے تھے جو عصر حاضر میں اسلام کے ترجمان بھی بن سکیں، ان کے علمی و تحقیقی کارنامے بھی اس طرح ہوں جو علم وتحقیق کے میدان میں اپنا ایک خاص مقام پیدا کرلیں، جن پر اعتماد کیا جائے، حاصل کلام یہ کہ یہاں کے فضلاء ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

کے مصداق بنیں، ندوۃ العلماء کی تحریک کو سمجھنے کے لیے ان کی یہ دونوں کتابیں کافی ہیں۔

ناچیز ۱۹۶۷ء کے بعد ندوے سے گجرات، گجرات سے سہارنپور حضرت شیخ

الحدیث نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں بذل المجہود کی تحقیق وطباعت کے تعلق سے حاضر ہوا، وہاں سے قاہرہ جانا ہوا، اور پھر قاہرہ سے واپسی کے بعد ابوظبی مقیم ہوگیا، اس دوران جب بھی لکھنؤ آمد ہوتی تو کھانے کی دعوت ضرور کرتے، انہیں کے یہاں رہتا، ٹرین سے سفر کے وقت ناشتہ دان میں کھانا رکھوا دیتے۔

''محدثین عظام'' (ناچیز کی پہلی تصنیف) چھپ کر آئی تو بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک بہت انفرادی نوعیت کی کتاب ہے، ''صحبتے با اولیاء'' جب چھپ گئی تو ''تعمیر حیات'' میں یہ تأثر لکھا کہ ''من جملہ انعامات خداوندی کے ایک انعام یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی ان پر خصوصی شفقت کی نظر ہے'' اس کو پڑھ کر ناچیز پر گریہ طاری ہوگیا جو بیان نہیں کرسکتا۔

مولانا مرحوم کی اپنے بچوں کے بارے میں یہ تمنا تھی کہ علم حدیث میں اختصاص پیدا کریں، اللہ کا شکر ہے کہ صاحبزادگان میں مولانا عبداللہ صاحب حسنی نے حدیث میں امتیاز کیا اور ندوے میں اونچی کتابیں پڑھا رہے ہیں، اور دوسرے صاحبزادے مولوی حافظ عمار حسنی ندوی ہیں جو لکھنؤ میں ایک مدرسہ کے مہتمم و مدرس ہیں، تیسرے صاحبزادے مولوی بلال حسنی ندوی بھی درس وتدریس میں مشغول ہیں، اور علم حدیث میں اختصاص پیدا کر کے اس فن سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں، اور کئی تصانیف بھی ان کی اردو عربی میں سامنے آچکی ہیں۔

ندوے کے پچاسی سالہ اجلاس میں ناچیز کی حاضری ہوئی، تو اس موقع پر ان کے ہمراہ حضرت پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کی وفات کا واقعہ عجیب ہے۔

چند گھنٹوں کی بیماری کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی نماز جنازہ عالم ربانی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور رائے بریلی میں ان کے آبائی وطن تکیہ شاہ علم اللہ میں ان کے برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اپنے والد ماجد حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے، ان کے عم محترم اور ہم سب کے مربی و مخدوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سفر پر تھے، وہ تدفین کے بعد واپس ہوئے، انہوں نے جس طرح اس صدمہ کو برداشت کیا، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، محمد میاں مرحوم ان کے دست راست، قوت بازو اور ان کی فکر و تحریر میں مثنیٰ تھے۔

مولوی محمود حسنی صاحب کے کہنے پر یہ چند سطریں لکھوادی ہیں، ناچیز ان ایام میں بے حد مشغول ہے ورنہ تفصیل سے مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کی خصوصیات و کمالات پر روشنی ڈالتا۔

آہ! مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم

۱۷رفروری کی شام کو ابوظبی سے مدینہ منورہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم کی صحت کا حال معلوم کرنے کے لئے ٹیلیفون کیا، وہاں سے حضرت کے خادم نے بتایا کہ آج ہی لکھنؤ سے جناب مولانا محمد ثانی صاحب کے سانحۂ ارتحال کا تار آیا ہے جس کا حضرت اوران کے خدام پر بہت ہی اثر ہے، اچانک یہ خبر سن کر بہت ہی رنج وقلق ہوا اور ایصال ثواب کا خود بھی اہتمام کیا اور دوستوں کو بھی تاکید کی، حقیقت یہ ہے کہ حادثہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے خاندان کے لئے بہت ہی سنگین اور صبر آزما ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم کے حادثہ کے بعد اس پر صبر اور برداشت کرنے کے لئے غیر معمولی عزیمت اور ہمت درکار ہے اور خاصان خدا کے سوا عام انسانوں کے لئے اس طرح کے حادثہ کا برداشت کرنا آسان نہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اوران کے پورے گھرانہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت کے اونچے مقام پر سرفراز فرمائے ؎

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا محمد ثانی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات اور کمالات سے

سرفراز فرمایا تھا،ان کے اخلاق عالیہ،کم گوئی،انقطاع وتبتل اورمتوکلانہ زندگی، ہر وقت استحضار کی کیفیت، روضۂ پاک اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اوران سے گہری محبت جوانھیں اپنے خاندانی ورثہ اوراپنے شیخ کی صحبت وتوجہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں، یہ ساری چیزیں ان کے لئے سرمایۂ آخرت ہیں، وہ حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد خاص اور مجاز بھی تھے، حضرت کی محبت اور عقیدت میں سرشار رہتے تھے،ان کے اشعار وقصائد جومختلف مناسبت سے انھوں نے کہے ہیں وہ اس کی آئینہ دار ہیں،انھوں نے عرصہ ہوارمضان المبارک کی آمد پرایک قصیدہ کہا تھا،سہارنپور میں اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مجلس میں جب سنایا گیا تو یہ ناچیز بھی وہاں موجود تھا، پوری مجلس پرآہ وبکا کا عالم طاری تھا ؎

الٰہی درد وغم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینھ نہ برساتی

اسی طرح انہوں نے جوقصیدہ اپنے ارتحال سے قبل حضرت شیخ الحدیث پر کہاوہ بھی دہلی کی ایک مجلس میں مولانا اظہار صاحب نے جب پڑھا تو سامعین کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی اوراس قصیدہ سے حضرت مولانا محترمؒ کا اپنے شیخ سے محبت وشیفتگی اور والہانہ محبت وعقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ناچیز نے سہارنپور کے قیام کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد مختلف مواقع پر اور رمضان المبارک میں مولانا ثانی صاحب کی سہارنپور کی حاضری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ جس محبت وعقیدت سے وہاں حاضر ہوتے وہ منظر بھی عجیب رہتا ؎

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دیگی

کبھی کبھی مجلس میں آکر وہ بیٹھے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں اور ان کی زبان سے بے اختیار ذکر بالجہر کے کلمات بھی جاری ہو جاتے۔

حضرت شیخ کو بھی ان کی عالی نسبی اور باطنی خصوصیات کی بنا پر شفقت و عنایت کی نظر تھی اور ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے حضرت کو دلچسپی تھی اور اسی محبت اور مناسبت کی بنا پر سوانح یوسفی کی ترتیب و تالیف بھی ان کے سپرد کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑا اہم اور نازک و دشوار کام تھا، اس لئے نہیں کہ سیرت یوسفی کی تالیف و ترتیب کا کام انجام دینا تھا بلکہ اس لئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کی خاندانی خصوصیات و روایات کو اس اسلوب اور اس طرز میں پیش کرنا تھا جس سے قاری کے سامنے اس کی صحیح تصویر آجائے اور اس لئے کہ مولانا جس دعوت کے حامل و داعی تھے وہ دعوت اور ان کا مشن اور اس کا صحیح تعارف پوری طرح سے کتاب کے اندر بلا ادنیٰ مبالغہ کے آجائے، مولانا محمد ثانی صاحب نے اس سیرت کو تاریخی دستاویز بنا دیا بلکہ اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے اور دوسرے لوگ جو اس دعوت کو سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے انسائیکلو پیڈیا بنا دیا، یہ ضخیم و عظیم کتاب کو اپنے شیخ کا حکم سمجھ کر انہوں نے مرتب کیا، اپنی بصارت کے ضعف اور صحت کی کمزوری کے باوجود رات دن ان کا یہی محبوب مشغلہ تھا، انہوں نے کتاب کے شروع میں مولانا علی میاں کے مشورہ سے شیخ الحدیث کے حالات کا بھی اضافہ کر دیا، جو سوانح یوسفی کی تکمیل کے لئے ناگزیر اور ضروری تھا، جس کو حضرت کے سامنے سنایا گیا، حضرت نے بھی تصویب فرمائی، کئی مرتبہ مجلس میں مزہ لے لے کر فرماتے رہے اور خاص طور پر مولانا

ثانی صاحب کی سہارنپور حاضری پر کہ مولوی صاحب کہاں تم نے ریشم میں ٹاٹ لگا دیا اس وقت کا جو عجیب منظر ہوتا اس کو تحریر میں لانا مشکل ہے ۔

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں لئے ہوئے

اس سیرت کی تکمیل کے بعد مولانا ہارون مرحوم کی سیرت بھی تحریر فرمائی، اس کے بعد حضرت شیخ کے حکم وایماء پر سوانح مولانا خلیل احمد مرتب کیا، گرچہ اس موضوع پر تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی کی کتاب بہت اہم اور جامع ہے مگر ضرورت تھی کہ اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا جائے، بہت سی ایسی باتیں جو اس میں آنے سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ ضروری تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ یہ کتاب ایک نئے اسلوب وطرز بیان میں آجائے تا کہ موجودہ اردوداں طبقہ کے لئے دل آویز اور پُرکشش بن سکے، اس کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ نے انہیں کے سپرد کی اور انہوں نے اس کام کو اسی جانفشانی اور تندہی اور دلچسپی سے انجام دیا جس کا وہ متقاضی تھا، اُن کی بڑی خواہش تھی اور حضرت کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا کہ ناچیز ایک مقالہ بذل المجہود اور اس کی خصوصیات پر لکھ دے تا کہ اس کتاب میں شامل کر دیا جائے، گرچہ میرے لئے یہ بہت آسان بات تھی مگر اپنی تساہلی کی وجہ سے کر نہ سکا جس کا افسوس ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان کو گونا گوں خصوصیات کا مالک بنایا تھا اور بالکل وہ اس شعر کے مصداق تھے ۔

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں وہ ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

یہ چند باتیں جو برجستہ نوک قلم پر آ گئی ہیں ورنہ ان کی یادوں کے ساتھ ایک لمبی تاریخ ہے اور بعض ایسے خطوط بھی ناچیز کے پاس موجود ہیں جو انہوں نے بعض استفسارات کے سلسلہ میں حضرت شیخ سے مجھ کو تحریر فرمائے تلاش کرنے پر وہ خطوط بھیج دوں گا۔

ان کلمات کے ساتھ اپنے دلی تعلق کا اظہار کرتا ہوں اور عزیز مولوی سید حمزہ ندوی سلمہ اور ان کے پورے گھرانہ کو تعزیت پیش کرتا ہوں، ان شاء اللہ ان کی نیک تمناؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ انہیں علم کی دولت سے سرفراز فرما کر اپنے دین کا کوئی عظیم کام لے گا۔

والدہ صاحبہ کا سانحہ ارتحال

اس عالم کی ہر چیز کو فنا ہے، جو یہاں آیا ہے اس کو یہاں سے دار فانی کی طرف جانا ہے، موت کا وقت مقرر ہے، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس کا انسان کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے، ان میں سے والدین یا کسی ایک کی وفات بالخصوص والدہ کے ارتحال پر جو رنج والم ہوتا ہے وہ تا زندگی باقی رہتا ہے۔

اس ناچیز کے والد مرحوم کا نوجوانی میں کالرا کے مرض میں انتقال ہو چکا تھا، اس لیے ہماری پرورش والدہ صاحبہ اور ہمارے دادا صاحب اور ماموں صاحبان نے کی، ہماری والدہ ایک رابعہ صفت خاتون تھیں، ان کی تمنا تھی کہ میرا بیٹا عالم دین ہو، ہمارے نانہال موضع چاند پٹی اعظم گڑھ میں کئی علماء موجود تھے بالخصوص مولانا زین الحق صاحب ندوی مرحوم، مولانا ابواللیث ندوی اور مولانا قمرالزماں صاحب، اس لیے ان لوگوں کے ترغیب دلانے پر مزید شوق پیدا ہوا، اور اس ناچیز کو ابتدائی تعلیم کے لیے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں بھیجا گیا، وہاں سے مظاہر علوم وندوۃ العلماء وغیرہ جانا ہوا۔

مجھے والدہ صاحبہ بہت اہتمام سے مدرسۃ الاصلاح اور ندوہ وغیرہ روانہ کرتی تھیں، اپنی ابتدائی عربی کی تعلیم کے زمانہ میں مجھے ''النحو الواضح'' کی ضرورت پڑی جو

مدرسۃ الاصلاح میں پڑھائی جاتی تھی، مجھے اس کتاب کے حصول پر اصرار ہوا، انہوں نے اس کے لیے بکری کا بچہ فروخت کر کے رقم عنایت فرمائی۔

اسی طرح ''المنجد'' کے خریدنے پر اصرار تھا، اس کو بمبئی سے منگوانا تھا، انہوں نے اپنی تنگی میں اس کا بھی انتظام کیا، ایک مرتبہ مجھے لنگی خریدنے کی ضرورت ہوئی، جو تین روپے میں مل جاتی تھی، والدہ صاحبہ کے پاس کل بارہ روپئے تھے، انہوں نے اس میں سے تین روپے عنایت فرمائے، لے کر چلا، لیکن راستے میں آندھی پانی آنے کی وجہ سے وہ روپئے کہیں گم ہوگئے، روتا ہوا واپس گھر آیا، تو پھر تین روپئے مزید عطا فرمائے، لحاف وگدے کے لیے چرخا کات کر اس کے کپڑے حاصل کئے، یہ لحاف طالب علمی کے زمانہ میں بہت دن تک میرے پاس رہا۔

سہارنپور میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے کچے گھر میں کچھ دن قیام رہا، حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آمد پر یہی لحاف تھا جو حضرت شیخ کے حکم پر بچھا دیا تھا، بعد میں اس کو بطور تبرک کے استعمال کرتا تھا۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی اور حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ سے بہت ہی عقیدت رکھتی تھیں۔

ادھر عرصہ سے ان کو ایک موذی مرض لاحق ہوگیا تھا، ان کا علاج بمبئی میں کرایا، الحمدللہ بظاہر مرض بالکل ختم ہوگیا، مگر بارہ سال کے بعد وہ مرض پھر ظاہر ہوا، اس کے ظاہری علاج کی تدبیریں سب اختیار کی گئیں اور آخری علالت میں یہ ناچیز تقریباً دو ماہ تک ان کی خدمت میں مقیم رہا، اس عرصہ میں ان کو چھوڑ کر صرف دو دن

کے لیے لکھنؤ حضرت مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت وملاقات کے لیے جانا ہوا تھا۔

آخر میں ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا، اس لیے ان سے اجازت لے کر لکھنؤ آنے کے تیسرے دن فون سے معلوم ہوا کہ طبیعت خراب ہو رہی ہے اور چوتھے دن ۸؍دسمبر بروز چہارشنبہ ۳۰؍شعبان المعظم ابوظبی کے لحاظ سے ساڑھے نو بجے اور انڈیا کے ۱۱؍بجے دن میں میرے چھوٹے لڑکے عزیزی ڈاکٹر صفی الدین کا فون آیا کہ دادی صاحبہ کی طبیعت بہت خراب ہے فوراً واپس آجائیں اور ابھی پوری بات بھی نہیں ہوسکی تھی کہ میرے بڑے لڑکے نے آکر یہ غمناک خبر سنادی کہ دادی صاحبہ تو عالم آخرت کو روانہ ہوگئیں، ان کی عادت تھی کہ ہر تکلیف پر سورہ یٰسین پڑھنے کا مطالبہ کرتی تھیں، چنانچہ اس کا مطالبہ کیا اور جب آخری آیت پر پہونچے تو روح پرواز کرگئی، اِنا اللہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

انتقال سے پہلے انھوں نے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تاکید کی تھی کہ مجھے لکھنؤ سے بلایا جائے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ابھی یہ ناچیز لکھنؤ میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے پاس ہے، بہرحال شارقہ سے یہ ناچیز اور عزیزان حافظ ذکی الدین و فہیم الدین اور بھائی زبیر ۸؍بجے شام کو روانہ ہوکر ۳؍بجے رات میں لکھنؤ ایرپورٹ پر پہونچے، باہر کافی لوگ جمع تھے، ان میں محترم مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ اور مولانا مفتی ظہور صاحب ندوی کے علاوہ ندوہ کے کئی حضرات موجود تھے، مولانا محمد رابع صاحب کی تشریف آوری پر تعجب ہوا کہ سردی سخت تھی، معلوم ہوا کہ حضرت اقدس مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے جانے کی تاکید فرمائی تھی، ہم لوگ ۹؍دسمبر

۱۹۹۹ء بروز جمعرات ۱۰؍ بجے دن میں اپنے وطن پہونچے اور نماز ظہر کے بعد اس ناچیز نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

ہمارے پہونچنے سے پہلے ہمارے دونوں لڑکے عزیزان بدر عالم وصفی الدین سلمہما اور اعزاء واقارب نے سب انتظامات کر لیے تھے، مدرسہ میں چھٹی تھی، نماز میں قرب وجوار وضلع و بیرون ضلع سے خاصا مجمع آ گیا تھا، گھر میں تعزیت کرنے والی عورتوں کی تعداد تقریباً پانچ سو بتائی گئی ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

والدہ صاحبہ کے انتقال پر حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ نے خصوصی طور پر ایصال ثواب کیا اور اپنی خانقاہ میں جو اس وقت ندوہ میں تھی اس کا اہتمام کرایا، سہارنپور میں محترم مولانا محمد طلحہ صاحب نے اور مختلف مدارس کے علماء وطلباء نے ختم قرآن کا اہتمام کیا اور مدینہ منورہ سے ہمارے دوست مولانا اسماعیل صاحب نے اطلاع دی کہ تین قرآن ختم کر کے والدہ صاحبہ کو ایصال ثواب کیا۔

میں ان تمام دوستوں اور اکابر کا شکر گذار ہوں جنہوں نے خط کے ذریعے یا تار کے ذریعے یا فون کے ذریعے تعزیت کی یا دعائے مغفرت فرمائی۔

بہت سے حضرات کے خطوط کے جوابات دیئے ہیں اور جن کے جوابات پہونچ گئے ان سب کا شکر گذار ہوں۔

(ماخوذ از: الشارق اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

نقوش وتأثرات

(متوفی ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی وفات اس عہد کا بہت بڑا حادثہ ہے، علمی وروحانی دنیا میں ایسا عظیم خلا پیدا ہوگیا جس کا پر ہونا بظاہر ممکن نہیں، ان کی ذات گرامی مختلف خصوصیات وکمالات کی حامل تھی، وہ کامیاب ترین مدرس اور عظیم ترین محدث تھے، وہ صاحب قلم اور مشہور مناظر، اسلام کے داعی اور زمانہ کے نبض شناس مفکر تھے، ان کی اصابت رائے اور دقت نظر مسلم تھی، وہ اخلاص ودینی محبت کا اعلیٰ نمونہ، اپنے اکابر کی خصوصیات وروایات کے حامل اور ان کے علوم کے ناشر تھے۔

اس ناچیز کا ان کی ذات گرامی سے تعلق ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے زمانہ (۳۵ھ) سے شروع ہوا تھا جو تا زندگی قائم رہا، یہ ناچیز مظاہر العلوم سے ندوہ پڑھنے آیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا نعمانی صاحب اور حضرت مولانا علی میاں مدظلہ دونوں بزرگوں کا تبلیغی کام سے بہت گہرا عملی تعلق تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ بھی اپنے خطوط میں ان حضرات کی خدمت میں حاضری

کی تاکید فرماتے رہتے تھے، ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میری مدرسی کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں حضرت مولانا سے زیادہ قرب واتصال کے مواقع ملے، اس لئے کہ اس ناچیز کے ذمہ جب مشکوٰۃ شریف پڑھانے کے لئے کی گئی، حضرت مولانا اس زمانہ میں ندوہ کے شیخ الحدیث تھے اور دارالعلوم کے تمام اہم کاموں میں شریک مشورہ رہتے تھے، انہیں کی سعی سے کچھ عرصہ کے لئے مشکوٰۃ شریف کی دونوں جلدیں ایک ساتھ کردی گئی تھیں، اس کے بعد جب حضرت مولانا نے اپنے خاص حالات کی بناء پر تدریسی خدمت سے معذرت فرمائی تو اس زمانے میں آپ جو کتاب یعنی ترمذی شریف پڑھاتے تھے وہ آپ کے مشورے سے اس ناچیز کے ذمے کی گئی اور یہ کتاب تقریباً ۵ سال یعنی ۱۹۷۱ء تک ندوہ میں میرے آخری قیام تک میرے ہی ذمہ رہی۔

حضرت مولانا کے ایما اور حکم کی بناء پر الفرقان میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، اس زمانہ میں کئی اسفار بھی حضرت مولانا کے ساتھ ہوئے، جب پہلی مرتبہ دارالعلوم ندوہ کے سلسلہ میں مالیگاؤں، بمبئی، ناگپور وغیرہ سفر کرنا پڑا، تو حضرت مولانا نے وہاں کے ذمہ داروں کو جو ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، خطوط لکھے جن سے دارالعلوم کے تعارف میں بڑی مدد ملی، ہندوستان سے باہر آنے کے بعد بھی حضرت مولانا سے تعلق برابر قائم رہا، ہر حاضری وملاقات پر وہ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، ان کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت مولانا کے ہمراہ سنبھل جو اُن کا آبائی وطن ہے وہاں کا سفر ہو جائے، افسوس اپنے حالات کی بنا پر اس کا موقع نہ مل سکا، ان باتوں کا تقاضہ تھا کہ الفرقان کے خصوصی نمبر کے لئے کوئی علمی مقالہ تیار کرتا مگر اس وقت

ہندوستان سے باہر ہوں، حضرت مولانا کے خطوط اوران کی اکثر کتابیں یہاں موجود نہیں ہیں، اس لئے چند تاثرات پر اکتفا کر رہا ہوں تا کہ رسالہ الفرقان کے خصوصی نمبر کی بزم میں شرکت کا موقع مل سکے ۔

تازہ خواہی داشتن گرداغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

حضرت مولانا کا علمی رسوخ:

حضرت مولانا نعمانی نے جس زمانہ میں اپنا علمی سفر شروع کیا تھا، وہ ہندوستان کا عہد زریں کہا جا سکتا ہے، بڑے بڑے اکابر ومحدثین، فقہاء وربانیین موجود تھے، جن حضرات کے سامنے حضرت مولانا نے زانوئے تلمذتہ کیا تھا، ان میں کا ایک ایک فرد اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھا، خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیریؒ جن کے بارے میں مولانا شبیراحمد عثمانیؒ کی شہادت ہے ’’اگر وہ پچھلے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو طبقۂ اہل علم میں ان کی بڑی شان ہوتی‘‘ حضرت مولانا نعمانیؒ کا علامہ کشمیری کے ارشد تلامذہ میں خصوصی مقام ہے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ رہا، مطالعہ کا شغف تھا، درسی وغیر درسی کتابوں میں جو اشکالات پیش آتے ان کے جوابات کو اہتمام سے نوٹ فرمالیا کرتے، اور علامہ کشمیری کی خدمت میں حاضری کے وقت پیش کرتے، شاہ صاحب کے جوابات بھی نوٹ فرمالیا کرتے، اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ اور ذکاوت وذہانت کی دولت سے بھی نوازا تھا، حضرت مولانا فرماتے تھے کہ یہ سوالات حضرت الاستاذ کی خدمت میں میرا خصوصی ہدیہ ہوتے، ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ ترمذی شریف کی ایک

عبارت پر اشکال واقع ہوا، اس کو نوٹ کر لیا، حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری کے وقت اس کو پیش کر دیا، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، جس سال آپ دورے میں تھے مجھے خوب یاد ہے میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے نسخوں میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے، لیکن لوگ سرسری گذر جاتے ہیں ان کو پتہ نہیں چلتا، ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا ہے وہ انہیں بھی آنا چاہئے، یہ واقعہ دلیل ہے حضرت مولانا کے علمی رسوخ کی، جس کی شہادت ان کے استاد علامہ کشمیری دے رہے ہیں، غرض حضرت مولانا نعمانیؒ نے کتابیں محنت سے پڑھیں اور پڑھائیں، اپنے اساتذہ بالخصوص علامہ کشمیریؒ کے تلمذ و تعلق نے ان کے اندر علمی رسوخ و کمال پیدا کر دیا تھا جو آئندہ ترقی کرتا رہا، ان کی تالیفات سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، بالخصوص ان کی کتاب ''معارف الحدیث'' خاص طور سے کتاب الایمان میں مشکل مقامات کو جس طرح حل کر دیا ہے اور آسان بنا دیا ہے وہ طلبہ و علماء سب کے لئے یکساں قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

ان کی ساری زندگی کے رفیق حضرت مولانا علی میاں مدظلہ نے ان کے علمی رسوخ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ''علمی رسوخ بہت اونچی چیز ہے، اور ایک خاص امتیاز ہے، میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر شہادت دیتا ہوں کہ مولانا کو علم حدیث میں، تفسیر میں، علم کلام اور فرق محرفہ اور منحرفہ کے بارے میں جو وسیع معلومات تھیں ان سے جو غیر معمولی واقفیت تھی اور ان کی کمزوریوں اور ان سے پیدا ہونے والے خطرات کا جتنا صحیح اندازہ ان کو تھا، وہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کو بھی حاصل نہیں''۔

(تعزیتی جلسہ ندوۃ العلماء کی تقریر)

حضرت مولاناؒ کے کامیاب مناظرے:

حضرت مولانا نے اپنے وقت کے تمام فتنوں کا، وہ قادیانیت ہو یا بریلویت، علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک ہو یا اور کوئی فتنہ، ان سب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، اور پوری طاقت سے ان کا رد کیا، مسلمانوں کو ان فتنوں کے نقصانات سے آگاہ کیا اور ان کو بچانے کی کوشش کی۔

مولانا بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور درس وتدریس کا کام شروع کیا، ہندوستان میں چند شدید قسم کے فتنوں سے سابقہ تھا، جن میں بعض داخلی تھے اور بعض خارجی، خارجی فتنہ آریہ سماج کی شدھی سنگھٹن تحریک کا تھا، داخلی فتنوں میں ایک طرف قادیانیت کی یلغار تھی، اور اس کے مناظر و مبلغ پھیل رہے تھے، اور امت کے عقیدہ ختم نبوت کی جڑیں کھودنا چاہتے تھے اور دوسری طرف بریلوی مکتب فکر کے شرک و بدعت نے سر اٹھا رکھا تھا، اس لئے حضرت مولانا نے بریلویوں کے تکفیری فتنے کی وجہ سے ان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، اور ان سے پے بہ پے کامیاب مناظرے کئے، اس میدان میں ان کو اپنے اکابر علماء دیوبند کا پورا اعتماد حاصل تھا، حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولاناؒ کو اپنا وکیل بنایا تھا جو بہت بڑے اعتماد کی دلیل ہے۔

ندوۃ العلماء میں قیام کے زمانے میں ہمارے استاذ مولانا اسحاق سندیلوی کو ان کے قصبہ سندیلہ میں بریلویوں سے مناظرہ کی نوبت آ گئی، اس سلسلہ میں انہوں نے مناسب سمجھا کہ مولانا نعمانی صاحبؒ سے مشورہ کرلیا جائے، جو اس میدان کے شہسوار رہ چکے ہیں، اس ناچیز کو ساتھ لے کر لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں جہاں حضرت

مولانا نعمانیؒ کا قیام تھا حاضر ہوئے، مولانا نعمانی صاحبؒ ان دنوں مناظرہ چھوڑ چکے تھے، وہ دعوت وتبلیغ اور وعظوں کے ذریعہ فضا کی تبدیلی کو زیادہ مفید ومؤثر سمجھتے تھے، دوران گفتگو حضرت مولانا نے ایک دلچسپ قصہ ایک مناظرہ کا سنایا جس کو میں یہاں نقل کررہا ہوں ''مبارک پورا عظم گڑھ میں احیاء العلوم مشہور مدرسہ ہے، اس کے بانی حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مرحوم ہیں، انہوں نے لکھا کہ یہاں بریلویوں سے مناظرہ کی نوبت آ گئی ہے، اس لئے فلاں تاریخ کو یہاں تشریف لائیں، ان کے مناظر سید محمد کچھوچھوی ہیں، جو اس طبقہ کے بڑے محدث سمجھے جاتے ہیں، ہم نے چیلنج قبول کرلیا ہے'' مولانا نعمانی نے بیان فرمایا کہ میں نے صبح کی ٹرین سے اپنی آمد کی اطلاع کردی، مگر بعد میں رائے بدل گئی، جس کی ان کو اطلاع نہیں کی، صبح اسٹیشن پر نہ پاکر وہ لوگ واپس چلے گئے، لوگوں میں مایوسی ہوئی، بریلویوں نے اعلان کرادیا کہ ''دیوبند کے مناظر کا فرار'' بہرحال شام کی ٹرین سے مبارک پور پہونچا اور مولانا شکر اللہ صاحب سے عرض کردیا کہ میری آمد کی کسی کو خبر نہ ہو، اور عشاء کے بعد جہاں ان لوگوں کا اسٹیج لگا ہوا ہے اس سے پچاس قدم دوری پر ہمارے پچاس آدمی بیٹھ جائیں بریلوی مناظر کو حضرت مولانا کی آمد کا خیال نہیں تھا اس لئے انہوں نے جلسہ کا آغاز کرادیا، اور ایک نوجوان کو جو داڑھی منڈا تھا، نعت رسول ﷺ کے لئے کھڑا کردیا، مولانا فرماتے ہیں کہ اتنے میں ہم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان مناظرہ میں گئے اور ان پچاس آدمیوں کو اپنے ساتھ اٹھا کر اس مناظر کے سامنے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر بریلوی محدث گھبرا گئے، مجھے خیال ہوا کہ مناظرہ تو ہوگا نہیں البتہ نقض امن کا بہانہ بنا کر پولس کو یہ لوگ بلاکر جلسہ ختم کرادیں گے، اس لئے میں نے ان سے مخاطب ہوکر

یہ کہا کہ یہ داڑھی منڈا جو نعت رسول ﷺ پڑھ رہا ہے، یہ صریح بے ادبی ہے، اس کو منع کر دیں اور یہ بتلائیں کہ کن مسائل پر مناظرہ کرنا ہے؟ محدث صاحب نے گھبراہٹ میں کہا کہ ہم وعظ کے لئے آئے ہیں، اتنے میں پولس آ گئی، وہ پہلے میرے پاس آئی کہ نقض امن کا خطرہ ہے اس لئے جلسہ برخاست کیا جاتا ہے، میں نے کہا پہلے واعظ صاحب کو اٹھائیں، چنانچہ انہیں جا کر پولس والوں نے اٹھا دیا، جلسہ برخاست ہو گیا، اور ہماری کامیابی کا اعلان ہو گیا، یہ ہے مناظرہ کی حقیقت، اور یہ فرمایا کہ اس دور کے نئے و پرانے فتنے کا سد باب دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا اور ردّ قادیانیت:

قادیانیت کو حضرت مولانا اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا وسیلہ سمجھتے تھے، اس فتنہ کے ردکو وقت کا اہم فریضہ سمجھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی کفریات، اور افترپردازی، اور دروغ گوئی جو خود مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان سب کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اس کی نبوت اور دیگر جھوٹے دعاوی کا ایسا بھانڈا پھوڑا کہ مولاناؒ کی کتابوں کو پڑھنے والا قادیانیت اور اس کے بانی کو بھی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھے گا کہ یہ شخص شرافت وانسانیت کا حامل سمجھا جائے چہ جائے کہ نبوت ورسالت کا۔

مولانا کی تینوں کتابیں: (۱) قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ (۲) قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ (۳) کفر واسلام کے حدود اور قادیانیت، یہ کتابیں اپنے موضوع پر بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔

آخری دور میں ردّ شیعیت کا منفرد کارنامہ:

مولانا کے ضعف پیرانہ سالی، دیگر عوارض صحت اور مزید برآں بعض لحاظ سے معذوری کا دور شروع ہو چکا تھا کہ ایران کے آیت اللہ خمینی نے شاہ ایران کے خلاف اپنی تحریک میں کامیابی حاصل کی، اور خالص شیعہ عقائد پر مبنی حکومت قائم کر کے اسے اسلامی حکومت اور اسلامی انقلاب کے نام سے مشہور کرایا، ان کے پروپیگنڈے سے متأثر ہوکر مسلمانوں کا نوجوان طبقہ اس حکومت کو واقعی اسلامی حکومت سمجھنے لگا، نہ کہ ایک خالص شیعی حکومت، اس لئے ضرورت تھی کہ کوئی مرد خدا پروپیگنڈے کے اس طلسم کو توڑے، یہ کام اللہ نے حضرت مولانا سے لیا، حضرت مولانا نے خود خمینی کی کتابوں کو حاصل کیا، اور دیگر مستند شیعہ علماء کی کتابوں کے مطالعہ کا ایک طویل اور پُر مشقت مرحلہ اپنی تمام کمزوری اور معذوری کے باوجود طے کر کے ''ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی، جو اردو، انگریزی اور عربی زبان میں اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، اس کا اعتراف بڑے مشاہیر علماء عرب نے بھی کیا ہے۔

حضرت مولانا نعمانیؒ نے بہت سے ایسے اعمال چھوڑے ہیں، خصوصاً ان کی تالیفات جو ان کی ذات گرامی کو قیامت تک زندہ جاوید رکھیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی کا سانحۂ ارتحال

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

دلوں میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ کی یاد تازہ تھی کہ ۲۸/ ۸/ ۱۹۹۷ء کو اچانک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال نے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا، ان کی وفات ناگہانی حادثہ بن کر سامنے آئی جس کا پہلے سے کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، ۲۷/ ۸/ ۹۷ء کو حضرت والا کی خیر و عافیت فون سے معلوم کی، بتایا گیا کہ حضرت لکھنؤ اسپتال سے بخیریت باندہ تشریف لے گئے، ان کی خدمت میں حاضری کی تیاری کر رہا تھا کہ ۲۸/ اگست کو حادثہ کی خبر فون سے دی گئی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

ان کی ذات گرامی ہزار پریشاں حال قلوب کے لیے ملجا و ماویٰ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ مخلوق خدا جہاں تشریف لے جاتے ان پر پروانہ وار گرتی اور ان کی زیارت و ملاقات سے دلوں کو قوت اور آنکھوں کو روشنی نصیب ہوتی۔

وہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے فارغ تھے اور حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ خلیفۂ اجل حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کو اجازت وخلافت عنایت فرمائی تھی، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد بزرگوں کے مشورہ سے اپنے وطن ہتھورا باندہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مدرسہ کا آغاز کیا اور قرب وجوار کے لوگ جو جہالت وضلالت میں غرق تھے اس علاقہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع کیا، ظاہری وسائل بالکل مفقود تھے، مسجد سے باہر اپنے ہاتھوں بلکہ مٹی کا ایک کمرہ مدرسہ کے لیے تعمیر کیا، وہ آگے چل کر ایک بہت بڑا مدرسہ بلکہ دارالعلوم بن گیا، آج وہاں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے، طلبہ کی تربیت میں یہ ادارہ پورے ملک میں شہرت رکھتا ہے، قرب وجوار جہاں لوگ اسلام کے اہم ارکان تک سے ناواقف تھے، وہاں سینکڑوں حفاظ وفضلاء تیار ہوگئے، اور گاؤں گاؤں مکاتیب کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا، اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کردیا جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

نہ ملک ومال میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو چیز مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

وہ اپنے استغناء وتوکل، زہد وقناعت میں سلف صالحین کی چلتی پھرتی مثال تھے، بزرگان دین اور اولیاء عظام وصوفیاء کرام کے بارے میں جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا ہے اور جو کچھ سنا جاتا ہے، اس کا زندہ نمونہ بن کر انھوں نے دنیا کو دکھایا کہ سلف صالحین کے راستہ پر اس دور میں چلنا ممکن ہے، حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے بارے میں سبھی متعلقین اور اہل تعلق کو معلوم ہے کہ کسی باثروت وصاحب مال کا اس کے مال کی بنا پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، مال ودولت کی ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں

تھی، وہ بالکل اس شعر کے مصداق تھے جو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے ؎

تعلق سے غنی کے ہوگیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو میرا مغرور ہو جانا

اس دور اخیر میں حضرت والا کا فیض ہندوستان سے باہر لندن وافریقہ وغیرہ ممالک میں پہنچ رہا تھا، گذشتہ ماہ جنوبی افریقہ کا سفر ہوا، اس میں حضرت مولانا کی ترغیب و تاکید ہی اصل سبب تھی، وہاں سینکڑوں علماء وخواص کو پایا جو حضرت والا سے تعلق ومحبت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ آخری سفر جو حضرت مولانا نے افریقہ میں جو اپنے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے سانحۂ وفات پر تعزیت کے لیے کیا تھا، صرف ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، حضرت مولانا کے گہرے نقوش واثرات کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، خیال تھا کہ ملاقات پر سفر کی تفصیل سناؤں گا ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مولانا سے اس ناچیز کا تعلق اپنی طالب علمی کے زمانہ سے تھا، ان کے شیخ ومرشد حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اس ناچیز کے اساتذہ میں سے تھے مظاہر علوم کے قیام کے زمانے میں حضرت والا کی مجلس میں حضرت مولانا سے ملاقات ہو جاتی تھی، اس تعلق کی بنا پر ہی ندوۃ العلماء کی تدریسی خدمت جو ۱۹۵٦ء سے ۱۹٦۷ء تک تھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضرت مولانا میرے کمرے میں تشریف لائے، بعض قیمتی مسودات جو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کے تھے، اس کو اپنے ساتھ لے گئے، اور نقل فرما

کر اصل واپس بھجوا دیا، یہاں اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ کے یہاں مدت تک قیام اور بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے حواشی کی ترتیب وتصحیح و طباعت کا کام اصلاً حضرت شیخ نے اس ناچیز کے سپرد فرمایا تھا اس لیے بہت قیمتی حدیث پاک پر تحقیقات جواب تک بھی محفوظ ہیں ان کی نقل اس ناچیز کے پاس موجود ہے، حضرت مولانا باندوی سے ادھر چند سالوں میں اس ناچیز کے تعلقات بہت ہی گہرے ہوگئے تھے، متعدد بار حضرت مولانا میری عدم موجودگی میں اعظم گڑھ ہمارے گھر اور جامعہ اسلامیہ میں تشریف لائے، کئی مرتبہ ابوظبی کی دعوت بھی دی اور یہ کہ وہاں سے عمرہ کرنا آسان رہے گا، مگر مسکرا کر سکوت فرمایا۔

۱۹۸۸ء میں ''العین'' کے پتہ پر حضرت مولانا کا ایک مکتوب گرامی ملا جس میں تین باتیں تحریر فرمائی تھیں۔

(۱) آپ کی ضرورت ہندوستان میں ہے۔(۲) اس لیے معاشی مسئلہ کے لیے یہاں کچھ کرلیں، ملازمت کا اعتبار نہیں ہے۔(۳) اپنی نگرانی میں ایک بڑا مدرسہ قائم کریں۔

خط کا جواب دیا اور فون پر اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت جہاں پہلی بات کا تعلق ہے میں جو خدمت یہاں رہ کر کر رہا ہوں بالخصوص حدیث پاک وہ ہندوستان میں مشکل ہے، اس لیے دعا فرمائیں کہ یہاں قیام کی ہر سہولت پیدا ہوتی رہے، الحمدللہ ہندوستان میں ظاہری انتظام اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے، البتہ مدرسہ کے لیے غور کروں گا، اس کے چندروز کے بعد ایسی غیبی صورت پیدا ہوئی کہ مجھے بار بار حضرت مولانا کے خط کا مضمون یاد آتا رہتا ہے، وہ ''تعمیر حیات'' کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا نے اس ناچیز سے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے اتنی جلدی تعمیر وآبادی کی پورے ملک میں

مثال نظر نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور وفتن سے اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

ابھی چند ماہ پیشتر اچانک بنارس سے مئو جاتے ہوئے اس ناچیز کی غیر موجودگی میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور تشریف لائے اور وضو فرما کر دفتر میں بیٹھ کر دعا فرمائی اور یہ شعر مہتمم صاحب سے کہا کہ مولانا کو فون پر سنا دینا اور وہاں سے سفر کے لیے روانہ ہو گئے ۔

ومن عادَتي حبُ الدِّيارِ لأهلها ۔۔۔ وللناسِ فيما يعشقون مذاهبُ

ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی کئی مثالیں اس ناچیز کے سامنے بھی ہیں، اس مختصر مضمون میں اس کا ذکر نہیں کیا جا سکتا، حضرت مولانا کے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس ناچیز سے بیان فرمایا کہ میں بیمار تھا اور مولوی صدیق عیادت کے لیے آئے، ان سے میں نے کہا کہ دم کرو، وہ جس طرف بڑھ کر دم کرتے مجھ کو آرام ہو جاتا تھا، یہ خود ان کے شیخ کی شہادت ہے، حضرت مولانا کی زندگی کے واقعات تو بکثرت معلوم ہیں جو بعد میں شائع ہوں گے، اس وقت مقصود یہ بتانا ہے کہ ان کی ذات گرامی سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے، اس کا پُر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مدرسہ اور ان کے جملہ کاموں کی حفاظت فرمائے، ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، ان شاء اللہ ان کے کارنامے ہمیشہ باقی رہیں گے ۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

(ماخوذ از: الشارق اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ

کچھ یادیں اور کچھ باتیں

حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کے انتقال کے حادثۂ فاجعہ پر کئی ماہ سے لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا، مگر قلم اٹھائے نہیں اٹھتا تھا، اور نہ ہی کبھی وہم گزرا تھا کہ یہ حادثہ اتنی جلد پیش آ جائے گا، گرچہ حضرت والا کی عمر و بیماری کو دیکھتے ہوئے اور آپ کا اپنے بارے میں بار بار بے اطمینانی کے اظہار کے باوجود سب متعلقین و خدام کو ایک طرح کا اطمینان تھا، درحقیقت یہ تمام بزرگوں کے ساتھ پیش آیا ہے، حضرت مولانا کی ذات گرامی بہت سی خصوصیات و کمالات کی حامل ہے، اس لیے آپ پر بہت سے اہل قلم اور اہل تعلق کے مضامین آ چکے ہیں اور آئندہ بہت کچھ لکھا جائے گا، اس لیے اس ناچیز نے ایسا موضوع اختیار کیا ہے جس میں خود اپنی اصلاح اور دیگر طلبہ اور عامۃ الناس کے لیے پیغام ہے:

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

یہ ناچیز حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے نام نامی سے مدرسۃ الاصلاح میں اپنی ابتدائی تعلیمی دور میں واقف ہوا تھا، چونکہ یہ ناچیز مدرسۃ الاصلاح سے سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں پڑھنے گیا تھا اور وہاں قیام ابتداءً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے کچے گھر میں تھا، چند ماہ کے بعد دار الطلبہ منتقل ہوگیا تھا، مگر صبح، دوپہر، شام تینوں وقتوں میں حضرت شیخ کے یہاں حاضری دیتا، دوپہر کا کھانا تو حضرت ہی کے دستر خوان پر ہوتا تھا، سہارنپور حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ کی کثرت سے تشریف آوری ہوتی تھی، اس لیے پہلی ہی ملاقات پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس ناچیز کا حضرت مولانا سے تعارف کرادیا تھا۔

چونکہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے لیے آیا تھا، میری آمد عید الاضحیٰ کے بعد تاخیر سے ہوئی تھی، اس لیے ندوہ میں داخلہ نہ ہوسکا اور مجھے مجبوراً سہارنپور آنا ہوا، حضرت شیخ کی خدمت میں اپنی پہلی حاضری کو لکھ چکا ہوں۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

حضرت شیخ نے سلام و مصافحہ کے بعد فرمایا کہ ندوہ میں تمہارا داخلہ کس واسطے نہیں ہوسکا، جب کہ مدرسۃ الاصلاح اپنے نصاب و منہج میں ندوہ سے زیادہ قریب ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ داخلہ میں دشواری نہیں تھی، البتہ وہاں وظیفہ کی گنجائش نہیں تھی، یہ زمانہ ۱۹۵۱ء کا ہے جب کہ طلبہ کی مجموعی تعداد ۷۰، ۸۰ کے درمیان رہی ہوگی۔

حضرت شیخ نے میری بات سن کر فرمایا، ''پیارے مُنّے! میرے یہاں روٹی کا سوال نہیں، مگر ہمارا تمہارا جوڑ کیسے بیٹھے گا''؟ میرے سر پر ٹیڑھی ٹوپی، علی گڑھ پائجامہ اور قمیص زیب تن کئے ہوئے تھا، بہر حال مظاہر میں داخلہ ہوگیا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے ہر تشریف آوری پر ملاقات کا شرف حاصل ہوتا اور خدمت کی سعادت ملتی، بالآخر جب مظاہر سے ندوہ پڑھنے آیا تو

حضرت مولانا نے بہت ہی خیال فرمایا، ہمارا داخلہ فضیلت اول میں ہوا تھا، ہم پانچ ساتھی درجے میں تھے، چھوٹے برادرم محمد میاں مرحوم ہمارے ساتھ حدیث شریف کے اسباق میں حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب کے یہاں شریک ہوتے، فضیلت ادب میں بھی پانچ طلبہ تھے جن میں مولانا سعید اعظمی اور ڈاکٹر احتشام ندوی وغیرہ تھے۔

ہم لوگوں کے لیے حضرت مولانا نے تبلیغی مرکز میں خصوصی درس شروع فرمایا تھا، مگر دیگر مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ چل نہ سکا، البتہ مرکز میں ہر اتوار کو مغرب بعد درس قرآن ہوتا، جس کا حضرت مولانا بہت اہتمام فرماتے اور کافی لوگ شریک ہوتے، ہم لوگ بھی حاضر ہوتے اور مستفید ہوتے، یہ ناچیز حضرت کی مجلس میں اہتمام سے حاضری دیتا تھا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ بھی اپنے خطوط میں حاضری کی تاکید فرماتے، بلکہ اس ناچیز کے جوابی خط میں حضرت مولانا کے نام ضرور کوئی پیام ہوتا، یہ اس لیے بھی تاکہ قرب کا ذریعہ بن سکے۔

ایک دن حضرت مولانا نے ہمیں تبلیغی مرکز میں دوپہر کے کھانے پر مدعو فرمایا، جب رخصت ہونے لگے تو تیس روپے عنایت فرمائے، جو اس زمانے میں بڑی رقم شمار کی جاتی تھی، بہرحال دارالعلوم ندوہ سے فراغت کے درجہ تکمیل میں داخلہ کرایا تھا، اور ہمارے علمی نگرانی حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ کے سپرد کی گئی، جو ہمارے حدیث کے استاذ رہ چکے تھے، ان کی زیر نگرانی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابیں اور مجدد الف ثانیؒ کے مکاتیب وغیرہ کے مطالعہ کا موقع ملا، اس سلسلے میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ بھی رہنمائی فرماتے، وہاں سے

---

[1] حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ۔

اپنے مخصوص حالات کی بنا پر مجبور ہوا، شادی بھی ہو چکی تھی، اپنی ملازمت ہی کی تلاش میں بمبئی جانا ہوا، اور وہاں مولانا اسحاق بنارسی مرحوم کے فلیٹ میں قیام رہا، مولانا نے مدرسہ مظہرالعلوم بنارس میں میری ملازمت کے لیے کوشش کی، اس کی تفصیل حضرت مولانا علی میاں صاحب کو لکھی، اس پر حضرت کا جواب حسب ذیل آیا۔

۴محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعادت نامہ ملا، اس سے پہلے مولوی اسحاق صاحب کے خط سے آپ کی موجودگی بمبئی کی اطلاع مل گئی تھی، انہوں نے مجھ سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا تھا، میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ مولوی تقی الدین کے انتخاب وتقرر سے مسرت ہوگی، مجھے امید ہے کہ وہ مستعدی اور خلوص کے ساتھ کام کریں گے، مولانا عبدالقیوم بنارسی کا خط بھی آیا تھا، جس میں انہوں نے اپنے یہاں مدرس کی فرمائش کی تھی، ان کو میں نے آپ کا نام لکھ دیا ہے، مجھے بظاہر یہ جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے، اپنے تعلق و تعارف کے لوگ ہیں اور علمی اشتغال اور خدمت کا اچھا موقعہ ہے۔

آپ کے واقعی متعدد خطوط آئے، مگر مناسب جگہ کے حصول میں کامیابی نہ ہونے کی وجہ سے آپ سے شرمندگی رہی، آپ نے اس عرصہ میں جو تکلیف اٹھائی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے اور اس کی برکت عطا فرمائے۔

تدریس میں پوری محنت وعالی ہمت سے کام کیجئے گا، مدرس کا جو ابتدائی نقش اور اثر طلبہ اور منتظمین پر قائم ہو جاتا ہے وہی آخر تک قائم رہتا ہے، یہ سب مطالعہ و

محنت پر منحصر ہے، پیدائشی مدرس کوئی نہیں ہوتا، اس لیے محنت کیجئے اور وقار قائم کیجئے۔

والسلام

مخلص۔ ابوالحسن علی

۱۹۵۵ء میں اپنے حالات کی بنا پر صوبہ برار قصبہ مانا میں ملازمت اختیار کر لی تھی، اور وہاں ایک ہائی اسکول کے پاس ایک عربی درسگاہ قائم کی تھی، جس میں اسکولوں کے کچھ طلباء کو ابتدائی عربی کی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا، ایک سال کے بعد اس علاقہ کا حضرت مولانا علی میاں صاحب اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا عمران خان نوراللہ مرقدہم کا تبلیغی دورہ شروع ہوا، یہ ناچیز بھی تقریباً ایک ہفتہ ان حضرات کے ہمراہ رہا، اس تبلیغی دورے سے اس علاقے میں بہت فائدہ ہوا، اس سفر میں حضرت مولانا نے ہمارے طلباء کا امتحان لیا اور خوش ہو کر فرمایا کہ آپ کی جگہ تو ندوۃ العلماء میں ہے، ان شاءاللہ شوال میں آپ ندوہ چلے آئیں گے، ندوہ جانے کی خوشی میں اس ناچیز نے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا، مدرسہ والوں نے بدل کا مطالبہ کیا، اس کے لیے ایک صاحب کو تلاش بھی کر لیا، مگر حضرت مولانا کا کوئی خط نہیں ملا جس سے فکر تھی، اس لیے مجبوراً سہارنپور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو پوری تفصیل لکھ دی، حضرت شیخ نے مولانا علی میاں صاحب کو مسوری جہاں حضرت رائے پوری کی خدمت میں ماہِ مبارک گذار رہے تھے خط لکھا، اس پر حضرت مولانا کا ایک خط اس ناچیز کے نام آیا کہ آپ ایک خط مولانا عمران خان صاحب کو بھی لکھیں، چنانچہ مولانا عمران صاحب کو پوری بات لکھی، اس کا جواب آیا کہ میں لکھنؤ جارہا ہوں، شوال سے آپ کی ملازمت کا معاملہ طے ہو جائے گا، چنانچہ آخر رمضان المبارک میں باضابطہ

ملازمت کی منظوری کی اطلاع مجھے دی گئی، شوال سے دارالعلوم میں مدرس ہوکر آیا، ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک دس سال دارالعلوم میں مدرسی کا زمانہ ہے، ابتدائی کتابوں سے لے کر اوپر کی کتابیں بالخصوص ترمذی شریف متعدد بار اور ابوداؤد شریف اور دیگر کتابوں کو پڑھایا۔

دارالعلوم کے لیے مدرسین اور ملازمین کے اسفار:

جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں رواق شبلی جو چودہ کمروں پر مشتمل تھا اسی میں چھوٹی اور بڑی بورڈنگ دونوں تھی، طلباء کی تعداد ۷۰، ۸۰ کے درمیان تھی، ۱۹۵۶ء میں مولانا عمران خان صاحب کے بھوپال چلے جانے کے بعد دارالعلوم ندوہ شدید مالی بحران میں مبتلا ہوگیا، اس لیے مولانا معین اللہ صاحب ندوی کی تحریک پر حضرت مولانا نے تمام مدرسین کو جمع کر کے دارالعلوم کی امداد کے لیے چھٹیوں میں باہر سفر کرنے کی ترغیب دی، اس ناچیز کے لیے مالیگاؤں و بمبئی وغیرہ کا سفر تجویز ہوا، کتابیں ختم کرانے کے بعد سفر کا پروگرام رہتا تھا، ۱۹۵۸ء میں حضرت مولانا علی میاں ندوی پر بمبئی کے سفر کا شدید تقاضا رہا، چنانچہ یہ سفر ہوا، اس ناچیز نے محترم حاجی علاء الدین کی مدد سے بمبئی کے کچھ تجار کو صابو صدیق مسافر خانہ میں جمع کیا، اس میں بارہ آدمیوں نے شرکت کی اور سب لوگوں نے ایک ایک کمرہ کا وعدہ کیا، حضرت مولانا سے بات کرائی گئی، ۱۹۵۹ء میں اس ناچیز کو جب دارالعلوم ندوہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے پاس بخاری شریف دوبارہ پڑھنے اور فن حدیث پر تیاری کے لیے بھیجا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن عصر کی نماز سے پہلے حضرت مولانا علی میاں صاحب نے اس ناچیز کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ایک

سال کے لیے حضرت شیخ کے پاس علم حدیث پر تیاری کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، جب میں عصر کی نماز پڑھ کر اپنے کمرے میں واپس آیا تو حضرت شیخ کا گرامی نامہ ملا، جس میں میرے ایک خواب کی تعبیر بیان فرمائی تھی، خواب یہ تھا کہ اس ناچیز کو چند صحابہؓ کے قبور کی زیارت ہوئی، اس میں حضرت ابی بن کعبؓ کا نام یاد رہ گیا اور حدیث پاک کا درس دے رہا ہوں جس میں حِبّ رسول اللہ ﷺ کا ترجمہ چہیتے سے کرایا کہ حضرت زید بن حارثہؓ حضور ﷺ کے چہیتے تھے، حضرت شیخ نے اس خواب کی یہ تعبیر دی تھی کہ ان شاء اللہ تم کو حدیث پاک سے مناسبت ہوگی اور اس میں اشتغال کی خصوصی توفیق کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت مولانا کا میرے لیے نظام:

یہ حضرت شیخ کی توجہ کا اثر سمجھتا ہوں، چنانچہ حسب پروگرام سہارنپور حضرت شیخ کی خدمت میں ایک سال قیام کے لیے حاضر ہوا، پہنچنے کی حضرت مولانا کو اطلاع دی، اس پر حسب ذیل جواب آیا:

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ وبارک لہ............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سعادت نامہ ملا، آپ کی سعادت وصلاحیت وشرافت سے دل مسرور و مطمئن ہے، اللہ تعالیٰ دینی وعلمی برکات وترقیات سے مالا مال فرمائے اور سہارنپور کے قیام سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور دائمی دولت لے کر آئیں، معلوم نہیں آپ نظام الدین (مرکز تبلیغی) عیدالاضحیٰ میں جانے والے ہیں یا ملتوی کر دیا یا نظام بدستور ہے، مولوی معین اللہ صاحب دہلی پہونچ گئے ہوں گے ملاقات ہوئی ہوگی، حضرت شیخ کی خدمت میں ایک مفصل عریضہ بھیجا تھا، کوئی رسید و جواب نہیں آیا، دریافت کیجئے گا

کیا سبب ہے؟ دارالعلوم میں سب خیریت ہے حضرت کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام مخلص۔ابوالحسن علی

سہارنپور کے یک سالہ قیام کے زمانہ میں ششماہی امتحان کی چھٹی کے موقع پر مولانا معین اللہ صاحب ندوی نے بمبئی کے سفر کی تجویز رکھی تھی، دارالاقامہ سلیمانیہ کے کمروں کا جو وعدہ بمبئی والوں نے کیا تھا اس کی تکمیل کرانی تھی، چنانچہ سفر کیا، واپسی میں تین دن کی تاخیر ہوگئی، حضرت شیخ نے بخاری کے سبق کو بند کر رکھا تھا، اس ناچیز کا انتظار تھا، اتنے میں حضرت مولانا سہارنپور آ گئے، مولانا نے عرض کیا کہ حضرت ان کی جگہ پر میں شریک درس ہوں گا، چنانچہ درس شروع فرمایا، بقیہ چھوٹی ہوئی حدیثیں اس ناچیز کو شیخ نے الگ سے پڑھایا، سہارنپور سے واپسی پر ندوہ میں مشکوٰۃ شریف اور ریاض الصالحین وغیرہ کتابیں میرے لیے تجویز کی گئیں، حضرت مولانا عام طور پر مدرسین کے اسباق میں تشریف لاتے تھے، کبھی سبق سنتے اور کبھی طلبہ کا امتحان لیتے، ایک مرتبہ ریاض الصالحین کے سبق میں تشریف لائے، میں نے ایک ذہین طالب علم سے عبارت پڑھنے کے لیے اشارہ کیا، مگر اس نے بہت غلط عبارت پڑھی، اس ناچیز نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ شاید آج جلدی میں بغیر وضو درجہ میں آ گئے ہو، غالباً فجر کی نماز بھی نہیں پڑھی ہے، اس نے اس کا اعتراف کیا، میں نے اس سے کہا کہ جا کر فجر کی نماز قضا پڑھ کر آؤ، اس تنبیہ پر حضرت بہت خوش ہوئے اور اس کا ذکر تقریر عام میں بھی کیا۔

مشکوٰۃ شریف کو میں بہت ہی اہتمام سے پڑھاتا تھا اور کتاب ختم کراتا، اکثر حضرت مولانا ہی کتاب کو ختم کراتے اور دعا فرماتے تھے۔

جب مشکوٰۃ شریف پہلی مرتبہ پڑھائی تو حضرت مولانا درس میں تشریف لائے اور تقریر سنی، یہ ناچیز حدیث قلتین کو پڑھا رہا تھا، قلۃ کے معنی بیان کئے اور ماء قلیل وکثیر میں علماء کے اقوال نقل کئے، اور علمائے احناف نے حدیث کی جو توجیہ بیان کی ہے، بالخصوص حضرت گنگوہیؒ اور علامہ کشمیریؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کو نقل کیا۔

عصر بعد جب مجلس میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ بہت مناسب تقریر کی، مگر ہمیشہ متقدمین کے اقوال نقل کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہاں نہ مل سکے تو متأخرین کی طرف آئیں، اہم مباحث کا املاء کرادیں تاکہ طلبہ کے پاس محفوظ ہو جائے، حضرت شیخ کو بھی ایک خط تحریر فرمایا جس میں ہر طرح اطمینان کا اظہار فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا فجر کی نماز کے بعد اچانک میرے کمرے میں تشریف لائے، میں ترجمہ قرآن شریف پڑھانے کا مطالعہ کر رہا تھا، میرے سامنے قرآن مجید کی آیت ''وَلا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ الْبِلَادِ'' (آل عمران ۱۹۶) فرمایا کہ اس کا ترجمہ پڑھئے، میں نے پڑھ دیا'' اور تجھ کو دھوکہ نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں'' فرمایا مجھ سے اس کا ترجمہ سنئے'' اور تجھ کو دھوکہ نہ دے شہروں میں کفار کا دَوردَورہ'' اردو میں یہی تعبیر مناسب ہے۔

جس زمانہ میں ''الارکان الأربعۃ'' کی تصنیف فرمارہے تھے، اکثر احادیث کی تخریج اس ناچیز سے کراتے، ایک مرتبہ حدیث ''تبسمک فی وجہ أخیک صدقۃ'' کی تلاش تھی، مجلس میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ اس حدیث کو تلاش کرایا مگر ابھی تک نہیں ملی، عام طور پر ذہن کتاب الصدقۃ وغیرہ کی طرف جاتا تھا، اس زمانہ میں ''معجم المفھرس'' وغیرہ کتابیں طبع نہیں ہوئی تھیں، مجھے بھی تلاش میں دقت

ہوئی، ذہن سیرۃ النبی کی چھٹی جلد کی طرف گیا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے ضرور اخلاق میں اس کو ذکر کیا ہوگا، چنانچہ مل گئی ، سید صاحب نے ترمذی باب صنائع المعروف کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ صفحہ وجلد لکھ کر حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کیا، اس پر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

اسی طرح مولانا کو ''أرحنا بها یا بلال'' کی ضرورت تھی، یہ ناچیز سفر پر گیا ہوا تھا، واپسی پر مجلس میں حاضر ہوا، فرمایا کہ ہمیں اس حدیث کی تلاش ہے، ابھی تک مل نہیں سکی، مولانا معین اللہ ندوی مرحوم مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت شیخؒ کی فضائل نماز میں میں نے تلاش کیا اس میں بھی نہیں ہے، مجھے یہ سن کر تردد ہوا، مگر عرض کیا کہ حضرت میں نے اس کو کسی کتاب میں پڑھا یا ہے، کتب خانہ میں آ کر میں نے ''مجمع بحار الانوار'' علامہ طاہر پٹنی کی اٹھائی اور اس میں ''أراح یریح إراحة کما ورد فی الحدیث: أرحنا بها یا بلال'' مل گئی، اس سے مزید قوت ملی کہ حدیث ہے، اس کے بعد ''احیاء علوم الدین'' دیکھا، اس میں کتاب الصلاۃ میں امام غزالیؒ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، اور عراقی نے حاشیہ پر تخریج کی ہے، أخرجہ ابوداؤد، اس کے بعد سنن ابی داؤد جلد ۴ میں تلاش کیا تو کتاب الآداب کے ''باب فی صلاۃ العتمة'' میں ملی، جب حضرت کو بتایا تو بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ رمضان المبارک میں مدرسین کی ایک تعداد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد کے لیے سفر کرتی تھی، اس ناچیز نے بمبئی وغیرہ کا تقریباً دس مرتبہ سفر کیا تھا، اسی طرح کے ایک سفر سے دعا کے لیے حضرت مولانا کو ایک خط لکھا، جس کا

جواب حسب ذیل ہے:

عزیز مکرم زید لطفہ ....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سعادت نامہ ملا، پڑھ کر دل پر اثر ہوا، کئی عزیزوں اور دوستوں کے خط دعا کے لیے آئے، لیکن جیسی تحریک دعا کرنے کے لیے آپ کے خط سے پیدا ہوئی ویسی شاید کسی خط سے نہیں پیدا ہوئی، پڑھ کر یہ خیال آیا کہ آپ کی سعادت مندی اور مستعدی نے ہم لوگوں کو فارغ کر دیا ہے، اور آپ ہمارے لیے در بدر پھرتے ہیں، اور رمضان کے عزیز ومبارک اوقات کو صرف کرتے ہیں، پھر آپ کے لیے دل سے دعا کیوں نہ نکلے، کیا عجب ہے کہ ایک دینی مقصد کے لیے اور ایک دینی ادارہ کے لیے آپ کا اس طرح مارا مارا پھرنا بہت سے لوگوں کے ذکر واذکار سے افضل ہو، اور یہ کیا کم ہے کہ آپ اخیر عشرہ میں اللہ کے مقبول بندہ[۱] کے پاس پہونچ رہے ہیں جس کی آپ پر شفقت کی نظر بھی ہے، امید ہے کہ دعاؤں میں ہم کو بھی یاد رکھیں گے، حضرت شیخ کی خدمت میں مؤدبانہ سلام اور درخواستِ دعا۔

والسلام

ابوالحسن علی ۲۲؍رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ

۱۹۶۲ء میں جب حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اپنے مخصوص حالات کی بنا پر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے جہاں وہ ترمذی شریف پڑھاتے تھے معذرت کر دی، یہ سبق ان دونوں حضرات کے مشورے سے اس ناچیز کے حوالہ کیا گیا، بعد میں ابوداؤد شریف بھی میرے ذمہ آ گئی تھی، حضرت مولانا سے وقتاً فوقتاً مشورہ کیا کرتا تھا، اس زمانے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنیؒ

کے حکم سے حضرت مولانا بھی ندوہ میں کتاب الوحی سے کتاب العلم تک درس دیا کرتے تھے، حضرت مولانا اس درس کے لیے کافی تیاری کرتے، حضرت شیخ نے ایک مرتبہ مجلس میں فرمایا کہ بخاری شریف علی میاں کے مناسب ہے، اس لیے کہ بخاری کی دقت نظر معروف ہے، افسوس کہ آنکھوں کی بیماری کے سبب حضرت مولانا کو درس کا سلسلہ دوسرے کے حوالہ کرنا پڑا۔

۱۹۶۷ء میں یہ ناچیز مدرسہ فلاح دارین ترکیسر منتقل ہوکر چلا گیا تھا، وہاں بخاری شریف اور ترمذی شریف دونوں کتابیں پڑھاتا تھا، گجرات کے قیام میں حضرت شیخ کی طرف سے الطاف وشفقتوں کی اس ناچیز پر خوب بارش ہوتی تھی، سہارنپور سے پلاؤ و میٹھے چاول گجرات میں ہمیں بھجوایا جاتا تھا، حضرت مولانا علی میاں ندوی بھی خاص اہتمام فرماتے تھے، ایک خط کا جواب حسب ذیل آیا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسرت نامہ مؤرخہ ۷؍ذی الحجہ کو ملا، امید ہے کہ اس خط کے پہونچنے تک آپ اپنے مستقر پر پہونچ گئے ہوں گے، آپ نے مدرسہ کے خوش کن حالات لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید ترقی وتوسیع عطا فرمائے، آپ کی عزت و نیک نامی درحقیقت دارالعلوم اور ہم لوگوں کی عزت و نیک نامی ہے، اس لیے آپ کی علمی و دینی ترقی اور نیک نامی سے ہم سب کو مسرت ہے۔

آپ کو حضرت شیخ سے معلوم ہوا ہوگا، غالباً آخری محرم ہی میں حجاز کا سفر پیش آئے گا، کیا عجب ہے کہ شیخ کی معیت بھی نصیب ہوجائے، سفران شاء اللہ بمبئی کے راستہ ہوگا، اس موقع پر آپ سے ملاقات ہوجائے گی، اپنی خیر وعافیت سے ضرور مطلع

کرتے رہیں، واللہ معکم۔ والسلام دعا گو: ابوالحسن علی

۱۴؍ذی الحجہ ۸۸ھ

اس خط کے بعد مولانا کا گجرات کا ایک سفر ہوا، ہر جگہ کافی مجمع تھا، سفر سے واپسی پر اس ناچیز نے ایک خط ارسال کر کے خیر وعافیت معلوم کی، اس کا جواب حسب ذیل آیا:

عزیز گرامی!.................. بارک اللہ فیہ ونفع بہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسرت نامہ مورخہ ۲۴؍محرم کا مجھے تاخیر سے ملا، بمبئی سے رخصت ہو کر بھوپال پہونچا، طبیعت بہت مضمحل رہی، تین دن رہا، لیکن بہت افسردہ، ۱۶؍اپریل کو وہاں سے لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا، اور لکھنؤ پہونچا تو گھر پہونچنے سے پہلے معلوم ہو گیا تھا کہ میرے بڑے حقیقی ماموں زاد بھائی اور میری اہلیہ کے بڑے بھائی سید سراج النبی صاحب (والد مصباح النبی) کئی روز سے سخت علیل اور بیہوش ہیں، پریشانی کی حالت میں رائے بریلی پہونچا اور ان کو بیہوش پایا، پہچان بھی نہ سکے، بالآخر جمعہ ۱۰؍اپریل کی صبح کو ان کا انتقال ہو گیا اور بعد نماز جمعہ تدفین عمل میں آئی، ان کے بیٹے کو تار کیا گیا، وہ انتقال کے بعد پہونچے، آپ سے اور وہاں کے احباب وصلحاء سے دعا وایصال ثواب کی درخواست ہے، آج کل میں لامع کا مقدمہ سن رہا ہوں، حضرت نے بڑی معلومات اور مواد جمع کر دیا ہے، آپ کے حواشی وحوالے بھی موجود ہیں۔

''ہندوستانی علماء کی خدمت حدیث'' اچھا موضوع ہے، میری معلومات ''الثقافة الإسلامية في الهند'' اور ''نزهة الخواطر'' تک محدود ہے، وہ دونوں

آپ کے سامنے ہیں، اس کے علاوہ اور کبھی آپ دریافت کریں گے تو حاضر ہوں۔

''ارکان اربعہ'' کا شوق سے گجراتی میں ترجمہ کرائیے، لیکن میری ایک دیرینہ خواہش ہے، اس کی تکمیل شاید آپ کے ہاتھوں مقدر ہے، والد صاحب کی کتاب ''یادایام'' تاریخ گجرات پر بہترین کتاب ہے، ابھی کل ہی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کا ایک خط جو اس کتاب کو پڑھ کر والد صاحب کو لکھا تھا، پڑھا، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ان شاء اللہ اس کتاب کا گجراتی میں ترجمہ ہوگا، افسوس ہے کہ یہ پیشینگوئی ابھی تک پوری نہیں ہوئی، میں نے پہلے مولانا حبیب الرحمٰن غزنوی کو متوجہ کیا تھا، انہوں نے ترجمہ شاید بالاقساط شائع بھی کیا، افسوس ہے کہ علمائے گجرات نے اس کتاب کی قدر و قیمت نہ پہچانی، بہت سے کاموں میں لاکھوں روپئے صرف ہوتے ہیں اس رسالہ کا شائع ہو جانا کیا مشکل بات ہے، کیا عجب ہے کہ اب اس کام کا وقت آ گیا ہو، روایت کے الفاظ اور تخریج پہونچی شکریہ۔

احباب کو سلام مسنون۔

بقلم: نورعظیم، دعا گو: ابوالحسن علی

گجرات میں اس ناچیز کا قیام ساڑھے چار سال رہا، اسی زمانے میں ندوہ میں ایک اسٹرائک ہوئی، حضرت شیخ کو بہت فکر تھی اور سراپا دعا گو رہے، مجھے ایک خط میں حکم دیا کہ ایک مضمون ندوہ کی تائید میں شائع کراؤں، چنانچہ مضمون لکھا اور وہ ندائے ملت میں شائع ہوا، اس کو پسند کیا گیا، حضرت مولانا نے مجھے خط میں تحریر فرمایا:

عزیز گرامی زید لطفہ .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مؤرخہ ۸/ جولائی کو ملا، دارالعلوم کے ہنگامہ سے متعلق آپ نے

جن تأثرات کا اظہار کیا ہے وہ آپ کے عزیزانہ تعلق کی بنا پر قدرتی ہیں، میرے لیے واقعی یہ حادثۂ جانکاہ تھا لیکن ''ہرچہ برسرابن آدم می آید می گزرد'' خدا اس کو کسی خیر کا ذریعہ بنائے تو سب محنت وصول ہو جائے، ۲؍جولائی کو سہارنپور گیا تھا اس پورے عرصہ میں حضرت ہمہ تن متوجہ رہے اور ایسی شفقت فرمائی جس سے زیادہ کا تصور بھی مشکل ہے، آپ کے مضمون کی تعریف خط میں لکھی تھی اور زبانی بھی فرمائی، ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان پر آپ کے کام شروع کرنے سے بڑی خوشی ہوئی، اگر تین دوروں پر تقسیم کر دیں تو اور بھی آسانی ہو، پہلا دور شیخ عبدالحق پر، دوسرا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ پر، تیسرا دور آخر تک۔ دوسرا عنوان نہایت ہی مفید اور وقت کی ضرورت ہے، اس کو ضرور مکمل کیجئے، مولانا انعام الحسن صاحب کے دورۂ گجرات کا علم ہے ''یادِ ایام'' کی تلخیص مناسب نہیں، ترجمہ مکمل ہونا چاہئے، آپ کا خیال صحیح ہے، آپ کے رسالہ کا کوئی نسخہ ابھی ملا نہیں، شاید قمر بھول گئے۔ والسلام

دعا گو: ابوالحسن علی۔ ۵؍جولائی ۱۹۷۰ء

اس ناچیز نے اپنی کتاب ''فن اسماء الرجال'' جب مکمل کر لی تو مقدمہ لکھنے کی درخواست کی، اس کا جواب حسب ذیل آیا:

اسماء الرجال پر آپ کی کتاب کی تکمیل پر مسرت ہوئی، یہ سلسلہ بہت مفید ہے البتہ میں اس موضوع پر بالکل طفیلی کی حیثیت رکھتا ہوں اور پہلے آپ کی کتاب (محدثین عظام) پر مقدمہ لکھ چکا ہوں، اس مرتبہ بہتر ہے کہ آپ مولانا منظور نعمانی صاحب یا مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی سے مقدمہ لکھوائیں اس لیے کہ میں تو بالکل گھر کا آدمی ہوں۔

مگر میرے اصرار پر حضرت نے بہت قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا جو اردو وعربی ایڈیشن ''علم رجال الحدیث'' کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ تحریر کررہا ہوں، ۱۹۷۳ء میں حضرت شیخ قدس سرہ کے حکم سے قاہرہ بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کے چھپوانے کے لیے سفر ہوا، اوجز کا کام پہلے سے شروع تھا، وہ بھی ہماری نگرانی میں آ گیا، گرچہ تکمیل بعد میں ہوئی، حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ ان دونوں کتابوں پر مصر کے کسی بڑے عالم کا مقدمہ ہو، حضرت مولانا علی میاں نے بھی اس کی پُر زور تائید فرمائی، اس کام کے لیے مصر کے دو مشہور عالم ایک شیخ ابوزہرہ جو اپنے دور میں عظیم علمی شخصیت کے مالک تھے، دوسرے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود جو اپنے منصب اور دینی وعلمی حیثیت سے بڑا مقام رکھتے تھے، ان دونوں حضرات کو مقدمہ لکھنے کے لیے انتخاب کیا گیا، سب سے پہلے یہ ناچیز اور ہمارے دونوں ساتھی مولانا عبدالحفیظ مکی اور مولانا عبدالرحیم متالا، ہم سب شیخ الازہر کے یہاں حاضر ہوئے کہ ان سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جائے، مولانا علی میاں صاحب سے ان کی اس وقت ملاقات تک نہیں ہوئی تھی، بلکہ ۱۹۷۵ء میں ندوہ کے مہرجان میں ملاقات ہوئی، ہم نے شیخ الازہر کے سکریٹری سے وقت لیا، وہاں آفس (قاعۃ الانتظار) میں کئی ملکوں کے نمائندے بیٹھے ہوئے تھے، ہندی لباس دیکھ کر سکریٹری نے ہمارا کچھ اہتمام نہ کیا، ہم بھی بیٹھ گئے، بہرحال کسی نے ہم سے دریافت کیا کہ ''من أین أنتم یا شیخ'' آپ لوگ کہاں کے ہیں، اس ناچیز نے موقع مناسب دیکھ کر جواب دیا ''من الھند ومن تلامیذ سماحۃ الشیخ الندوی'' ہم ہندوستان سے آئے ہیں اور شیخ ندوی کے شاگردوں میں سے ہیں، یہ کہنا تھا کہ کئی عرب ہماری طرف متوجہ

ہو گئے اور حضرت مولانا کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، سکریٹری نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کو بہت اہتمام ہوا، اندر جا کر سب سے پہلے ہمارے نام شیخ الازہر کو بتلائے، ہم بلائے گئے، انہوں نے بہت ترحیب کی اور حضرت کی کتابوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی نئی تصنیف چھپی ہے؟ ہم نے ''رجال الفکر والدعوۃ'' کا ذکر کیا، بہر حال دونوں کتابوں پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی، شیخ نے دونوں کتابوں پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ یہ کتابیں مقدمے کی محتاج نہیں ہیں اور ان دونوں پر شیخ ابوالحسن ندوی کے مقدمے ہیں، ان کی تحریر کے بعد کسی کے لیے کچھ لکھنا مناسب نہیں اور معذرت فرما دی۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے دوسرے دن شیخ ابوزہرہ سے وقت لیا، انہوں نے رات کے کھانے پر مدعو کیا، ہم ان کے مکان پر جو مصر جدیدہ میں واقع ہے، وہاں پہونچے، ملاقات وخیر وعافیت معلوم کرنے کے بعد دونوں کتابوں پر مقدمہ کی فرمائش کی، ان کا بھی تقریباً وہی جواب تھا جو شیخ الازہر کا تھا، وہاں سے ہم لوگ واپس آئے اور اس کی حضرت کو مدینہ منورہ تفصیل لکھ بھیجی، اس پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

ہمارا مصر کا سفر حضرت شیخ نے حضرت مولانا کے مشورے پر رکھا تھا، اس کے لیے حضرت مولانا نے پُر زور تائید فرمائی، اس کے بعد ایک سال کے لیے بذل کے حواشی کی ترتیب کے لیے قیام اپنے پاس طے فرمایا اور دوسرے سال بذل واوجز کے لیے قاہرہ بھیجا، ہمارے قاہرہ کے سفر سے پہلے حضرت مولانا نے چند قیمتی نصائح فرمائی تھیں، (۱) وہاں داعی بن کر رہئے گا ورنہ وہاں کی فضا سے متأثر ہو جائیں گے، (۲) دوسروں پر مؤثر بننے کی کوشش کریں گے تاکہ دوسروں کے اثرات نہ قبول کر سکیں، (۳) وہاں کے عربی اخبار پر ایک نظر ڈال لیا کریں گے اور کبھی وہاں کے محاضرات میں بھی شرکت

کرنے کا وقت نکال لیا کریں گے کہ اس میں بہت فائدہ ہے۔

حضرت مولانا کے نصائح سے بہت فائدہ ہوا، مصر سے واپسی کے بعد حضرت مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ ندوہ میں قیام کروں مگر مخصوص حالات کی بنا پر مجھے ابوظبی آنا پڑا، چونکہ یہاں چیف جسٹس شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک سے بذل واوجز کی بنا پر تعلق ہو گیا تھا، انہوں نے دونوں کتابوں کی طباعت میں حصہ لیا تھا، حضرت شیخ کے بھی بیحد معتقد تھے، اس بنا پر ۱۹۷۵ء میں میرا ابوظبی آنا ہوا، انہیں کی دعوت پر حضرت مولانا پہلی مرتبہ ابوظبی تشریف لائے تھے، اس کے بعد متعدد بار آنا ہوا، یہ ناچیز ہمراہ رہتا تھا، شیخ احمد المبارک نے ندوہ کے مہرجان تعلیمی میں شرکت کی تھی اور وہاں کے کتب خانہ کی سنگ بنیاد بھی رکھی، بڑی عجیب دعا کرائی، جس کو دیکھنے سننے والے ہمیشہ یاد رکھیں گے اور کتب خانہ کی تعمیر کے لیے تین لاکھ درہم کا اعلان کیا، اس ناچیز نے رقم بھجوائی۔

ملک خالد سے ایک ملاقات: ۱۹۷۶ء میں ہمارا ایک سفر مکہ مکرمہ رابطۂ عالم اسلامی کی مؤتمر رسالۃ المسجد کے سلسلے میں ہوا اور وہاں سے طائف ملک خالد بن عبدالعزیز آل سعود سے ملاقات کے لیے ہوا، پہلے سے شیخ احمد نے وقت لے رکھا تھا، بادشاہ کی مجلس میں ہم داخل ہوئے، سلام ومصافحہ کے بعد یہ ناچیز قدرے فاصلہ سے بیٹھا ہوا تھا، بادشاہ نے شیخ احمد سے دریافت کیا کہ یہ کہاں کے ہیں؟ شیخ نے کہا کہ یہ ہندوستانی عالم ہیں ہمارے ساتھ کام کرتے ہیں، اس ناچیز نے ایک جملہ اور بڑھا دیا کہ ''من جماعۃ الشیخ الندوی'' ملک متوجہ ہوئے قریب آنے کا اشارہ کیا اور حضرت مولانا کی خیریت دریافت کی، انہوں نے حضرت مولانا کے ساتھ کئی اسفار کئے ہیں

اور کئی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے، خاص طور سے قطر کی مؤتمر السیرۃ والسنۃ میں یہ ناچیز بھی شریک رہا اور حضرت مولانا کے قافلے میں شریک تھا، دبئی کے سفر پر مستقل مقالہ آرہا ہے، حضرت نے متعدد بار فرمایا کہ ندوہ میں چند دن قیام کر کے بخاری شریف پڑھادیں، افسوس کہ اس کا موقع ان کی زندگی میں نہ آسکا، ۱۹۸۹ء میں جب ہم نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور قائم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت سے مشورہ کیا، تقریباً دس مرتبہ حضرت ہمارے یہاں تشریف لائے اور اس جامعہ میں قیام کر کے خوشی کا اظہار فرمایا، کبھی فرمایا گویا ہم ندوہ میں آ گئے ہیں، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت ہمارے گھر پر بھی تشریف لائے، ہمارے اعزہ خصوصاً والدہ صاحبہ کو بہت خوشی ہوئی۔

امسال ۲۹؍شعبان المعظم کو والدہ صاحبہ کے انتقال پر حضرت نے اپنی خانقاہ جو ندوۃ العلماء میں شروع رمضان میں قائم تھی، خصوصیت سے دعا وایصال ثواب کی تاکید فرمائی، گھر سے واپسی پر چار دن ہمارا بھی وہاں قیام رہا، جو سکون وطمانینت کی کیفیت محسوس ہوتی تھی وہ بیان نہیں کی جاسکتی، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجالس کی یاد تازہ ہوتی تھی، لکھنؤ سے ۱۹؍دسمبر کو واپسی ہوئی اور یہاں سے فون سے بات کی اور عرض کیا کہ حضرت عمرہ کی خواہش ہے مگر او جز کا کام بہت مؤخر ہو گیا، فرمایا عمرہ ضرور کریں، اخیر عشرہ ہے، ہمارے لیے بھی دعا فرماتے رہیں گے، چنانچہ حضرت کے فرمانے پر عمرہ کا سفر ہوا، ۳۱؍دسمبر جمعہ کے دن سانحہ وصال کی ناگہانی اطلاع ملی، مسجد نبویؐ میں نماز غائبانہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ
کا عالمی ایوارڈ کی مناسبت سے دبئ کا سفر

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ وفات پر اہل علم و علماء وفضلاء کرام کے کثرت سے مقالات شائع ہو رہے ہیں اوران کے عظیم الشان کارناموں کو بیان کیا جا رہا ہے، نیز آئندہ بہت کچھ لکھا جائے گا۔

اس ناچیز کا حضرت والا سے تعلق نصف صدی پہلے سے قائم ہوا تھااور زندگی کے اخیر لمحہ تک الحمدللہ قائم رہا، بلکہ حضرت ہی میرے مربی اور سر پرست تھے، حضرت نے اس ناچیز کی چھ عربی اور تین اردو مولفات پر مقدمے تحریر فرمائے ہیں،اس شفقت ومحبت کا تقاضا ہے کہ اس طویل عرصہ میں حضرت والا کو جو کچھ دیکھا اور جو کچھ ان سے سنا اس کو قلم بند کر دیا جائے، اس لیے ''حضرت مولانا کی یادیں اور باتیں'' کے عنوان سے ایک تحریر سپرد قلم کیا ہے، البتہ اس جزء کو جو دبئ سے تعلق رکھتا ہے اس کو الگ سے پیش کیا جاتا ہے، اس مقالہ میں حضرت والا کے دبئ کے سفر کا دیکھا ہوا حال ہے ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' حکومت دبئ دو سال سے رمضان المبارک میں مختلف اسلامی ممالک سے حفاظ قرآن کا انتخاب کر کے ۱۲/رمضان المبارک کو دعوت دے کر

بلاتی ہے اور علماء قراء کی نگرانی میں حفظ قرآن کا عالمی مقابلہ کرایا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والوں کو بڑے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے اور ان کے علاوہ باہر سے شریک ہونے والے مہمانوں کی بھی تکریم کی جاتی ہے، اس موقع پر عالم اسلامی کی کسی شخصیت کا انتخاب کر کے عالمی جائزہ (ایوارڈ) سے نوازا جاتا ہے، یہ ایوارڈ دبئ کے ولی عہد اور امارات حکومت کے وزیر دفاع شیخ محمد بن راشد آل مکتوم اپنے ہاتھ سے عطا فرماتے ہیں، وہ خود اس احتفال میں شریک ہوتے ہیں،

اس کے لیے شیخ محمد بن راشد نے دبئ میں ایک کمیٹی قائم کی ہے، اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے کہ جامع ازہر سے لے کر العین یونیورسٹی تک تمام عربی و اسلامی یونیورسٹیوں اور مراکز سے رابطہ پیدا کر کے ان کی رائے طلب کرے، اسی قاعدہ کے تحت گذشتہ سال جب یونیورسٹیوں اور مراکز سے اس کمیٹی نے رائے طلب کی تو اجماعی فیصلہ ان سب کا یہ آیا کہ اس وقت عالم اسلامی کی علمی و دینی شخصیت شیخ ابوالحسن علی ندوی کی ہے اور وہی اس اعزاز کے مستحق ہیں اور اس کی اطلاع جب لکھنؤ حضرت مولانا کو دی گئی تو آپ نے اپنی صحت اور ماہ مبارک کے اہتمام و دیگر وجوہ سے سفر سے معذرت فرمادی، وہ کسی طرح سفر پر تیار نظر نہیں آرہے تھے، چونکہ امارات کے حضرت کے متعدد اسفار کے لیے یہ ناچیز ہی واسطہ تھا اس لیے صدر کمیٹی نے اور ان کے ساتھیوں نے باصرار مجھ سے فرمائش کی کہ آپ کسی طرح شیخ کو راضی کرلیں، اس لیے کہ شیخ کے نام کا اعلان ہو چکا ہے، ہمارے لیے شیخ کے نہ آنے پر بہت شدید حرج ہوگا اور دینی حلقہ پر ایک مایوسی کا اثر بھی ظاہر ہوگا، چنانچہ اس ناچیز نے حضرت کے معتمد علیہ و جانشین مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی سے اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی

سے فون پر گفتگو کی، دونوں کی طرف سے جواب آیا کہ حضرت کا سفر ناممکن ہے، لیکن مولانا محمد رابع صاحب نے یہ فرمایا کہ آپ ماموں جی سے براہ راست بات کریں، ہم لوگ بھی تعاون کریں گے، اس ناچیز کا حضرت مولانا سے عرصہ سے ٹیلیفون ہی کے ذریعہ سے رابطہ قائم رہتا تھا اور خیر و عافیت معلوم کرتا تھا، اسی اصول کے مطابق حضرت والا کو فون کیا اور صورت حال سے مطلع کیا کہ کمیٹی کا شدید اصرار ہے اور سفر کے بہت سے فوائد بیان کئے کہ حضرت کی کتابوں کے پڑھنے کا رواج ہوگا، ہندوستانی علماء کا وقار بلند ہوگا، ندوۃ العلماء کا بیش از بیش تعارف ہوگا اور ہم لوگوں کے لیے بھی یہاں کام کا میدان زیادہ وسیع ہو جائے گا، حضرت نے فرمایا کہ انشراح نہیں ہو رہا ہے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت فون ہی پر ایک قصہ سنانا چاہتا ہوں جو جناب والا سے تقریباً چالیس سال پہلے سنا تھا، وہ یہ کہ جناب نے خصوصی مشورہ کے لیے سہارنپور سے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو رائے پور حضرت اقدس رائے پوری کی خدمت میں جانے پر آمادہ کیا تھا، سفر کے لیے ایک تانگا لایا گیا، اس زمانے میں کاروں کا رواج نہیں ہوا تھا، حضرت شیخ مع اپنے خدام کے اور جناب والا مع اپنے خادم کے تانگے پر سوار ہوئے، گھوڑا بہت اچھا تھا مگر جب تانگے والے نے گھوڑے کو چابک رسید کی تو گھوڑے نے دائیں طرف رخ موڑ لیا پھر گھوڑے کو اس نے سیدھا کیا اور چابک رسید کی تو گھوڑے نے بائیں طرف رخ پھیر لیا، کسی طرح آگے کی طرف بڑھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو رہا تھا، یہ تماشا بہت دیر تک کرتا رہا، اخیر میں شیخ نے فرمایا کہ علی میاں (غایت محبت سے حضرت شیخ مولانا کو اسی لقب سے پکارتے تھے) چلو میں نے نیت کر لی، اس کے بعد تانگے والے نے چابک بھری تو گھوڑا

رائے پور جا کر رکا، حالانکہ سہارنپور سے رائے پور کا اچھا خاصا فاصلہ ہے، اس ناچیز نے عرض کیا اگر جناب ارادہ فرمائیں تو اسی طرح یہ سفر آسان ہوجائے گا، اس پر حضرت بہت کھِل کھلا کر ہنسے اور فرمایا مولوی تقی الدین صاحب ضرور آؤں گا مگر مجھے عربوں میں خطاب کا موقع دیا جائے، مجھے ان سے کچھ کہنا ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا موقع تو ضرور رکھا جائے گا، اس پر موافقت فرمائی، مولانا محمد رابع صاحب نے کمیٹی کو منظوری کا تار بھیج دیا، یہاں پر ٹی وی، ریڈیو، اخبارات سب نے اس کا اعلان کیا اور حضرت کے حالات بیان کئے جانے لگے کہ اچانک ۱۰ر رمضان المبارک کے بعد حضرت کی طبیعت خراب ہوگئی اور روزہ رکھنا مشکل ہوگیا، کمزوری بہت آگئی تھی، مولانا محمد رابع صاحب نے پھر کمیٹی کو معذرت کا تار بھیج دیا کہ شیخ کا سفر نہیں ہو سکے گا، یہ خبر کمیٹی پر ایک حادثہ بن کر گری، کمیٹی کے صدر جناب ابراہیم محمد ابوملحہ جو دبئی کے اٹارنی جنرل بھی ہیں، انہوں نے ہم سے لمبی گفتگو کی اور یہ بتایا کہ کل تراویح کے بعد شیخ محمد بن راشد کی مجلس میں بہت سے علماء مدعو تھے، جن کی گفتگو کا موضوع شیخ ابوالحسن علی ندوی تھے، ان میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اس مجلس میں شیخ کے صفات بیان کئے اور یہ فرمایا کہ شیخ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اس لیے شیخ کے نہ آنے کا دینی حلقہ پر اور ہم پر بہت شدید اثر پڑے گا، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے چند دن کا موقع دیں مگر کمیٹی والے روزانہ ٹیلیفون کرتے رہے، ایک مرتبہ ڈیڑھ بجے فون آیا اور اصرار تھا کہ ہم سب آپ کو لے کر لکھنؤ چلیں گے، میں نے ان سے عرض کیا کہ صبر کریں ان شاء اللہ شیخ آئیں گے، میں بات کروں گا، چند دن کے بعد یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی طبیعت اچھی ہورہی ہے، روزے بھی رکھ رہے ہیں،

تراویح بھی پڑھ رہے ہیں اور اندر گھر میں بھی تشریف لے گئے، میں نے فون سے معلوم کیا کہ مولانا محمد رابع صاحب ہیں، معلوم ہوا کہ ندوہ میں تشریف رکھتے ہیں، میں نے فون سے رابطہ قائم کیا، دوسری لائن پر ابراہیم محمد ابوملحہ مجھ سے بات کرتے تھے، میں نے مولانا محمد رابع صاحب سے کہا کہ بہت نازک مسئلہ ہے، دبئی والے اسپیشل جہاز بھیجنے کے لیے تیار ہیں، پورا وفد ساتھ جائے گا، ڈاکٹر بھی ساتھ ہوں گے، مولانا محمد رابع صاحب نے فرمایا کہ ماموں جی کا موڈ اب سفر کا نہیں ہے اور اس کا بدلنا بہت مشکل ہے اور یہ فرمایا کہ آپ ہی ہماری طرف سے معذرت کردیں، میں نے کہا کہ ابراہیم محمد ابوملحہ فون پر ہیں، بڑی مشکل سے مولانا بات کرنے پر تیار ہوئے ان کی گفتگو کے بعد مولانا محمد رابع صاحب نے کہا کہ اپنی ساری گفتگو فیکس سے بھیجئے، یہ لے کر میں ماموں جی کے پاس رائے بریلی جاؤں گا، فیصلہ کا انتظار کریں، بہرحال مولانا محمد رابع صاحب کی مساعی سے حضرت تیار ہوگئے، معاملہ بڑا نازک تھا، اس لیے کہ صحت بڑی کمزور تھی، **معتکفین** آئے ہوئے تھے، بہرحال حضرت مولانا کی طرف سے یہ تار آیا کہ ہم چند گھنٹے کے لیے جمعرات کو دبئی آئیں گے اور جمعہ کو لکھنؤ واپسی ہوجائے گی، پھر کمیٹی نے اس ناچیز سے رجوع کیا کہ یہ بتایئے کہ جہاز جمعرات ہی کو اسی دن جائے جس روز جلسہ ہورہا ہے یا ایک دن پہلے جائے، جاڑے کا موسم ہے اور آسمان پر کہرا ہے، اگر جمعرات کو وقت پر جہاز نہ آسکا تو ہمارے لیے بڑی مشکل پیدا ہوجائے گی، عالم اسلامی کے بڑے بڑے علماء اور یہاں کے بہت سے وزراء اور شیخ محمد اس میں شریک ہوں گے، میں نے عرض کیا کہ میں کچھ دیر کے بعد آپ کو پکا جواب دے سکوں گا، رائے بریلی میں نے فون کیا تو مولانا واضح رشید

صاحب ملے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت سے جا کر درخواست کریں کہ اگر آسمان پر کہرا ہوا تو جمعرات کو نہیں پہونچ سکیں گے، حضرت نے میری رائے سے موافقت فرمائی، چنانچہ یہ خصوصی جہاز بدھ کو ساڑھے تین بجے لکھنؤ پہنچا اور حضرت اور رفقائے سفر (مولانا محمد رابع صاحب ندوی، مولانا سلمان ندوی، مولوی عبداللہ حسنی، بھائی عبدالرزاق اور بھائی عثمان حیدرآبادی) کو لے کر یہ جہاز افطار کے وقت دبئی کے خصوصی ایرپورٹ پر پہنچا جہاں حضرت کا استقبال کیا گیا، استقبال کرنے والوں میں کمیٹی کے ذمہ داران اور جناب عبداللہ غریر و مولانا سعید الاعظمی اور یہ ناچیز اور دیگر حضرات تھے، افطار اور مغرب کی نماز جناب عبداللہ غریر صاحب کے مکان پر ہوئی، وہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرت مولانا فندق البستان میں تشریف لائے جہاں قیام کرنا تھا، ہوٹل میں سکورٹی لگادی گئی تھی کہ لوگ حضرت کو تنگ نہ کریں، جمعہ کی رات کو جو دبئی کی تاریخ سے اکیس رمضان کی شب تھی عشاء کے بعد دبئی کے خصوصی بڑے ہال میں جلسہ شروع ہوا جس میں امراء وحکام وعلماء وخواص شریک تھے، ہال کھچا کھچ بھرا تھا، ولی عہد خود بھی تشریف رکھتے تھے، کئی مقررین نے حضرت کی زندگی اور کارناموں پر لمبی لمبی تقریریں کیں اور حضرت مع خدام کے ہال کے ایک متصل کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے اور ہم لوگ بھی بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ حضرت وقت پر تشریف لائیں گے، اتنے میں ابوظبی سے نائب وزیر اعظم شیخ سلطان بن زاید آل نہیان کا اس ناچیز کے پاس فون آیا کہ میں اس وقت والد صاحب یعنی شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کی مجلس میں ہوں، شیخ والد صاحب سے ملنے کب آئیں گے؟ اس ناچیز نے ملاقات کا پروگرام پہلے سے طے کرالیا تھا لیکن حضرت کی طبیعت

کی کمزوری سے خاموشی اختیار کر لی تھی، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو حاضر ہونا چاہتے ہیں، والد صاحب اور آپ کی ملاقات کے لیے آنا چاہتے ہیں مگر صحت سے مجبور ہیں، اگر جناب کل تراویح بعد تشریف لائیں تو بیحد خوشی ہوگی اور شیخ بہت دعائیں دیں گے، یہ کہہ کر میں نے ٹیلیفون حضرت کو بڑھا دیا اور حضرت مولانا نے سلام کے بعد اپنی معذوری بیان کی اور دعا دی، بہر حال حضرت جلسہ گاہ میں داخل ہوئے، ایوارڈ کا ولی عہد دبئی نے اعلان کیا، اس کے بعد حضرت نے بہت مختصر تاریخی تقریر کی جو ''تعمیر حیات'' اور اخبارات میں آچکی ہے اور اس تکریم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ یہ رقم دینی مراکز کے لیے وقف ہے تو اس پر بہت تالیاں بجیں اور عربوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بتایا کہ میری پیدائش ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی ہے، میرے والدین کی کوشش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ مقام دیا کہ آج آپ میری تکریم کر رہے ہیں جس پر میں آپ حضرات کا ممنون ہوں، مگر ایک پیغام اپنے ساتھ لایا ہوں وہ علامہ اقبال کا ایک شعر ہے اس کا ترجمہ کیا۔

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا محمد عربیؐ سے ہے عالم عربی

جس میں یہ پیغام تھا کہ عالم عربی کی روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، یہ شعر جس کیفیت سے سنایا گیا اس کا عجب اثر ہوا، پورے مجمع پر آہ و بکا کا عالم طاری ہوگیا، نکلتے وقت مصافحہ کا ہجوم تھا، بڑی مشکل سے نکالا گیا، دوسرے دن صبح کو واپسی کا پروگرام تھا مگر حضرت کا اصرار پیہم تھا کہ میں ہندوستانی مسلمانوں سے مل کر جاؤں گا، آپ نے مجھ پر پہرا بیٹھا رکھا ہے، چنانچہ مشورہ کے بعد مسجد غریر میں نماز جمعہ اور حضرت کا بیان طے کیا گیا، اور جمعہ کو ہوٹل میں لوگ کثرت سے حضرت سے ملنے

آئے جن میں بعض بڑے بڑے تجار اور ذمہ داران تھے، حضرت کے ایک ہی فقرے سے بعضوں پر گریہ طاری ہوگیا، بہر حال جمعہ کی نماز مسجد غریر میں پڑھی گئی اور عزیزی مولوی سلمان ندوی نے جمعہ کا ولولہ انگیز خطبہ دیا اور حضرت کی ۲۰ منٹ کی تقریر ہوئی، جس میں تبلیغی جماعت اور تبلیغی کام کی اہمیت وضرورت کو بیان کیا اور اس میں شرکت کی دعوت دی، واپسی میں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی تقی الدین صاحب مجھ سے کون سا گناہ ہوا تھا کہ رمضان شریف میں مجھ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی تقریر سے عرب وعجم دونوں کو فائدہ ہوا، کتنے لوگ رو پڑے، اس پر انشراح ہوگیا، اسی دن عصر کے بعد مجھ کو بلایا کہ مولوی سعید کہہ رہے ہیں کہ شارقہ جانا ضروری ہے، مجھ کو وہاں لے چلئے، جمعہ کے دن کوئی صورت وہاں سے رابطے کی نہ تھی لیکن حضرت ہی کی برکت تھی کہ حاکم شارقہ ڈاکٹر سلطان بن محمد القاسمی جس مجلس میں افطار کرتے تھے اس مجلس تک میرا فون پہونچ گیا، اس ناچیز نے پیغام پہونچایا کہ شیخ بات کرنا چاہتے ہیں، افطار کے بعد حاکم شارقہ نے مجھے فون کیا، میں نے عرض کیا کہ شیخ تو آپ کو یاد کررہے ہیں اور آپ سے ملنا بھی چاہتے ہیں، مگر اپنی صحت سے معذور ہیں، انہوں نے فرمایا کہ لا، لاتأتي بالشيخ نحن نأتي إليه نو بجے کا وقت طے ہوا، چنانچہ ان کے آنے سے پہلے پورا ہوٹل خالی کرا دیا گیا اور پولیس کے انتظام میں آ گیا، ہم چند خدام اور کمیٹی کے لوگ رہ گئے تھے، ہم نے بڑھ کر شیخ کا استقبال کیا، وہ حضرت کے پاس بیٹھ کر آدھے گھنٹے کے بعد واپس گئے، اس کے بعد ابوظبی سے فون آیا کہ شیخ سلطان بن زاید آل نہیان نائب وزیر اعظم ''دولة الامارات'' آرہے ہیں، ٹی وی، ریڈیو والے سب اکٹھا ہوگئے، ہم نے یہاں بھی بڑھ کر استقبال

کیا، انہوں نے سلام و مصافحہ کے بعد حضرت مولانا کو اپنے والد صاحب کا سلام پہونچایا اور بیس منٹ کے بعد واپس آ گئے، دوسرے دن ۲۲ رمضان المبارک بروز شنبہ صبح لکھنؤ واپسی ہوئی اور وہ نورانی مجلس، وہ صحبتیں، وہ ماحول جو رمضان المبارک میں دبئی میں پیدا ہو گیا تھا خاص طور پر فندق البستان میں وہ دیکھنے والوں کو تا زندگی یاد رہے گا، افسوس صد افسوس کہ یہ رمضان المبارک جس میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور چار دن رہنے کا موقع ملا، انوار و برکات کا سماں ایسا تھا کہ حضرت رائے پوری کی یاد تازہ ہو جائے، اس موقع پر فرمایا کہ امسال انعام کس کو ملے گا، میں نے عرض کیا بادشاہ کو اور حضرت کو تو بادشاہوں سے پہلے انعام مل چکا ہے، حضرت نے اس پر تبسم فرمایا، میرا اشارہ شیخ زاید کی طرف تھا جن کو انعام اس سال دیا گیا تھا، افسوس صد افسوس ہندوستان سے واپسی کے بعد مکہ مکرمہ میں یوم جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر رخصت ہو گئے، إنا لله و إنا إليه راجعون.

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی قبر پر انوار کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔

آہ! حضرت بقیۃ السلف اور یادگار حضرت حکیم الامت تھانویؒ مولانا شاہ ابرار الحقؒ - نقوش وتأثرات

ناچیز ۱۶؍مئی ۲۰۰۵ء کو نظام الدین دہلی آیا ہوا تھا کہ اچانک یہ ناگہانی خبر فون کے ذریعہ دی گئی کہ حضرت محی السنہ وبقیۃ السلف و یادگار حضرت حکیم الامتؒ کا آج پونے نو بجے شب میں انتقال ہوگیا، اپنے ہزاروں، لاکھوں عقیدت مندوں کو چھوڑ کر عالم آخرت کی طرف ان کی روح پرواز کرگئی، اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔

دل ودماغ اس صدمے سے چور ہے، کس طرح صبر کیا جائے اور کس طرح تعزیت پیش کی جائے اگرچہ حضرت والاؒ کے داماد حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی جو حضرت والاؒ کے سچے جانشین اور ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کے خلیفہ ہیں ان کی خدمت میں تعزیت پیش کی اور جو حالات حضرت والاؒ کی وفات کے وقت پیش آئے ان کی کچھ تفصیلات فون کے ذریعہ معلوم ہوئیں ؎

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

حضرت والاؒ کے وصال کے وقت چہرۂ انور پر انوار کی بے پایاں بارش ہورہی تھی، جو صرف خواص علمائے امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا ہے، اس کے آثار نمایاں ودرخشاں تھے، ہزاروں، لاکھوں کا مجمع اطراف واکناف اور دور دور سے کشاں

کشاں چلا آ رہا تھا، نماز جنازہ مولانا امیر حسن صاحب مدظلہ نے پڑھائی جو ہمارے استاذ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بڑے خلفاء میں ہیں، لاکھوں کا مجمع تھا لیکن مجمع پر سکینت اور وقار کی کیفیت طاری تھی۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ اس دور اخیر میں اپنے پیش رو علماء و مشائخ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی آخری یادگار تھے، ان کی مجلسیں بڑی پر کشش تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان پر فیضان الٰہی کی بارش ہو رہی ہے، جو بھی اس میخانے میں شریک ہوتا تھا وہ کچھ لے کر وہاں سے واپس ہوتا، **ھم القوم لا یشقیٰ جلیسھم** ۔

میخانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

آہ! اب یہ نورانی مجلسیں کہاں ملیں گی، اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایسے علمائے ربانیین کے کاموں کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کے خلفاء و مسترشدین میں ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے جو ان کے کاموں کی ذمہ داری اٹھا لیتے ہیں اور ان کا سلسلۂ فیض جاری وساری رہتا ہے، اللہ تعالیٰ سے یہی امید ہے کہ حضرت مولاناؒ کا فیض جاری وساری رکھے گا۔

حضرت مولاناؒ کا نام نامی مظاہر علوم وندوۃ العلماء کی طالب علمی کے زمانے میں سنا تھا اور ان سے واقف تھا، بارہا زیارت کا شرف حاصل ہوا، لیکن ۱۹۸۶ء میں جب سے حضرت اقدس بقیۃ السلف اویس زمانہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ سے تعلق کی سعادت نصیب ہوئی حضرت مولاناؒ سے خصوصی عقیدت ومحبت پیدا ہوتی چلی گئی، حضرت مولانا پرتاپ گڑھیؒ ان کے بارے میں بڑے اونچے الفاظ

فرماتے اور حضرت والاؒ بھی الہ آباد میں کئی کئی دن قیام فرماتے اور دونوں کے درمیان عجیب مجلسیں رہتیں، حضرت مولانا پرتاپ گڑھیؒ کے وصال کے بعد جب ہم نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ قائم کیا اس میں حضرت مولاناؒ کو کئی بار تشریف آوری کی دعوت دی اور آپ متعدد بار تشریف لائے، ایک مرتبہ ہمارے مکان پر بھی تشریف لائے، وہاں ناشتہ کا انتظام تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ کا سالانہ جلسہ تھا جس میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ و دیگر اکابر تشریف لائے تھے اور حضرت والا مدرسہ بیت العلوم جس کے وہ سرپرست تھے وہاں تشریف لائے تھے، اس ناچیز نے دعوت دی، حضرت والاؒ مع خدام کے عصر کی نماز سے پہلے تشریف لائے، عصر کی نماز کے بعد مؤثر وعظ فرمایا، وعظ کے بعد مدرسہ بیت العلوم واپسی کا ارادہ کیا، اس ناچیز نے خواہش کی کہ چائے نوش فرمالیں مگر حضرت والاؒ نے اپنے اصول کے مطابق فوراً واپسی کا تقاضہ کیا، اس ناچیز نے گاڑی کے پیچھے دوسری گاڑی سے خاص آدمی کو لفافے کے ساتھ بھیجا جس میں کچھ نقد ہدیہ تھا، میں نے اپنے آدمی کو تاکید کردی تھی کہ حضرت والاؒ جب اپنی مجلس میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو تم میری طرف سے سلام عرض کر کے یہ لفافہ حضرت والاؒ کو پیش کر دینا، چنانچہ اس فرستادہ نے ایسا ہی کیا، اس پر حضرت والاؒ نے تبسم فرمایا اور قبول فرمالیا، اسی طرح ایک سفر میں یہ معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ بیت العلوم تشریف لارہے ہیں، ناچیز نے مدرسہ میں تشریف لانے اور بیان کرنے کی دعوت دی، آگے کی تفصیلات کا مجھے علم نہیں تھا، حضرت مولاناؒ جامعہ تشریف لائے اور ۵۵ منٹ بیان فرمایا، میں ہندوستان آرہا تھا، جس وقت دلی ایرپورٹ پر پہنچا قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی اس کا اثر مسلسل قائم رہا، جب بنارس ایرپورٹ سے

گاڑی پر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوا تو راستے میں دیکھا کہ حضرت والاؒ مع خدام کے تشریف لا رہے ہیں، گاڑی روک کر سلام ومصافحہ کے بعد فرمایا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے یہاں سے ہوکر آ رہا ہوں، میں نے اندازہ لگایا کہ جس وقت میں نے دل میں خاص کیفیت محسوس کی یہ وہی وقت تھا جب آپ ہمارے مدرسے میں تشریف لاکر بیان فرما رہے تھے۔

حضرت والاؒ کے سلسلے کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کر رہا ہوں، ایک مرتبہ حضرتؒ کی جنوبی افریقہ سے ابوظبی واپسی ہوئی، معلوم ہوا کہ جناب بھائی مظفر کولا صاحب کے گھر پر قیام ہے، میں حاضری کا ارادہ کر رہا تھا کہ دبئی کے ایک بڑے تاجر جن کا تعلق ممبئی سے ہے انہوں نے حضرت والاؒ کی اس زیارت کی مناسبت سے بہت سے اعیان علماء وخواص کو اپنے گھر پر مدعو کر رکھا تھا اور اس ناچیز کو بھی مدعو کیا تھا، ان کا فون آیا کہ جس وقت آپ دبئی پہونچیں، اپنی آمد کی اطلاع کر دیں، میں نے اطلاع کی، وہ صاحب آئے اور کہا میں آپ کے ساتھ حضرت مولانا ہردوئی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، میں نے کہا حاجی صاحب کیا بات ہے؟ کہنے لگے میں نے شہر کے متعدد علماء واعیان کو دعوت دی ہے جن میں آپ بھی شامل ہیں کہ اچانک معلوم ہوا ہے کہ حضرت والا نے تشریف آوری سے معذرت کر دی، کیا راستہ ہے؟ آپ ہی بتائیں، میں نے کہا گاڑی میں بیٹھ جایئے، حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی، ناچیز نے عرض کیا: حضرت تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے، حضرت نے کمرہ کو خالی کروایا، میں نے عرض کیا حضرت! حاجی صاحب نے آپ کو صرف کھانے ہی پر مدعو نہیں کیا ہے بلکہ وہ آپ کا بیان کرانا بھی چاہتے ہیں، کہنے لگے تب تو ضرور چلوں گا، اس سے

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کا ہر کام اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہوا کرتا تھا، سارے ہی حضرات ان کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت نے اعلان فرمایا، بیان ۲۰ منٹ ہوگا، بیان شروع ہونے سے پہلے اس ناچیز نے دو چار جملے تمہیدی طور پر کہے، جس میں یہ بیان کیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی اللہ والے کا خوش ہو جانا دعائے مستجاب کے درجہ میں ہے، ناخوشی کا وہی وبال ہے جو ہونا چاہیئے، اس لئے آپ حضرات کوشش کریں کہ حضرت والا یہاں سے خوش اور راضی جائیں، حضرت کو بڑا انشراح ہوا، اور تقریباً ۵۵ منٹ بیان ہوا، اس کے بعد حضرت اٹھ گئے، میزبان نے کہا کھانا، میں نے کہا چپ رہئے، حضرت کو گاڑی پر بیٹھا دیا گیا، اور دوسری گاڑی سے کھانا حضرت والاؒ کے میزبان کے مکان پر بھیجا گیا، جب دسترخوان بچھایا گیا تو اس پر حاجی صاحب کا ہی کھانا لگایا گیا، اس واقعہ کا حضرت والاؒ سے کئی بار ذکر کیا حضرت کھل کھلا کر ہنسے، واقعہ ہے کہ حضرت والاؒ میری ہر حاضری پر نہایت شفقت اور اہتمام فرماتے اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ سے میرے تعلق کا خاص خیال فرماتے، اوجز المسالک کی تحقیق وتعلیق کے زمانے میں حضرت سے اس ناچیز نے حج کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت نے فرمایا: اوجز کی خدمت حج سے مقدم ہے، جب اوجز کی طباعت مکمل ہوگئی تو جس طرح اس کا پہلا نسخہ سہارنپور بھیجا اسی طرح حضرت والاؒ کی خدمت میں بھی ایک نسخہ بھیجا جس پر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا، اور ایک تحریر وصولیابی کی لکھوائی اور میرے چھوٹے لڑکے ڈاکٹر صفی الدین جو علی گڑھ میڈیکل کالج کے طالب علم ہیں ایک آدمی بھیج کر ان کو تلاش کروایا تا کہ وہ تحریر ان کے حوالہ کر دی جائے کہ وہ میرے پاس پہنچوا دیں۔

حضرت مولاناؒ، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سب سے صغیر السن خلیفہ تھے، بالکل نوجوانی میں ۲۱،۲۲ سال کی عمر میں حضرتؒ نے انہیں خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا تھا، وہ طالب علمی کے زمانے میں نہایت ذکی اور ذہین تھے، انہوں نے دورۂ حدیث مظاہر علوم میں پڑھا، بخاری شریف جلد اول اور ابوداؤد شریف ہمارے استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اور ترمذی شریف مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ سے پڑھی تھی جو حدیث کے بڑے زبردست اور جلیل القدر عالم تھے، اور بقیہ کتابیں دیگر اساتذہ سے پڑھی تھیں، ان کے رفقائے درس میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ تھے، اس ناچیز نے حضرت والاؒ سے حدیث شریف کی اجازت طلب کی تو بہت ہی تکلف فرمایا اور کہا کہ آپ نے تو ہمارے بڑوں سے پڑھا ہے اور اصرار کرتے ہیں تو آپ کو اجازت ہے۔

بہر حال پوری زندگی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ اور دعوت کو پھیلانے میں صرف کی، تجوید وقراءت جو علماء وخواص میں متروک ہو رہی تھی اس کا حضرتؒ کے ذریعہ احیاء ہوا، اس لئے حضرت والا کا ''محی السنۃ'' لقب برمحل اور مناسب تھا، اس آخری عہد میں حضرت والاؒ کی ذات گرامی علماء ومشائخ کا مرجع بن گئی تھی، جہاں جاتے وہاں لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے، گذشتہ سال بنگلہ دیش کے سفر میں تقریباً پانچ ہزار علماء ان کے بیان میں شریک ہوئے، ان میں سے بہت سے لوگ بیعت سے سرفراز ہوئے، انہیں ذکر وتسبیح کی تلقین فرمائی، اسی طرح ہندوستان میں ممبئی، پاکستان میں کراچی اور افریقہ ہر جگہ حضرت والاؒ سے لوگ استفادہ کے لئے

پروانہ وار گرتے تھے، افسوس کہ یہ آخری یادگار ہم سب سے رخصت ہوئی، جہاں کی حاضری سے دل کو درماں، روح کو فرحت ، دماغ کو سکون حاصل ہوتا تھا، ذکر و عبادت، دعاء و تلاوت میں خاص کیفیت پیدا ہوتی تھی، ان شاء اللہ حضرتؒ کے متعلقین وخلفاء ان کے کاموں کو اور ان کے مشن کو جاری رکھیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت والاؒ کے کاموں کی حفاظت فرمائے، اور ان کے اعزہ خاص طور پر حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم اور خلفاء و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور حضرت والاؒ کے درجات بلند فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ

نقوش وتأثرات

۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کو نماز صبح کے بعد اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ حضرت مولانا کی طبیعت بہت ہی خراب ہے، ناامیدی کا عالم ہے، بنارس اسپتال سے منتقل کیا جارہا ہے، اس پر تعجب ہوا، اس لیے کہ حضرت کی صحت کا مژدہ چند روز پہلے سن چکا تھا، مدرسہ ریاض العلوم گورینی فون کیا تو یہ غمناک خبر سننے میں آئی کہ حضرت والا دس بجے دن میں عالم آخرت کی طرف روانہ ہوگئے ہیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے، ہر آنے والے کو جانا ہے، بعض افراد کی موت سے خاندان و قبیلے کے لوگ متأثر ہوتے ہیں، اور بعض بزرگوں کے تشریف لے جانے سے محدود علاقہ کے لوگ متأثر ہوتے ہیں، لیکن بعض ایسے افراد ہوتے ہیں جن کے رخصت ہونے سے پوری امت اسلامیہ کا خسارہ ہے، اس دور اخیر میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی اس ملک ہندوستان وشمالی ہند میں بہت بڑا مرجع ومرکز تھی، ان کی ذات گرامی سے بمبئی و گجرات اور شمالی ہند ہی کے لوگ نہیں بلکہ سنگاپور وملایا وغیرہ سے عشق ومحبت کی تلاش میں لوگ چلے آرہے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ وحضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ دونوں کے منظور نظر تھے، اور دونوں بزرگوں کے خلفاء میں آپ کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا، ان دونوں کی مجالس میں شرکت کی اس ناچیز کو بھی سعادت حاصل ہے، بالخصوص حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے تیس سال تک تعلق رہا ہے، بارہا حاضری پر طویل قیام کی سعادت حاصل رہی ہے، شیخ کی شفقت واکرام کا حال دیکھا ہوا ہے ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا ''کہ مولوی عبدالحلیم میرے ان دوستوں میں ہیں جن کو مرتبۂ حضوری اور استحضار حاصل ہے، اس ارشاد کے بعد حضرت مولانا سالوں باحیات رہے ہیں، اس عرصہ میں جو منازل طے کئے ہوں گے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہوگا۔

حضرت اپنے اخلاق وعادات میں سلف صالحین کی زندہ یادگار تھے، جن لوگوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے، وہ ایک خاص انس ولطف ومحبت محسوس کرتے تھے۔

اس ناچیز کا حضرت والا سے تعلق ۱۹۶۵ء سے پیدا ہوا تھا، پہلی ملاقات جناب حکیم منظور احمد صاحب جونپوری کے مکان پر ہوئی تھی، اس زمانے میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا قیام الہ آباد میں تھا اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر قیام الہ آباد کی خانقاہ میں رہتا تھا، حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد کثرت سے حضرت مولانا کے اسفار سہارنپور کے ہونے لگے،

رمضان المبارک میں وہی پر قیام رہتا تھا، اس لیے ہمیشہ ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوتا، کئی اسفار اس ناچیز نے بھی حضرت مولانا کے ہمراہ کئے ہیں، ان میں حضرت کا وہ سفر بھی ہے جو انہوں نے ہندوستان سے پاکستان فیصل آباد کا کیا تھا، اس میں حضرت مولانا کے ہمراہ ان کے صاحبزادے مولوی عبدالعظیم ندوی مظاہری بھی تھے، یہ ٹرین کا سفر تھا، حضرت کے نماز باجماعت وتہجد کا ٹرین میں اہتمام دیکھا، فیصل آباد میں مولانا مفتی زین العابدین صاحب کے مدرسے کی مسجد میں حضرت شیخ کو اعتکاف کرنا تھا، وہاں حاضری ہوئی اور حضرت مولانا کے ہمراہ ہندوستان واپسی ہوئی، اس سفر کے علاوہ بمبئی وسہارنپور ولکھنؤ کے مختلف اسفار حضرت مولانا کے ساتھ کئے، خط وکتابت کا بھی سلسلہ رہا، افسوس کہ اکثر خطوط ضائع ہوگئے ورنہ اس مقالے میں ان سے بہت مدد ملتی، حضرت مولانا نے مظاہر علوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن دیوریا فیض آباد میں درس وتدریس، دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا، جس کے اچھے نتائج ظاہر ہوئے، مگر تقدیر الٰہی سے حضرت مولانا نے مانی کلاں جونپور میں آ کر سکونت اختیار فرمائی اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، حفظ وتجوید اور عربی درجات قائم کئے، اپنی جد وجہد اور قربانی سے مسجد بھی تعمیر کرائی اور درسگاہیں وطلبہ کے رہنے کا رواق بھی بنوایا، یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن تھا کہ اچانک وہاں ایک فتنہ پیدا ہوگیا، کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ یہ اجنبی عالم ہمارے قصبے میں آ کر متوطن ہوگئے ہیں، اور اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے ہیں، افسوس کہ جو دینی وعلمی فوائد پہونچ رہے تھے ان سے ان کی آنکھیں اوجھل ہوگئیں، اس زمانے میں اس ناچیز کی متعدد بار مدرسہ میں حاضری ہوئی بلکہ حضرت والا نے مختلف گاؤں کے لوگوں کو جمع فرمایا، اس میں ناچیز کی تقریر بھی رکھی،

افہام وتفہیم کا سلسلہ جاری تھا، مگر فتنہ نے شدت اختیار کی، حضرت والا کے غایت اخلاص کی بات ہے کہ بے تکلف مدرسہ سے استعفا دے دیا اور ہر طرح کے مقابلے سے گریز فرمایا، مجھے یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ نے بعض خدام سے اس پر افسوس کیا کہ اتنی جلدی وآسانی سے اس مدرسے کو نہیں چھوڑنا چاہئے تھا، مگر حضرت کا حال اس شعر کے مطابق تھا ؎

جو ہے ہر حال میں راضی فدا ہے ان کی مرضی پر
بڑا خوش بخت ہے، بخشی گئی ہے اس کو دانائی

مدرسہ ریاض العلوم کا قیام:

شرے کہ بر انگیزد در و خیرے نہاں باشد

جو فتنہ مانی کلاں میں اٹھا تھا اس پر حضرت والا کے صبر واستقلال نے ایک بڑے خیر کا دروازہ کھول دیا، گورینی میں (جو مانی کلاں سے متصل ہے) وہاں ایک بڑی زمین لب سڑک حضرت والا کو مل گئی، وہاں جا کر ۱۹۷۲ء میں مدرسہ ریاض العلوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا، مجھے اس بات کے ذکر پر شرم محسوس ہو رہی ہے مگر ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت والا نے پہلی اینٹ اس ناچیز کو رکھنے کا حکم دیا، حضرت کی اس وقت جو کیفیت تھی وہ نا قابل بیان ہے، بڑی تضرع وزاری کے ساتھ دعاء فرمائی جس کا ثمرہ آج نگاہوں کے سامنے ہے، یہ مدرسہ آج مشرقی یوپی کا گویا مظاہر علوم بن گیا، حضرت والا چونکہ مدرسہ مظاہر علوم کے فاضل تھے اور وہاں سے فراغت کے بعد اکابر مظاہر نے معین مدرس بھی بنایا تھا مگر آب وہوا کی عدم موافقت کے سبب مظاہر کو ترک کرنا پڑا، مگر مظاہر سے تعلق بالخصوص حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے جو

آپ کے استاذ بھی تھے اور شیخ بھی ہمیشہ ربط قائم رہا ہے، اسی طرح حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بھی نور نظر تھے اور حضرت نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحبؒ نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، دونوں بزرگوں سے فیض یاب ہوئے تھے اور دونوں کے یہاں ان کے خلفاء میں خصوصی مقام حاصل تھا، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا ''مولوی عبدالحلیم کونسبت حضور واستحضاری حاصل ہے''۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت والا نے اپنا کام شروع کیا اور بہت وسیع حلقہ ہو گیا، وعظ وارشاد کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اہل بمبئی کے اصرار پر بالخصوص بھائی رضوان صاحب عطر والے جو حضرت کے جانثار خادموں میں ہیں حضرت کے متعلقین ومتوسلین کے لئے ہمیشہ ان کی خدمات حاضر رہتی ہیں، انہوں نے بمبئی میں رمضان المبارک میں اعتکاف کی درخواست کی، اس پر حضرت والا نے وہاں رمضان المبارک گذارا اور اعتکاف فرمایا، حضرت والا کے ساتھ ایک بڑی جماعت نے اعتکاف کیا، جس سے لوگوں کو بہت ہی فائدہ ہوا، دعا ونماز، ذکر و تلاوت کی حلاوت سب لوگ محسوس کرنے لگے، اہل سلوک نے روحانی ترقیات کے منازل طے کئے، ویسے حضرت والا ہر سال گورینی کی وسیع وعریض مسجد میں اعتکاف فرماتے، ادھر آخر سالوں میں اعتکاف سے معذوری تھی، آنے والوں کا بڑا مجمع ماہ مبارک میں جمع ہو جاتا، اور ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر فیض یاب ہونے کی کوشش کرتا اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان کا نہیں بلکہ اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

مختلف شہروں وعلاقوں کے لوگوں کی دعوت پر حضرت تشریف لے جاتے اور وعظ وارشاد اور اپنی مجالس سے فیض یاب فرماتے۔

بلاشبہ حضرت کے اسفار سے مدرسہ ریاض العلوم کی ترقیات میں بڑی مدد ملی مگر کہیں حضرت نے مدرسہ کے لئے چندہ وسوال کی صورت نہیں اختیار فرمائی بلکہ اہل تعلق اس کی فکر کرتے رہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق:

جماعت کے اکابر حضرت کا بہت ہی خیال فرماتے، نظام الدین تشریف آوری و اجتماعات میں حضرت والا کی شرکت کوتقویت کا ذریعہ سمجھتے، حضرت بھی اہتمام سے تبلیغی اجتماعات میں شرکت فرماتے، اپنے صاحبزادے مولانا عبدالرحیم ناظم مدرسہ ریاض العلوم کوایک چلے کے لیے بھیجا تھا اور اپنے مدرسہ میں جماعت کے اجتماع وطلبہ کو جماعت میں نکلنے کی ترغیب دیتے، آخر میں گورینی میں حضرت ہی کی فرمائش واہتمام کی بنا پر عالمی اجتماع رکھا گیا، اس اجتماع میں شرکت کے لیے یہ ناچیز بھی ابوظبی سے حاضر ہوا تھا، اجتماع کا انتظام بہت ہی مرتب تھا، ہر طرح کے لوگوں کو راحت کے اسباب مہیا کئے گئے، مجمع کا اندازہ دس لاکھ سے زیادہ تھا، اکابر علماء و مشائخ کا بھی مجمع اکٹھا ہو گیا تھا، کثرت سے جماعتیں نکلیں۔

یہی وہ موقع ہے جس میں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ ہماری دعوت پر ہمارے مدرسہ جامعہ اسلامیہ اور ہمارے مکان پر تشریف لائے، وہ

منظر بھی فلک روزگار کو یادرہے گا۔

حضرت مولانا ہندوستان کی تینوں عظیم درسگاہوں کی شوریٰ کے ممبر تھے:

حضرت مولانا مظاہر علوم کی شوریٰ کے ممبر تھے اور آخر میں اس کے صدر بھی بنادئے گئے تھے، اہتمام سے اس میں شرکت فرماتے، مظاہر علوم کی ترقی کے لیے ہر وقت فکر رکھتے تھے۔

دارالعلوم کی شوریٰ کی ممبری کا قصہ بھی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے دارالعلوم کی شوریٰ سے اپنی معذوریوں کی وجہ سے استعفا دیا تو دیوبند کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کا رجحان تھا کہ حضرت مولانا کو اس کا ممبر بنایا جائے، چنانچہ اس کا تذکرہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ العالی اور حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، اوران دونوں کی تحریک سے بالاجماع شوریٰ کے ممبر مقرر ہوئے، ہر جلسہ میں جب تک صحت تھی شرکت فرماتے، محترم حاجی علاؤالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے خصوصی کرم فرما تھے، ان تینوں مدرسہ کے ممبر تھے، وہ روداد سفر سناتے تھے، دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، اس میں شرکت کے لیے بھی خصوصی اہتمام رہتا، کئی مرتبہ ہمسفر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی سے غایت محبت رکھتے تھے، جو ان کے دونوں شیوخ کی محبت کا عکس تھی، اہل ندوہ وحضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی بھی بہت ہی اہتمام فرماتے، اکثر شوریٰ میں حضرت مولانا ہی صدر ہوتے اور انہی کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوتا، حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ ہمارے یہاں جامعہ اسلامیہ مظفرپور میں جلسہ تھا،

جس میں حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی تشریف لائے تھے، اس ناچیز نے حضرت مولاناؒ کو دعوت دی تھی مگر مرض وضعف کی وجہ سے اصرار مناسب نہ معلوم ہوا، دوسرے دن صبح صبح تشریف لائے، مولوی عبدالعظیم ندوی ہمراہ تھے، بتایا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی ملاقات کے اشتیاق میں تشریف آوری ہوئی ہے، "رجلان تحابّا فی اللہ" کے اب یہ نمونے کہاں ملیں گے؟

حضرت مولانا کے ذاتی صفات وکمالات پر بہت لکھا جائے گا، یہ ناچیز اپنی والدہ محترمہ کی علالت کے سبب مشتت البال ہے، اس لیے اسی پر اکتفاء کر رہا ہوں، ورنہ حضرت والا سے اس ناچیز کا جو تعلق تھا وہ جس قدر محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے اس کا تقاضا ہے کہ مفصل مقالہ لکھا جائے، اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوا تو ان شاء اللہ لکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے کارناموں کی بالخصوص ان کے قائم کردہ عظیم الشان درسگاہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کی ہر طرح حفاظت فرمائے اور ترقیات سے نوازے، آمین۔

محترم مولانا معین اللہ ندوی کا سانحۂ ارتحال

۲۲؍اگست ۱۹۹۹ء کو نماز فجر کے بعد اچانک یہ اطلاع ملی کہ محترم جناب مولانا معین اللہ صاحب ندوی صبح چار بجے اس دارفانی سے رخصت ہو گئے، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

مولانا عرصہ سے علیل چل رہے تھے مگر اتنی جلد ان کے رخصت ہو جانے کا تصور بھی نہیں تھا، خبر سننے کے بعد دل ودماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی، یقین اس لیے بھی نہ ہوا کہ ابھی ایک ماہ پیشتر مولانا کی جانب سے دو مرتبہ ان کے صاحبزادے حافظ عبید اللہ صاحب نے فون کیا اور میری والدہ صاحبہ کی خیریت معلوم کی، جو عرصہ سے بیمار چل رہی ہیں، انہوں نے فون پر یہ بھی بتلایا کہ والد صاحب کو شدت سے ملاقات کا اشتیاق ہے، اس ناچیز نے کئی بار اپنے ہندوستان کے سفر میں اندور حاضری کا پروگرام بنایا مگر اپنے حالات کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔

ما كل ما يتمنى المرء يدركه

تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

وہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے عزیز ترین شاگرد تھے، انہوں نے حضرت کی ذات گرامی سے اپنے کو وابستہ کر رکھا تھا، بلکہ زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ پیوستہ

کرر کھا تھا ۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

سہارنپور اور نظام الدین سے ان کا خصوصی تعلق تھا، انہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا زمانہ پایا تھا، بعد میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی سے بیعت بھی ہوگئے تھے، اس لیے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے اور تبلیغی کام اور مرکز نظام الدین سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا جو تادم آخر قائم رہا، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کا جو تبلیغی سفر حجاز مقدس، مصر اور شام کے لیے ہوا تھا اس میں وہ بھی شریک تھے، حضرت مولانا کی واپسی کے بعد بھی کچھ مدت تبلیغی کام کے سلسلہ میں ان کا قیام حجاز مقدس میں رہا، اور اس کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی، چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ذمہ داری علامہ سید سلیمان ندویؒ پاکستان ہجرت کرنے کے موقع پر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کو سپرد کر گئے تھے، اس لیے حضرت مولانا نے اپنے زمانے میں جو ترتیب دارالعلوم کے لیے بنائی تھی اس کے مطابق مولانا معین اللہ صاحب کو چھوٹی بورڈنگ کی نگرانی اور ابتدائی درجات کی تدریس سپرد ہوئی۔

یہ ناچیز ۱۹۵۳ء میں ندوۃ العلماء میں بحیثیت طالب علم فضیلت اول میں داخل ہوا تھا، میری آمد سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ہوئی تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا معین اللہ صاحب نے میرے داخلہ کے بعد شروع ہی سے بہت ہی شفقت اور عنایت کا معاملہ رکھا، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا مرحوم چھوٹی بورڈنگ کے نگراں تھے، چھوٹی اور بڑی بورڈنگ دونوں کے طلباء کی تعداد پچھتر، اسی کے قریب تھی اس لیے مولانا دونوں بورڈنگوں کی نگرانی

فرماتے اور نماز فجر کے لیے طلباء کو جگایا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کا ہفتہ وار اجتماع ندوہ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا، مولانا اس میں شرکت کے لیے طلباء کو متوجہ کرتے اور کبھی کبھی خود بھی بیان کرتے۔

ندوہ میں میری مدرسی کا زمانہ ۱۹۵۶ء کے اخیر کا ہے، اس وقت مولانا عمران خاں صاحبؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے، دو تین ماہ کے بعد مولانا بھوپال تشریف لے گئے، ان کے جانے کے بعد دارالعلوم شدید مالی بحران میں مبتلا ہوگیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا عمران خاں صاحبؒ نے تقسیم کے بعد جس طرح دارالعلوم کو سنبھالا اور مختلف شہروں کا دورہ کر کے مالی امداد حاصل کی اور ادارہ کو باقی رکھا، یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، حضرت مولانا علی میاں مدظلہ ندوۃ العلماء کو اس کے مقاصد کے تحت ترقی دینا چاہتے تھے، مگر وسائل بالکل نہیں تھے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مولانا معین اللہ صاحب جیسا مخلص اور فہیم دست راست عطا فرمایا جنہوں نے اپنے اخلاص اور ذہانت اور حکمت عملی سے دارالعلوم کی ترقیات کی بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے کر حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے بار کو ہلکا کر دیا، اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ جدید ندوۃ العلماء کے مہندس اور مخطط تھے، ۱۹۵۸ء میں مولانا کو نائب ناظم تعمیر وترقی بنایا گیا، درحقیقت صرف تعمیرات ہی نہیں بلکہ تعلیم وتربیت اور دارالعلوم کے جملہ معاملات میں ان کی رائے کو اہم سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلسل بیماری کے باوجود ان کو عزم وہمت اور بلند حوصلہ کی نعمت سے نوازا تھا، دارالعلوم کی تعمیر وترقی کے لیے جو بھی پروگرام بنایا جاتا گو وہ ظاہری لحاظ سے بہت بڑا معلوم ہوتا، پھر بھی تو کلا علی اللہ اسے شروع فرمادیتے، پھر اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی تکمیل کا انتظام

فرما دیتا، انہوں نے اپنی پیہم حکمت وتدبر اور پیہم جد و جہد سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو مقبول عام وخاص ادارہ بنا دیا، اس کے تعارف کے لیے انہوں نے مختلف شہروں اور علاقوں میں برابر وفود بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، وہ دارالعلوم کے اساتذہ کو شعبان میں تیار کرتے کہ وہ اپنی سالانہ تعطیل کا کچھ حصہ اس خدمت کے لیے وقف کریں، ان کی اس آواز پر سب نے لبیک کہا، دارالعلوم کا بجٹ اس وقت چالیس پینتالیس ہزار کے درمیان ہوا کرتا تھا، بظاہر اس کا پورا ہونا دشوار معلوم ہوتا مگر مولانا کی اس ترتیب سے نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کا بجٹ پورا ہوتا گیا بلکہ مزید تعمیرات کے لیے بھی راستے کھلے اور عوامی سطح پر اس کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا جس کا مشاہدہ آج سب لوگ کر رہے ہیں، مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۷ء میں عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں کے موقع پر مولانا نے اس ناچیز اور حافظ عبدالتواب اعظمی کو کالیپونگ، دارجلنگ اور آسام بھیجا تھا، ان کو اس سفر کی اتنی فکر تھی کہ حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کو لے کر میرے کمرہ میں تشریف لائے اور حضرت مولانا نے خاص طور پر اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، اٹھارہ دن کے بعد واپسی ہوئی، اٹھارہ سو کا چندہ ہوا، اس زمانہ میں یہ بڑی رقم شمار کی گئی، رمضان المبارک میں دیگر اساتذہ اور ملازمین کو مختلف علاقوں میں بھیجنے کی ترتیب کے تحت ناچیز کو مالیگاؤں اور ممبئی وغیرہ کے سفر کے لیے مقرر فرمایا، سفر سے قبل وہ سفر کے آداب واصول کی تلقین کرتے، مالیگاؤں پہونچا تو ایک ہفتہ کے اندر دو ہزار سات سو پچاس روپئے کا چندہ ہوا، جب خط کے ذریعہ اس کی اطلاع کی گئی تو اس رقم پر کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا، حتی کہ مولانا عبدالسمیع صاحب ندوی مرحوم نے جو نائب ناظم تعمیر وترقی تھے لکھا کہ سات سو پچاس پر آپ نے معلوم ہوتا ہے کہ دو کا عدد بڑھا دیا ہے کیوں کہ دو

ہزار سات سو پچاس پر کسی کو یقین نہیں آ رہا ہے، مالیگاؤں سے ممبئی وغیرہ کا سفر ہوا جہاں حاجی علاؤالدین صاحب (مرحوم) کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا سب سے بڑا معاون بنادیا، وہاں بھی اسی طرح کامیابی حاصل ہوئی۔

اس سفر کے متعلق ناچیز نے تفصیلی خطوط روانہ کئے تو حضرت مولانا معین اللہ صاحب نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے کئی خطوط لکھوائے، اس ناچیز نے یہ بھی لکھا تھا کہ دارالعلوم کی شہرت اور اس سے واقفیت بہت کم ہے، اس علاقہ میں مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کا تعارف بھی اس زمانے میں زیادہ نہیں تھا، اس لیے حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی (مرحوم) سے خطوط لکھوا دیجئے، چنانچہ انہوں نے ان سے کئی خطوط لکھوا کر بھیجوائے، جن سے تعارف وامداد میں بڑی مدد ملی، اگلے سال جوگیشوری میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع رکھا گیا تھا، میں نے حاجی علاؤالدین صاحب مرحوم کو تیار کیا کہ آپ اور حاجی احمد غریب صاحب مرحوم خط لکھ کر حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کو اس میں شرکت کے لیے تیار کریں تاکہ دارالعلوم کے تعارف میں مدد ملے، چنانچہ انہوں نے خط لکھے مگر حضرت مولانا کا جواب معذرت کا آیا، تب میں نے حاجی علاؤالدین صاحب اور جناب حاجی احمد غریب صاحب سے تار کرایا اور جناب مولانا معین اللہ صاحب مرحوم سے فون پر بات کی، مولانا نے فرمایا کہ ان شاء اللہ پنجاب میل سے سیٹ بک کرا رہا ہوں، حضرت مولانا ضرور جائیں گے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ ممبئی تشریف لائے، اس موقع پر ناچیز نے ایک خصوصی نشست کا اہتمام صابو صدیق مسافر خانہ میں کیا، حضرت مولانا نے

اجتماع سے خطاب کیا اور ندوہ کے مقاصد پر گفتگو فرمائی، اس موقع پر ندوہ میں بچوں کی جدید بورڈنگ کے لیے ایک ایک کمرہ کی اپیل کی گئی، جس سے دارالاقامہ سلیمانیہ کی تکمیل میں بڑی سہولت ہوئی، اس رواق میں جتنے کمرے بمبئی والوں کے نام سے بنے ہیں وہ اسی اجتماع کی یادگار ہیں۔

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

یہی سفر مجلس تحقیقات ونشریات کے آغاز کا بھی سبب بنا کہ ایک صاحب نے اس سلسلے میں گراں قدر رقم حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کی، مولانا معین اللہ صاحب کی فکرمندی اور لگن ہی کی برکت سے حضرت مولانا مدظلہ کا کویت اور رنگون کا سفر ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ دارالعلوم کی تعمیر وترقی میں ان کا بڑا حصہ رہا جس پر وہاں کی عمارتیں شاہد عدل ہیں، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں یہ بات طے ہوئی کہ بعض نوجوان مدرسین کو علمی تیاری کا موقع دیا جائے، اس سلسلے میں اس ناچیز کو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجا جانا طے کیا گیا، اس زمانے میں یہ ناچیز ابتدائی کتابیں پڑھا رہا تھا، ان میں ریاض الصالحین بھی تھی، اس کی برکت سے بعض صحابہ کرامؓ کے قبور کی خواب میں زیارت ہوئی خاص طور سے حضرت ابی بن کعبؓ کی قبر مبارک کا خواب بڑا واضح تھا، خواب ہی میں دیکھا کہ طلبہ کے سامنے حضرت زید بن حارثہ حب رسول اللہ کا ترجمہ کرا رہا ہوں اور حب کا ترجمہ چہیتے سے کرا رہا ہوں، سہارنپور سے حضرت شیخ کے خط کا انتظار تھا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ نے عصر کی نماز سے پہلے مہمان خانہ میں طلب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں

حضرت شیخ الحدیث کے پاس حدیث کی تیاری کے لیے ایک سال کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، وہاں سے واپس جب اپنے کمرے میں آیا تو حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے میرے خط کا جواب ملا جس میں تحریر فرمایا تھا کہ تم کو عالم رویا میں حدیث شریف سے مناسبت اور اس علم شریف کی خدمت کی بشارت دی گئی ہے، شوال میں سہارنپور جانا طے ہوا اور اس کی اطلاع حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ حضرت شیخ الحدیث کو دے چکے تھے، البتہ دارالعلوم میں ضرورت کی بنا پر کچھ تردد ضرور تھا کہ اچانک حضرت شیخ الحدیث کا خط بنام حضرت مولانا علی میاں صاحب آیا کہ مجھے مولوی تقی کا انتظار ہے، حضرت مولانا معین اللہ صاحب نے حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحب سے عجلت میں منظوری حاصل کر کے کہا کہ ابھی سہارنپور چلے جایئے کہ حضرت کو آپ کا انتظار ہے، اس طرح حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، درس بخاری میں شرکت کے علاوہ اور دیگر علمی کاموں کو بھی حضرت کی زیرنگرانی انجام دیتا رہا، ندوۃ العلماء کی جانب سے مجھے ستر روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی، چندروز کے بعد مولانا معین اللہ صاحب حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ساتھ سہارنپور تشریف لائے، میری محنت کو دیکھ کر بڑی شفقت سے بار بار فرمایا کہ دودھ کا استعمال رکھئے، چنانچہ پندرہ روپیہ مزید الاؤنس دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مقرر فرمایا جو آخر سال تک ملتا رہا۔

۱۹۷۰ء میں اس ناچیز کا قیام گجرات میں تھا، جہاں بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس کی سعادت حاصل تھی، حضرت شیخ الحدیث نے جب بذل المجہود کو حواشی کے ساتھ عربی ٹائپ پر طبع کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس ناچیز کو تحریر فرمایا کہ تم ایک سال کی چھٹی لے کر میرے پاس آ جاؤ اور اس کتاب کو طبع کرادو، یہ میری دیرینہ تمنا

کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے اور تمہارے لیے صدقہ جاریہ، مگر اس سلسلے میں علی میاں اور مولوی معین اللہ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں، دونوں حضرات نے پرزور تائید کی، اس سلسلے کے مکاتیب الفرقان کے خصوصی شمارے میں شائع ہو چکے ہیں، حضرت شیخ الحدیث کی جو کتابیں ندوہ سے چھپی ہیں ان میں حضرت مولانا معین اللہ صاحب اور برادرم مولانا سعید الرحمٰن صاحب کا بڑا حصہ ہے۔

دارالعلوم میں تربیت ونگرانی کا بہت اہتمام رہتا تھا، حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی نے ایک بار فرمایا کہ مولانا معین اللہ صاحب تربیت میں تو شیخ کا درجہ رکھتے ہیں، اس سلسلے کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کر رہا ہوں جس سے مولانا معین اللہ صاحب کی حکمت عملی اور مشائخ کی ان پر شفقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مظاہر میں گجرات کے ایک بڑے تاجر کے صاحب زادے دورۂ حدیث پڑھنے آئے، ان کا پورا خاندان حضرت شیخ اور تبلیغ سے وابستہ ہے، چنانچہ حضرت نے ان کے قیام کا انتظام فرمایا مگر ان کا مظاہر میں داخلے کے بعد یہ حال تھا کہ رات میں کمرے سے اور دن میں درجہ سے غائب رہتے، ناظم صاحب نے حضرت شیخ سے شکایت کی کہ یہ طالب علم اب مدرسے میں رہنے کے قابل نہیں، حضرت نے حالات سے واقفیت کے بعد ایک پرچہ اس طالب علم کے نام لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ تمہارے بھائیوں کی وجہ سے ہم نے تمہارا خیال رکھا تھا مگر موجودہ حالت میں اب تمہارا رہنا مناسب نہیں، اس لیے چوبیس گھنٹے کے اندر مدرسہ خالی کر دیں، وہ طالب علم پرچہ لے کر مدرسہ کے شیخ الحدیث اور اس کے بعد مولانا عبدالمنان صاحب دہلوی اور کئی حضرات کے پاس گئے سب نے بیک زبان کہا کہ مولوی تقی صاحب سے بات

کرو کہ بذل المجہود کی وجہ سے حضرت شیخ سے قرب تھا، وہ صاحبزادے یہ پرچہ لے کر مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کے پاس پہونچے، ان دنوں مولانا سہارنپور تشریف لائے ہوئے تھے، چنانچہ مولانا نے اس ناچیز کو بڑی ترکیبوں کے بعد تیار کیا، چنانچہ عشاء کے بعد حضرت کی خصوصی مجلس میں اس طالب علم کو لے کر حاضر ہوا، آگے آگے یہ ناچیز اور پیچھے پیچھے وہ طالب علم، حضرت نے پوچھا کون! اس طالب علم نے اپنا نام بتایا حضرت نے فرمایا کہ مولوی تقی کو پٹی پڑھا کر لائے ہیں اور زور سے ڈانٹ کر اس طالب علم سے کہا کہ بھاگ جاؤ، باہر لکڑی کے ٹال پر بیٹھے ہوئے لوگ دوڑ کر آئے کہ کیا حادثہ پیش آ گیا، اس طالب علم کی سعادت تھی کہ اس نے حضرت کے پیروں پر گر کر معذرت کرنا شروع کر دی، حضرت کا لہجہ نرم پڑ گیا اور کہا کہ ایک ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اور مولوی تقی اس کے ذمہ دار ہوں گے، صبح کی نماز کے بعد اس طالب علم کا چہرہ بدلا ہوا تھا جو کہ حضرت کی توجہ کی برکت تھی، اس کے بعد اس طالب علم نے مدرسہ سے تعلیم مکمل کی اور پھر ایک اللہ والے سے خلافت بھی ملی، یہ مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کی حکمت عملی کا ایک نتیجہ تھا۔

ان کی عنایت ومہربانی کی داستان بڑی دراز ہے، اس ناچیز کے دکتورا کے مرحلے میں انہوں نے کافی حوصلہ افزائی کی جس کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں۔

مکاتب اور مدارس کے قیام میں ان کی مساعی اور کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جس کا ذکر اکثر تحریروں میں آ چکا ہے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی منزل پڑھنے کی اکثر تاکید فرماتے اور کثرت سے اس کی اشاعت بھی فرمائی، ان کے توسط سے یہ کتاب بہت زیادہ پھیلی اور بہت سے لوگوں نے اس کے پڑھنے کو

معمول بنایا۔

ان کی بڑی تمنا تھی کہ ان کے اندور کی مسجد اور مدرسہ کی زیارت کروں، افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کا موقع نہیں مل سکا، اللہ اب مولانا کی اس یادگار کی زیارت کا موقع نصیب کرے، ان کے انتقال سے ندوہ کے حلقے میں بڑا خلا پیدا ہوگیا، اللہ تعالیٰ اپنے رحم وکرم سے یہ خلا پُر کرے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت قاری امیر الحسن صاحب

کا سانحۂ ارتحال

اچانک بتاریخ ۲؍مارچ ۲۰۱۲ء جمعہ مبارک ایک صاحب نے بمبئی سے فون سے اس ناچیز کو اطلاع کی کہ آج حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارفانی سے دارآخرت کی طرف رخصت ہوگئے، إناللہ و إنا إلیه راجعون.

حضرت قاری صاحبؒ سے اس ناچیز کا تعلق اور محبت تقریباً پچاس سال سے رہی ہے، یہ ہمارے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے بڑے خلفاء میں تھے، ابتدا میں حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا سلسلہ قائم فرمایا تھا، ان کے وصال کے بعد حضرت اقدس شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہوگئے تھے اور حضرت کی طرف سے ان کو خلافت واجازت سے بھی نوازا گیا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں عام طور پر ماہ رمضان المبارک میں حضرت قاری صاحبؒ سے ملاقات وزیارت کا شرف رہتا، وہ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے غایت محبت وشفقت سے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کرنے اور شائع کرنے کی تاکید فرمائی تھی، ان کی ذات سراپا تواضع وخلق نبویؐ کا نمونہ تھی، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ

میرے لوگوں میں دو آدمیوں کو نسبت استحضار حاصل ہے، ان میں ایک نام قاری امیر الحسن صاحبؒ کا تھا، مظاہر علوم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (جو حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے استاذ تھے) کے مشورہ سے حضرت قاری صاحبؒ، حضرت ہردوئیؒ کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے اور وہاں پوری زندگی گذاردی، حضرت ہردوئیؒ، حضرت قاری صاحبؒ سے بے حد محبت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت قاری صاحب حضرت ہردوئی کے مشورہ سے چند ایام حیدر آباد اور جنوبی ہند میں گذارتے تھے، ان کی مجالس و بیانات سے کافی لوگ مستفید ہوتے تھے، ان علاقوں میں ان سے بیعت وارادت کا تعلق رکھنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے، حضرت ہردوئی کے وصال کے بعد ان کے جانشین وخلیفہ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب سے بھی وہی تعلق رکھا جو حضرت ہردوئی سے تھا، اور حضرت حکیم صاحب بھی ان کا بے حد خیال فرماتے تھے، بارہا علی گڑھ میں حضرت حکیم صاحب کے دولت کدہ پر اور ہردوئی میں حضرت والاؒ کی خانقاہ میں زیارت وملاقات کا شرف حاصل رہا، آخری ملاقات ان کے خلیفہ محبّ گرامی ڈاکٹر شعیب صاحب قریشی کے دولت کدہ (لکھنؤ) پر ہوئی تھی، اس ناچیز کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور بہت دعائیں دیں، بار بار فرماتے رہے کہ ہمارے شیخ کی کتابیں آپ کے ذریعہ پورے عالم میں پھیل رہی ہیں، امسال کے آخری سفرِ حج میں معلوم ہوا کہ حضرت قاری صاحب اور حضرت حکیم صاحب دونوں حج میں تشریف لائے ہیں، لیکن مقدر سے ملاقات کا شرف حاصل نہ رہا، جس کا اب تک افسوس ہے، یہ ناچیز حضرت کے پورے خاندان اور حضرت ہردوئی کے جانشین اور خانقاہ ومدرسہ کے متولی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم کی

خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالی ان کے فیوض و برکات کو قائم و دائم رکھے، اور انہیں جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے ؎

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رحمہ اللہ

(متوفی ۲۰۰۶ء)

مولانا مجیب اللہ صاحب کی شخصیت، علمی اور ندوی حلقہ میں محتاج تعارف نہیں، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز فضلاء میں تھے جنہوں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے خصوصی استفادہ کیا تھا اور مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی وغیرہ کے ساتھیوں میں تھے، نیز دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رفیق اور علامہ سید سلیمان ندویؒ سے خصوصی استفادہ کرنے والے، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے بانی اور دیگر مختلف دینی و سیاسی تحریکوں سے وابستہ رہے ہیں، اس ناچیز کا ان سے تقریباً پچاس سال سے تعلق و ربط تھا، ادھر عرصہ سے مولانا علیل چل رہے تھے، ہندوستان آمد کے موقع پر ہر سفر میں ان کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتا رہا، اور اپنے ہندوستان کے قریبی سفر میں یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کی طبیعت بہت علیل ہے، وہ موت و زیست کے مراحل سے گذر رہے ہیں، ان کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا، گرچہ وہ صاحب فراش تھے، مگر ہوش و حواس پوری طرح کام کر رہے تھے، میری آمد پر نہایت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، اس ناچیز نے بھی ایسے کلمات کہے جن سے انھیں خوشی حاصل ہوئی، ان کی تمنا تھی کہ ان کے مدرسہ کی مسجد میں تھوڑی سی اعانت کر دی جائے، الحمد للہ

اس کی بھی اللہ تعالیٰ نے سعادت دی کہ ان کی حیات میں ہی اس کام کو انجام دینے کی توفیق ملی، ہندوستان سے واپسی کے بعد ۱۳ رمئی کی شام کو آٹھ بجے یہ اطلاع ملی کہ مولانا کا لکھنؤ اسپتال میں انتقال ہوگیا، اور ۱۴ رمئی کی صبح کو بعد نماز ظہر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں نماز جنازہ ادا کی جائے گی، اس خبر نا گہانی کو سن کر دل ودماغ پر بے حد اثر پڑا اور ماضی کی ساری تاریخ سامنے آگئی۔

چنانچہ دوسرے دن مولانا کی نماز جنازہ ایک جم غفیر کے ساتھ ادا کی گئی اور تدفین ان کے مدرسہ کے بازو میں عمل میں آئی، مولانا درجنوں کتابوں کے مؤلف ہیں، وہ دبستان شبلی کے ایک ممتاز صاحب قلم تھے، جن کی تربیت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زیر نگرانی ہوئی تھی، ان سب کی تفصیل وہ خود اپنے قلم سے ''الرشاد'' میں شائع کر چکے ہیں، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں انجمن الاصلاح کے ناظم تھے، جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے قافلہ کی آمد ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور ان حضرات نے انجمن الاصلاح کا معائنہ فرمایا، معائنہ کی تحریر حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلم سے ہے جس میں تحریر فرمایا ہے کہ ''انجمن کے ناظم نوجوان صالح مجیب اللہ ندوی ہیں''، اخیر زندگی میں ان کا تعلق حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ سے بھی رہا، بلکہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ نے ان کو اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی ہے۔

مولانا نے دار المصنفین چھوڑ کر جامعۃ الرشاد کی بناء اعظم گڑھ شہر میں ڈالی جہاں کوئی دینی اچھا مدرسہ نہیں تھا اور نہایت عسرت وتنگی اور فقر کے ساتھ زندگی بسر کی،

مگران کے عزم وحوصلہ میں کبھی پستی نہیں آئی، وہ بڑے باہمت اور باحوصلہ تھے، اس ناچیز کا بھی مولانا کے اس مدرسہ سے شروع سے تعلق رہا ہے، بلکہ ابتدا میں اپنی کمیٹی کا صدر بنا رکھا تھا، جب انہوں نے مجلّہ ''الرشاد'' کا اجراء کیا تو حقیقت میں یہ ایک متوکلانہ اقدام تھا، اس ناچیز نے ان کی اس پرچے کے اجراء میں بھی اعانت ومدد کی، اعظم گڑھ شہر میں اس ادارہ کی بڑی شدید ضرورت تھی اور ایسی شخصیت کی بھی ضرورت تھی جو دینی اور سیاسی امور میں مسلمانوں کے لیے مرجع بن سکے، مولانا نے اپنی جدو جہد اور غیر معمولی مجاہدے سے اپنی ذات اور مدرسہ کو مشرقی یوپی کا ایک خصوصی مرجع و مرکز بنا دیا اور الحمد للہ مدرسہ روز بروز ترقی کر رہا ہے، مولانا پر مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، اس وقت انھیں مختصر تأثرات اور تعزیتی کلمات کے ساتھ تحریر ختم کر رہا ہوں اور مولانا کے متوسلین و متعلقین خصوصاً مولانا کے صاحبزادگان عزیزان مولوی عامر رشادی اور حکیم محمد عمار صاحبان کی تعزیت کر رہا ہوں، اور اس امید کے ساتھ کہ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ مولانا کے کاموں کو باقی رکھیں گے بلکہ ان کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں رہیں گے، وما ذلك على الله بعزيز۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

محترم مولانا محمد طاہر صاحب منصور پوری

کا سانحۂ ارتحال

محترم مولانا محمد طاہر حسینی منصور پوری کے سانحہ ارتحال کی خبر اچانک ۹ر شوال ۱۴۲۲ھ کو فون سے دی گئی، سن کر بہت ہی قلق و رنج ہوا، ان کی علالت کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا، ان کے سانحہ سے ایک دن پہلے محترم مولانا سید واضح رشید صاحب ندوی سے فون کے ذریعہ خیر و عافیت معلوم کی مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مولانا محمد طاہر منصور پوری، منصور پور مظفر نگر کے حسینی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے خاندان کا دیوبند، سہارنپور، رائے پور و تھانہ بھون کے روحانی مراکز سے گہرا تعلق تھا، ان کے والد مرحوم حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، اس لئے حضرت والاؒ کی مولانا محمد طاہر پر خصوصی شفقت تھی، اسی تعلق سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعارف و تعلق پیدا ہوا، ان اکابر کے مشورے سے مولانا نے اپنے تعلیمی مراحل رائے پور و نظام الدین اور آخر میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں

پورے کئے، دورۂ حدیث مظاہر میں پڑھا، اس طرح حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے خصوصی تعلق پیدا ہوا، حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۹۵۰ء میں جو حجاز مقدس اور بلاد عربیہ کا تاریخی تبلیغی سفر ہوا تھا جس کی تفصیل ''مذکرات سائح فی الشرق الاوسط'' میں لکھی گئی ہے، اس سفر میں مولانا محمد طاہر بھی رفقائے سفر میں تھے، حجاز مقدس میں سعید خان صاحب کی سرپرستی میں تبلیغی کام کرتے رہے، دو حج کی سعادت نصیب ہوئی، تیسرے حج کے بعد اردن وشام وعراق میں تبلیغی کام کرتے ہوئے ہندوستان واپس ہوئے۔

سفر سے واپسی پر جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے مشورہ سے اپنی صاحبزادی کا رشتہ مولانا سے طے کیا اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے نکاح پڑھایا، اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر وبرکت عطا فرمائی، ان کے صاحبزادگان عزیزان مولانا سلمان ندوی ومولانا اسحاق ندوی اور مولانا صہیب ندوی ماشاء اللہ سب کے سب عالم و فاضل ہوئے، ان میں عزیز مولانا سلمان صاحب سے بہت توقعات ہیں، ان شاء اللہ یہ سب اپنے والد محترم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنیں گے۔

اس ناچیز کا حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ سے تعلق ۱۹۵۲ء سے قائم ہوا تھا جو آخری دم تک قائم رہا، طالب علمی میں حضرتؒ کے یہاں قیام وطعام بھی اکثر رہتا تھا، اس طرح حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور ان کے ساتھ آنے والوں سے بھی تعلق پیدا ہو گیا تھا، ان میں مولانا محمد طاہر صاحب بھی تھے، اس لیے ۱۹۵۶ء میں یہ ناچیز جب ندوۃ العلماء میں مدرس ہو کر آیا اور وہاں دس سال قیام رہا،

مولانا محمد میاں صاحب مرحوم میرے رفیق درس تھے، ان کی وجہ سے ان کے مکان پر کثرت سے جانا ہوتا تھا، اس طرح مولانا محمد ثانیؒ اور مولانا محمد طاہرؒ سے تعلق ہو گیا تھا، حضرت شیخ کے تعلق سے اس ناچیز سے یہ دونوں حضرات بہت ہی محبت فرماتے تھے۔

مولانا محمد طاہر صاحبؒ کی ابتدائی زندگی بہت ہی مجاہدہ وصبر آزما رہی ہے، حضرت شیخ کی بڑی خواہش تھی کہ مولانا ندوہ میں پڑھائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ پر بہت زور دیا، اس طرح کچھ دنوں ''ہدایہ'' پڑھایا پھر ترک کر دیا، وہ غالباً اس لئے کہ حضرت مولانا علی میاںؒ اپنے اعزہ کو دارالعلوم میں ملازم رکھنے کے لیے تیار نہیں تھے، کچھ مدت کے بعد دارالعلوم کے حالات کے پیش نظر ان کی تقرری دفتر نظامت میں کی گئی، جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ تقرری جناب مولانا معین اللہ ندویؒ کے اصرار شدید وسعی بلیغ کے بعد ہوئی، دارالعلوم کے حالات کے پیش نظر معین ناظم مالیات کی شدید ضرورت تھی، اس طرح ایک طویل مدت تک مولانا نے دارالعلوم میں پوری مستعدی واخلاص سے خدمت انجام دی، مگر چند سالوں سے اپنی معذوریوں کی بنا پر ملازمت کو ترک کر دیا تھا۔

مولانا مرحوم حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے اور شیخ ہی کی طرف سے ان کو اجازت وخلافت بھی دی گئی تھی، وہ رمضان المبارک بہت یکسوئی کے ساتھ حضرت شیخ کے یہاں گذارتے تھے، یہ ناچیز بھی تقریباً ہر سال ماہ مبارک وہاں گذارنے کی سعادت حاصل کرتا، اسی زمانے کے حضرتؒ کے ملفوظات کتابی صورت میں جمع کئے ہیں جو اردو کے علاوہ گجراتی میں کافی تعداد میں شائع ہوئے ہیں، اب معلوم ہوا ہے کہ جنوبی افریقہ میں انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

مولانا محترم نے تین صاحبزادگان کو چھوڑا، جن میں سب سے مشہور و معروف عزیز گرامی مولانا سید سلمان حسینی ندوی دوسرے صاحزادے مولوی سید محمد اسحاق حسینی ندوی کا انتقال ہوگیا، تیسرے صاحبزادے مولوی سید صہیب حسنی ندوی ہیں جو ندوۃ العلماء میں استاد ہیں۔

آہ! مولانا قاضی مجاہدالاسلام مرحوم

(متوفی ۴/اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۱۹/محرم ۱۴۲۳ھ)

میں ہندوستان میں تھا کہ یہ اندوہ ناک خبر ملی کی قاضی مجاہدالاسلام کا انتقال دہلی کے اپولو ہسپتال میں ہوگیا اوران کی تدفین ان کے آبائی گاؤں مہدولی میں ہوئی، یہ خبرسن کردل ودماغ پرایک بجلی سی گرگئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

قاضی صاحب مرحوم سے عرصے سے تعلق تھا، ہندوستان اورابوظبی میں ان سے برابر ملاقاتیں رہیں، ہر ملاقات میں ان کی لیاقت، صلاحیت، حکمت اور ملک و ملت کے تئیں ان کی فکراوردلسوزی کے نقش نمایاں تر ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت کوقبول فرمایااورامارت شرعیہ کی صوبائی حدوقید سے نکل کرملک گیر پیمانہ پرآل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، ملی کونسل اورفقہ اکیڈمی کے ذریعہ ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوا، یہی نہیں عالم عرب میں دیکھا کہ یہاں کے علماءان کی قدرومنزلت کے معترف اورقائل تھے، خصوصاً ان کے تفقہ، علم فقہ میں ان کے تبحر و وسعت نظراورمسائل و مشکلات کی تہہ میں پہونچنے والی ان کی خاص خوبی کا سب کواعتراف تھا، میری نظر میں یہ کم معمولی بات نہیں، حقیقت بھی یہی ہے کہ فقہ ہی ان کا اصل موضوع اوران کے لیے مایۂ نازمضمون تھا، ان کی عمرکا بیشترحصہ اسی علم شریف کی خدمت میں گزرا، امارت

شرعیہ کے قاضی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے جو فیصلے کئے اور مسائل کا جس طرح حل تلاش کیا وہ فقہائے متقدمین کے رسوخ فی العلم کی یاد تازہ کرتا ہے، پیش آمدہ ان فقہی مسائل نے شاید ان کی فکر اور جذبہ کو مسلمانوں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے اصل مسائل کی جانب توجہ مبذول کی، اسی درد نے ان سے ملی کونسل کی تشکیل کا داعیہ پیدا کیا اور حضرت مولانا قاری محمد طیب، مولانا منت اللہ رحمانی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ جیسے دور اندیش اور صاحب فہم حضرات کی نگاہ جوہر شناس نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے لیے ان کا انتخاب کیا، اور جب ان نامور اور تجربہ کار شخصیتوں نے مسند قیادت خالی کی تو قدرتاً ان کی جانشینی کا مسئلہ حل ہوگیا، مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے ملک کی سیاست کو سمجھنا اور اس کے مطابق لائحہ عمل طے کرنا کامل فراست کا متقاضی ہے، اگر چند مرحلوں کی مجبوریوں کو مدنظر رکھا جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب نے ایمانداری اور ہوش مندی سے اس کار امانت کو انجام دیا، لیکن میری نظر میں قاضی صاحب کا اصل میدان عمل، علم فقہ میں جدید مسائل کے حل میں بے مثال فقہی بصیرت کو بروئے کار لانا ہے، اردو اور عربی وانگریزی میں ان کی فقہی تصنیفات کی تعداد تیس سے متجاوز ہے جن میں ان کے فتاویٰ کے مجموعے جیسے فتاوی امارت شرعیہ اور نظام الفتاوی بھی ہیں، انہوں نے کتاب العشر والزکوۃ اور کتاب الفسخ والتفریق لکھی تو جدید تجارتی شکلیں، بیع بالتقسیط اور شیرز اور کمپنی جیسی کتابیں بھی ان کے قلم سے نکلیں، عربی زبان میں نظام القضاء فی الاسلام، الوقف، قضایا فقہیہ معاصرہ، فقہ المشکلات، صنوان القضاء جیسی قابل قدر کتابیں بیروت وکویت سے شائع ہوئیں اور جن کی وجہ سے علمائے عرب میں ان کو عزت واحترام اور قدرو

قبول کی نظر سے دیکھا گیا، سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے کویت کی مشہور مطبوعہ الموسوعۃ الفقھیہ کے اردو ترجمہ کا اہتمام بھی فرمایا تھا، آخر عمر میں انہوں نے مسلم پرسنل لا سے متعلق احکام شریعت کا ایک دفعہ وار مجموعہ ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے نام سے شائع کرایا، امت میں فقہی رجحان و مذاق سے آشنا ہونے کے لیے رسالہ بحث ونظر جاری کیا اور کئی ادارے صرف فقہ کی منتہی تعلیم کے لیے قائم کیے، جدید مسائل کے اجماعی حل کی تلاش کے لیے انہوں نے فقہی سمیناروں کا انعقاد کیا اور قدیم فقہ اور جدید ماہرین کو جس خوبی سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا وہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے، یہاں ان کی اس خوبی کا ذکر بھی ناگزیر ہے جو ان کی زندگی میں سب سے نمایاں رہی اور یہ ان کی بہترین انتظامی صلاحیت تھی، طبقہ علماء میں یہ صفت قریب قریب عنقا ہے، جب ذہن میں توسع اور نظر میں وسعت اور دل میں فراخی ہو تو ایسی شخصیت ہی مجاہد الاسلام کے قالب میں نظر آتی ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے ایک بار شاید کسی فقیہ عالم کے بارے میں کہیں لکھا تھا کہ ''جدت وقدامت کا توازن رکھنے والے فقیہ نہیں، جن کی ضرورت ہے اور جو عملاً اس وقت عنقا ہیں، بلکہ قدامت کی طرف پورے جھکے ہوئے اور تشدد کی طرف ایسے ہی مائل جیسے عموماً علماء ہوتے ہیں لیکن پھر کیا کیا جائے'' قاضی صاحبؒ اس وقت ہوتے تو شاید مولانا دریابادیؒ کو اپنے سوال کا جواب مل جاتا، افسوس کہ اس گوہر بے بہا سے ہم ایسے وقت محروم ہوئے ہیں جب ان کی ضرورت ملک وملت دونوں کو بہت زیادہ تھی، اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

آہ! مولوی مسعود خاں مرحوم

۴؍جولائی ۲۰۰۲ءنو بجے رات میں اچانک یہ دلدوز خبر ملی کہ مولوی مسعود خاں کا دہلی میں ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا، فون کے ذریعہ ان کے بڑے صاحبزادے (محمود) سے اسی وقت تصدیق ہوگئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، ابھی چند ماہ پہلے ہندوستان کے سفر کے موقعہ پر اپنے وطن مظفر پور میں ان سے ملاقات رہی، میرا ان سے تعلق تقریباً تیس سال کا رہا، اور میرے ہر سفر کے موقع پر وہ متعدد بار تشریف لائے، اپنی منسٹری کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد بھی، انہوں نے محبّ الدین ایجوکیشنل سوسائٹی منگراواں جو کئی تعلیمی اداروں کے چلانے کی ذمہ دار ہے اس کا مجھے صدر بنا رکھا ہے، اور میرا بھی ان کے ساتھ اور ان کے کاموں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون تھا، اس لیے ان سے ایک خاص تعلق ومحبت پیدا ہوگئی تھی، وہ ہماری ہر خوشی وغم میں شریک رہتے، ہمارے جامعہ اسلامیہ کے کاموں کے سلسلہ میں یا ہماری کوئی ذاتی ضرورت پیش آتی تو اس کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے، اس لیے ان کی جدائی وفراق سے دل پر بہت ہی گہرا اثر ہے۔

مولوی مسعود صاحب کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کو قریب

رہنے،قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا،شہرت تو ان کو اس وقت ملی جب ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت کے زمانہ میں (PWD) کے کابینی وزیر ہوئے، اور اپنے حسن انتظام سے انہوں نے پورے یوپی اور خاص طور سے اعظم گڑھ میں سڑکوں کی تعمیر کا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی مثال نہ پہلے تھی اور نہ بعد میں کسی وزیر سے اس کی توقع رہی۔

ان کا علماء ومشائخ اور بالخصوص حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تعلق تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی منسٹری کے زمانہ میں وہ سڑک جو رائے بریلی سے تکیہ تک جاتی ہے اور جس کا بجٹ بھی پاس ہو چکا تھا مگر جو وزیر آتا اس کی تعمیر کا وعدہ ہی کرتا،مسعود خاں نے اپنے زمانہ میں اس کو تعمیر کرایا اور حضرت مولاناؒ کی دعاؤں کے حقدار بنے، خاکساری وتواضع اور عوام کی خدمت کا جذبہ ان کے خمیر میں تھا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ابوظبی کے ایک سفر میں یہ قصہ سنایا کہ ہم نے ندوۃ العلماء میں اپنی مجلس میں پوچھا کہ مسعود خاں منسٹر ہو گئے ہیں، بہت دنوں سے ہمارے پاس آئے نہیں اور مسعود خاں کمبل اوڑھ کر ہماری مجلس میں سلام کر کے بیٹھے ہوئے تھے، لوگوں نے کہا کہ حضرت، وزیر صاحب آپ کے پاس بیٹھے ہیں، یہ تھی ان کی صفت خاکساری اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا، کیوں کہ ان کا تعلق جس خانوادہ سے تھا وہ آداب تصوف سے آراستہ تھا، ان کے بڑے بھائی مولانا محمد سعید خاں صاحب مجددیؒ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں صاحب نسبت بزرگ تھے، ان کی تعلیم وتربیت کا فیضان ایسا عام اور عنداللہ مقبول ہوا کہ یہ

سلسلہ ملک و بیرون ملک میں پھیلا، مولوی مسعود خان صاحب کو ان کے بڑے بھائی نے مدرسہ بیت العلوم میں داخل کرا کے مشکوٰۃ شریف تک عربی و دینیات کی تعلیم دلائی اور اس کے بعد وہ انگریزی تعلیم میں مشغول ہو کر وکیل ہوئے، ان کا فطری شوق و جذبہ، عوام کی خدمت کا بڑھتا رہا، ان کے سیاسی سفر نے ڈاکٹر فریدی کی ملاقات و تعلق سے ایک خاص رخ اختیار کر لیا، چنانچہ وہ مسلم مجلس کے سرگرم و متحرک ممبر ہو گئے لیکن حالات کے تقاضوں نے اخیر میں ان کو چرن سنگھ سے رشتہ استوار کرنے پر آمادہ کیا اور وہ پھر تادم اخیر ان کے اور ان کے بیٹے اجیت سنگھ کے ساتھ چلتے رہے، چنانچہ وہ یوپی اسمبلی، یوپی کونسل اور پارلیمنٹ کے ممبر مقرر ہوئے لیکن ان ساری کامیابیوں کے باوجود ان کے صوفی منش مزاج میں تبدیلی نہیں آئی، ایک مرتبہ ندوہ میں حضرت مولانا علی میاںؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، رکشہ کر کے آئے تھے، یہ ناچیز بھی مجلس میں حاضر تھا، مولانا نے فرمایا کہ آپ کے پاس گاڑی نہیں ہے، انہوں نے نفی میں جواب دیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی اعظم گڑھ والوں کی ذمہ داری ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت مشکل یہ ہے کہ یہ کسی کی امداد قبول نہیں کرتے ہیں، آخر عمر میں انہوں نے گاڑی خرید لی تھی۔

وہ سیکولر سیاست کے رکن رکین ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مسائل کی فکر اور حل کے لئے برابر کوشاں رہتے، ۱۹۷۰ء و ۱۹۸۰ء کے درمیان سنجنی ونوناری گاؤں کے فسادات کی آگ کو بجھانے اور زخموں پر مرہم رکھنے میں غیر معمولی قربانی دی، اعظم گڑھ ضلع یا شہر میں کوئی حادثہ پیش آتا تو اس کو رفع دفع کرنے اور ذمہ داروں سے

مل کر سلجھانے میں خصوصی کردار ادا کرتے تھے، ان کی آواز اعلیٰ حلقوں میں سنی جاتی، ان کے مشوروں پر توجہ دی جاتی، ایسے نازک موقعوں پر جس دانائی اور معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے اور معاملہ کو جس خوبی سے سلجھاتے اس کا اعتراف سبھی پارٹیوں اور جماعتوں کو تھا، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اخیر میں یوپی اسمبلی کے (ایم ایل سی) بغیر مقابلہ منتخب کئے گئے اور ان کے انتقال کے بعد اعظم گڑھ میں جو جلسہ منعقد ہوا اس میں سبھی پارٹیوں کے لوگ شریک رہے اور ان کو خراج عقیدت پیش کیا، ان کی ذات اعظم گڑھ کے لئے بڑا مرجع تھی، افسوس کہ یہ ایک ایسا خلا پیدا ہوا کہ اب کسی دوسرے مسلمان لیڈر سے بظاہر اس کے پُر ہونے کی امید نظر نہیں آتی، ان کے انتقال سے ملک وملت اور خاص طور سے اعظم گڑھ کو جو نقصان ہوا اس کا احساس ہر فکر منداور دردمند دل کو ہے۔

انہوں نے منگراواں گاؤں کے مکتب کو بڑے مدرسہ قاسم العلوم میں تبدیل کر دیا، بچیوں کے مدرسے کو نسواں کالج بنایا، انٹر کالج، ڈگری کالج اور ان سب کی طویل عمارتیں اور ان کا نظم ونسق جس خوبی سے چلایا اس کی مثال بہت کم ہے، انہی خوبیوں اور گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے انہیں ؎

در کف جام شریعت در کف سندان عشق

کا مصداق کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال ان کے انتقال سے خود شخصی طور پر مجھے بہت رنج وغم ہے اور ان کے استغناء و بے نیازی کی بہت سے مثالیں میرے سامنے ہیں، اگر بیان کیا جائے تو

مضمون طویل ہو جائے گا، کسی موقع پر اس کی تفصیل کی جائے گی، اس مختصر مضمون میں اپنے دلی رنج وغم کا اظہار مقصود ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد (محمود، محفوظ) کو ان کے طریقے پر گامزن فرمائے اور ان کے پورے گھرانے کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور ان کے اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے کاموں اور کارناموں کی پوری حفاظت فرمائے اور ترقی کی راہ پر ہمیشہ گامزن رکھے، آمین۔

ایک مخلص بندہ کی یاد

(حاجی علاؤالدین مرحوم اور کچھ یادیں)

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

حاجی علاء الدین صاحب مرحوم بہت سی خصوصیات کے حامل تھے، وہ اس ناچیز کے ساتھ غیر معمولی محبت وتعلق رکھتے، وہ بیک وقت دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مرکز نظام الدین اور دیگر مدارس کے رکن شوریٰ تھے اوران سب کے خادم بھی، ان کا تبلیغی جماعت وحضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے گہرا تعلق تھا، وہ ممبئی کی تبلیغی جماعت کے ذمہ داروں میں تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ان کو انتہائی عقیدت اور محبت تھی اوراس ناچیز سے ان کا تعارف پہلی مرتبہ ممبئی میں ہوا جو زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا، محبت کا یہ تعلق ایسا رہا کہ وہ ہر رنج وغم اور خوشی ومسرت میں شریک رہتے، ان کے تعاون سے پہلی مرتبہ ''محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے'' شائع کرنے کی توفیق ہوئی۔

یہ ناچیز جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۵۶ء میں مدرس ہوکر آیا اس وقت رواق شبلی جو چودہ کمروں پر مشتمل تھا اسی میں چھوٹی اور بڑی بورڈنگ کے طلبہ رہتے تھے، ان کی تعداد ۷۰، ۸۰ کے درمیان تھی، حضرت مولانا عمران خان صاحبؒ جو ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے، حقیقت میں ان کی عظیم قربانی اور غیر معمولی جدو جہد کی بدولت تقسیم ملک کے بعد دارالعلوم کے اخراجات پورے ہورہے تھے، ۱۹۵۶ء میں ان کے بھوپال چلے جانے کے بعد ندوۃ العلماء شدید مالی بحران میں مبتلا ہوگیا، جس کا بجٹ اس زمانہ میں کل پینتالیس ہزار تھا، اس کا پورا ہونا مشکل ہورہا تھا، محترم مولانا معین اللہ ندویؒ نے تمام مدرسین کو جمع کر کے دارالعلوم کی امداد کے لیے چھٹیوں میں باہر سفر کرنے کی ترغیب دی، واقعہ یہ ہے کہ مولانا غیر معمولی انتظامی صلاحیت کی مالک تھے، وہ حضرت مولانا علی میاںؒ ندوی کے خاص معتمد علیہ تھے، انہوں نے نہ صرف اس کی کوشش کی کہ دارالعلوم اپنی حالت پر قائم رہے بلکہ اس کے نئے نئے پروگراموں کا منصوبہ بناتے رہے، اس سلسلہ میں انہوں نے اس ناچیز کو عیدالاضحیٰ کی چھٹی میں حافظ عبدالتواب اعظمی کے ساتھ دارجلنگ، کالم پونگ اور شیلانگ بھیجا، وہاں سے اٹھارہ دن کے بعد واپسی ہوئی، اٹھارہ سو روپئے کل چندہ ہوا، واپسی پر حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ نے بہت ہی دعائیں دیں اور خصوصی دعوت کی، رمضان شریف کی چھٹیوں میں اس ناچیز کے لیے مالیگاؤں اور ممبئی کا سفر طے ہوا اور کتابیں ختم کرانے کے بعد ہر سال یہ پروگرام رہتا تھا، لکھنؤ سے پہلا سفر جب مالیگاؤں کا ہوا تب مولانا معین اللہ صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے خطوط لکھوائے تھے، خاص طور پر مالیگاؤں میں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب کے نام جو تبلیغ کے ذمہ داروں میں تھے اور

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے بڑے معتقد، اس لیے ان کے تعاون سے سات دن میں ساڑھے ستائیس سو روپئے چندہ ہوا، جس کی اطلاع اس ناچیز نے بذریعہ خط مولانا معین اللہ صاحبؒ کو دی، شعبۂ تعمیر و ترقی کے ایک ذمہ دار نے جواب لکھا کہ ساڑھے ستائیس سو یا کچھ اور؟ اس لیے کہ ستائیس سو کا حصول ندوہ کے لیے اس وقت بڑی رقم تھی، مالیگاؤں کی گلی کوچے پیدل چھان ڈالے تھے اور کئی تقریریں کی تھیں۔

اس کے بعد ممبئی کا سفر ہوا، ممبئی میں کہیں کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا، لوگوں نے بتایا کہ یہاں حاجی علاؤ الدین صاحب ہیں، وہ دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، ان سے آپ ملاقات کیجئے اور آپ کے پاس مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا ندوہ کے تعاون کے سلسلہ میں خط بھی ہے، چنانچہ حاجی صاحب کی دوکان نل بازار پر حاضر ہوا، ان سے ملاقات ہوئی اور سارے حالات ندوہ کے اور اپنے سنائے، انہوں نے کہا کہ میں دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم کا چندہ کرتا ہوں، آپ دوکان پر افطار کریں اور روزانہ جو آئے گا اس سے میں اپیل کرتا رہوں گا، مجھ سے پہلے ممبئی کا چندہ کل پندرہ سو روپئے ہوتا تھا، میں ان پتوں پر اپنے طور پر پہونچنے کی کوشش کرتا تھا اور روزانہ حاجی صاحب کی دوکان پر افطار پر پہونچتا تھا، چند دن کے بعد حاجی صاحب نے ممبئی میں بڑی کوشش شروع کی، اپنی گاڑی پر لے جاتے اور ندوہ کے لیے چندہ کراتے، پھر تو اتنا تعلق ہو گیا کہ انہوں نے اپنے لڑکے مولوی عبد اللہ کو ندوہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا اور کئی مرتبہ دیوبند و سہارنپور کے سفر کے بعد پورے وفد کے ساتھ ندوہ تشریف لائے اور اس کے بعد شوریٰ کے ممبر بھی ہو گئے۔

مولانا معین اللہ ندوی صاحبؒ کا شدید تقاضا تھا کہ سلیمانیہ دارالاقامہ کی تعمیر کا کوئی انتظام ممبئی سے ہوجائے، بہت جد وجہد کے بعد معمولی کامیابی ہوئی، اتفاق سے ۱۹۵۸ء میں جوگیشوری میں ایک تبلیغی اجتماع طے ہوا، حاجی صاحب کا اصرار تھا کہ حضرت مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ کو اجتماع میں لائیں تاکہ ندوہ کا تعارف ہو اور رواق سلیمانی کا کوئی انتظام ہوسکے، اس ناچیز نے حاجی احمد غریب صاحب کو جو حضرت مولانا کے بڑے معتقد تھے، اس بات پر آمادہ کیا انہوں نے حضرت مولاناؒ کو خط لکھا، حضرت مولانا نے معذرت فرمادی کہ شوال ہے، دارالعلوم کھل رہا ہے، اس معذرت کا میرے دل پر بہت اثر ہوا، حاجی صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ فون کریں، میں نے مولانا معین اللہ ندوی صاحبؒ سے فون پر صورت حال بتائی اور اصرار کیا کہ آپ حضرت مولانا کو بھیجیں، انہوں نے فون ہی پر جواب دیا کہ فلاں تاریخ کو حضرت مولانا پنجاب میل سے جارہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا تشریف لائے، اجتماع میں شرکت کی، اسی جوگیشوری کے اجتماع میں مولوی احمد لاڈ اور ان کے والد وغیرہ مجھ سے ملے اور انہوں نے مولوی احمد لاڈ کے ندوہ میں داخلہ کا ذکر کیا، میں نے حضرت سے تذکرہ کیا، حضرت نے فرمایا کہ گجرات کا جو طالب علم بھی داخلہ چاہے، لے لیا جائے، اور اگر وظیفہ کی ضرورت ہو تو دیا جائے، اس لیے کہ گجرات کے طلبہ اس زمانے میں ندوۃ العلماء میں بالکل نہیں تھے، اس اجتماع کے بعد محترم حاجی صاحب کی مدد سے ممبئی کے کچھ تجار کو صابو صدیق مسافر خانہ میں جمع کیا اور اس میں لوگوں نے شرکت کی اور ایک ایک کمرہ کا لوگوں نے وعدہ کیا، حضرت مولاناؒ سے ندوہ کے تعارف پر تقریر کرائی گئی اور یہ روپئے بعد میں جاکر ہم نے ان سے وصول کیے اور اسی سفر میں مجلس

علمی (مجلس تحقیقات ونشریات) کے لیے ایک صاحب نے ایک ہزار روپے دئے جس پر حضرت مولانا نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا، حاجی صاحبؒ کے تعاون سے وہ کمرے جو رواق سلیمانی میں بنے ہوئے ہیں اور جن پر ہر معطی کے نام کے کتبے ہیں، ان کی وصولی کے لیے جو بے قراری اور تعب تھا وہ حضرت مولانا کی دعاؤں اور مولانا معین اللہ صاحب کی بے چینی اور دونوں کے تشجیعی کلمات وہ سب میری آنکھوں کے سامنے ہیں، اوراس کی تفصیل بہت دلچسپ ہے لیکن اسی پر اکتفا کر رہا ہوں ؎

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں میری

اس طرح سے سال میں ایک دو مرتبہ حاجی علاؤالدین صاحب مرحوم سے ملاقات رہتی تھی، مدرسہ مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ریاض العلوم گورینی اور چھوٹے بڑے بہت سے مدرسوں کے ساتھ ان کا تعاون رہتا تھا، مدرسہ مظاہر علوم کے اختلافات کے بعد وہ اس کے مسائل کے سلسلہ میں کوشاں تھے کہ کوئی بہتر صورت نکل آئے، اس سلسلہ میں سہارنپور مظاہر علوم کے بعض ذمہ داروں کو لے کر وہ لکھنؤ تشریف لائے اور مجھ سے زبانی بات چیت کرنا چاہتے تھے، انہیں معلوم ہوا کہ میرا قیام الہ آباد میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے یہاں ہے تو وہ حضرات، حاجی صاحب کے ساتھ الہ آباد تشریف لائے اور جو مشورہ کرنا تھا وہ مشورہ کیا، اس ناچیز کے ذہن میں جو باتیں آئیں وہ عرض کیں، الحمدللہ حاجی صاحب اوران کے ہمراہ وفد نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔

یہ میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ بہت سارے علماء ومشائخ کے ساتھ ان کا غیر معمولی محبت وخدمت کا معاملہ تھا اور میرے ساتھ تو معاملہ یہ تھا کہ ممبئی کے قیام میں

خواہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ان کو جانا ہو گاڑی پر مجھے اپنے ساتھ رکھتے، ان کی نصیحت اور تجرباتی باتوں سے مجھے بہت فائدہ ہوا، ان کے انتقال سے پیشتر یہ ناچیز ابوظہبی سے ممبئی آرہا تھا اور ممبئی کے راستہ سے اعظم گڑھ کا قصد تھا، ممبئی میں حاجی صاحب ساتھ ساتھ رہے اور ہمارے فلیٹ ہی میں قیام بھی فرماتے تھے اور میرے اور میرے تمام دوستوں کے کھانے پینے کا انتظام بھی فرماتے، میری اعظم گڑھ روانگی سے ایک دن پیشتر ۸؍جون ۱۹۸۸ء کو ان کو پالن پور جانا تھا، انہوں نے فرمایا کہ پالن پور میں ایک تبلیغی اجتماع ہے اور میں ہی اس کا داعی ہوں اور مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری کو خاص طور پر حضرت جی سے کہہ کر لا رہا ہوں، اس اجتماع کی تاریخ ۹؍۱۰؍جون ۱۹۸۸ء ہے۔

چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پالن پور کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں جاکر ۹؍جون ۱۹۸۸ء رات ہی میں ان کا انتقال ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون، کلمہ پڑھتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے اور مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اتنے بڑے اجتماع نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے   سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ان کے بعد ان کے کام کو ان کے صاحبزادے یٰسین مرحوم انجام دیتے رہے مگر افسوس کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا، اب ان کے بھائی اور بھتیجے وغیرہ سب حاجی صاحب مرحوم کے طریقہ پر گامزن ہیں، اللہ تعالی ان سب کو استقامت نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم

(متوفی ۲۶ رشعبان ۱۴۲۵ھ)

آج ڈاکٹر محسن عثمانی صاحب کے فون کے ذریعہ مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب کے سانحۂ ارتحال کا علم ہوکر بے حد رنج وقلق ہو رہا ہے، مولانا بہت سی خصوصیات وصفات کے حامل تھے، ان کے ذریعہ سے حیدرآباد میں خصوصیت سے بڑا فیض پہونچ رہا تھا، انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے اکابر کے مشوروں کی بنا پر حیدرآباد کی سرزمین کو اپنے کام کا میدان بنایا، وہاں ایک عظیم الشان درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام کے نام سے قائم فرمائی، یہ دارالعلوم ان کے اخلاص ومحنت اور جد وجہد اوران کے مخلص رفقاء کے تعاون سے جنوبی ہند کی ممتاز و معروف دینی درسگاہ بن گیا، حالاں کہ اس کا سنگ بنیاد ۲ے۱۹ء میں رکھا گیا، ۳۲ سال کی مدت اس ادارہ کے عظیم الشان کارناموں کے دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، وہاں دورۂ حدیث تک کی تعلیم دی جاتی ہے، عالمیت وفضیلت کے شعبوں سے سینکڑوں طلبہ فارغ ہوکر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا اگرچہ اس ناچیز سے عمر میں کچھ چھوٹے تھے لیکن نہایت ہی محبت کا معاملہ فرماتے تھے، میرے علمی وحدیثی کاموں کے لئے بلند کلمات فرما کر تشجیع وحوصلہ فرماتے تھے، میرے ابوظبی کے قیام کے موقع پر

میرے مقرالعین بھی تشریف لائے اور بیان کیا کہ جب ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں تھے اس وقت ''محدثین عظام'' ہمارے مطالعہ میں تھی اور ہم نے اس سے پوارا استفادہ کیا اور آپ سے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے یہاں بار بار ملاقاتیں رہیں، جب انہوں نے دارالعلوم سبیل السلام میں دورۂ حدیث کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو جناب مولانا قاضی مجاہدالاسلام مرحوم کے ذریعہ اس ناچیز کو اس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ دورۂ حدیث کے افتتاح کی دعوت دی اور یہ تاکید فرمائی کہ تقریر صرف علمی ہی نہ ہو بلکہ عوامی بھی رکھنی پڑے گی، لیکن مقدر سے یہ ناچیز العین یونیورسٹی کے امتحانات میں مشغول تھا، ان کی مقررہ تاریخ میں شرکت سے معذرت کی مگر ان کے دارالعلوم کی شہرت، علمی وتحقیقی کاموں کی اطلاع ہوتی رہی، اور خود حضرت مولانا سے بھی برابر رابطہ رہا، امارات کے سفر میں ان سے بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں، وہ تواضع وخاکساری اور محبت ووسعت نظر کا اعلیٰ نمونہ تھے، ابھی ایک ماہ پیشتر اس ناچیز کو پروگرام کے مطابق اکل کوا اور گجرات کے بعض مدارس میں ختم بخاری کے لئے سفر کرنا تھا، جب مولانا کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اصرار فرمایا کہ میں خود اکل کوا آکر آپ کو حیدرآباد لاؤں گا۔

اس ناچیز نے عرض کیا کہ آپ ابھی مریض ہیں، میں خود آئندہ شوال میں ان شاء اللہ حاضر ہونے کی کوشش کروں گا، اس کے بعد اچانک علالت کا علم ہوا، اور آج اس جانکاہ سانحہ کی خبر سنی ؎

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان ہے جانی

عالم مکۃ المکرّمہ شیخ علوی مالکیؒ

کا سانحۂ ارتحال

(متوفی ۲۰۰۴ء)

۱۵؍رمضان المبارک کو اچانک یہ خبر معلوم ہوئی کہ مکہ مکرمہ کے مشہور عالم دین ڈاکٹر شیخ سید محمد علوی مالکی کا اچانک انتقال ہوگیا، دکتور محمد علوی مالکیؒ سے اس ناچیز کا تقریباً ۳۰ سال سے تعلق رہا ہے، ان سے سب سے پہلی ملاقات مکہ مکرمہ میں ۱۹۷۳ء میں ہوئی، اس کے بعد وقتاً فوقتاً بعض مؤتمرات میں اور خاص طور سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہرجان تعلیمی میں جو ۱۹۷۵ء میں منعقد ہوا تھا، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں جامعہ ازہر مصر سے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود وغیرہ اور متحدہ عرب امارات سے وہاں کے چیف جسٹس وغیرہ کے ساتھ یہ ناچیز بھی اس میں شریک ہوا تھا، اور ڈاکٹر علوی مرحوم بھی حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی دعوت پر تشریف لائے تھے، حضرت مولاناؒ نے ان کا بہت اہتمام فرمایا تھا اور ان کی تقریر سے پہلے ان کا تعارف کرایا تھا، ان کے والد حجاز مقدس کے تنہا وہ عالم دین تھے جن کا حرم شریف میں سب سے بڑا حلقہ درس تھا اور پورے اہل حجاز نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

ڈاکٹر سید علویؒ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۱۳۶۲ھ میں ہوئی تھی، انہوں نے اپنے والداور دیگر علمائے مکہ سے علم حاصل کیا، مدرسۃ الفلاح اور مدرسۃ الصولتیہ وغیرہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، ان کے والد نے ان کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں بھیجا تھا، اس طرح وہ ہندوستان بھی کسب فیض کے لیے تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے اجازت حدیث حاصل کی، جیسا کہ ان کے والد نے بھی اجازت لی تھی، انہوں نے جامعہ ازہر کے کلیۃ اصول الدین سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی پھر جامعہ ام القریٰ میں ۱۳۹۰ھ میں مدرس مقرر ہوئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ ملازمت ترک کردی، اوران کا حلقۂ درس مسجد حرام میں جاری رہا جو ان کے والد مرحوم کی جگہ تھی، تدریس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی ان کے دینی بیانات ہوتے رہے اوران کے ذریعہ رابطہ عالم اسلامی کے موسم ثقافی کا افتتاح کرایا جاتا رہا، جیسا کہ ان کے والد محترم مرحوم سے کرایا جاتا رہا ہے اگر چہ یہ سلسلہ بعد میں باقی نہ رہ سکا، انہوں نے مغرب، افریقہ، ہندوستان و پاکستان کے علاوہ مختلف ملکوں کا سفر کیا، جہاں ان کی تقاریر اور بیانات کا سلسلہ جاری رہا، ان کے محبین ومعتقدین کی تعداد حد شمار سے زیادہ ہے، انہوں نے بہت سی تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں، مرحوم کا ہندوستانی علماء سے غیر معمولی تعلق رہا ہے، اس ناچیز سے بے حد محبت وشفقت فرماتے تھے، اخیر میں ان کا حلقہ درس مکہ مکرمہ میں ان کے مقر پر بھی لگتا تھا، ایک مرتبہ یہ ناچیز رفقاء کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، اس ناچیز کو دیکھ کر اٹھ گئے اور ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھایا، اور بخاری کا یہ جملہ ''کذب أبی بن کعب'' کی اس ناچیز نے تشریح کی کہ ''کذب'' سے یہاں

معروف معنی مرادنہیں ہے بلکہ اس سے مراد "أخطأ" ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے "أهل الحجاز يطلقون كذب موضع أخطأ" یہ تو صحابی کی طرف منسوب ہے، اس لیے "أخطأ" کے معنی میں ہے، اس پر شیخ بہت خوش ہوئے، ابھی چند ماہ قبل ابوظبی اور دبئی کے دورے پر آئے تھے، چونکہ ان دونوں جگہوں کا سرکاری مسلک مالکی ہے، اس لیے یہاں کے شیوخ نے ان کا بے حد احترام کیا، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان کے انتقال کے دن اس ناچیز کا قیام مکہ مکرمہ میں تھا، اس لیے نماز جنازہ میں شریک بھی ہوا، اوران کے اعزہ واقارب کی خدمت میں جا کر تعزیت بھی پیش کی، ان کے انتقال سے علمی دنیا میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اوران کے فیض کو جاری وساری رکھے، وماذلك على الله بعزيز.

عزیز گرامی مولانا قاری اختر عالم مظاہری کا

حادثۂ ارتحال

عزیز گرامی مولانا اختر عالم مظاہری جن کا سن ولادت مارچ ۱۹۵۰ء ہے بہت تھوڑی عمر پائی تھی، قاری صاحب کے والدین بڑے دین دار تھے، خاص طور پر والد حاجی محمد سعید صاحب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کے خاص مریدین میں سے تھے اور عرصہ تک الہ آباد ریلوے میں ملازم رہے، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے قیام الہ آباد میں بار بار حاضر ہوتے رہتے تھے، معمولات کے بہت پابند تھے، ان کی تمنا تھی کہ میرے دونوں بچے حافظ وعالم بن جائیں، چنانچہ حفظ اور مدرسہ مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی اور ان دونوں بھائیوں نے بھی کوشش کی کہ ہمارے بچے حافظ وعالم بنیں، قاری صاحب کا دعوتی وتبلیغی کام مشرقی یوپی کے مختلف علاقوں میں پھیلا ہوا تھا جن کے وعظ وبیان پر لوگ پروانہ وار ٹوٹے پڑتے تھے، وہ مدرسہ قاسم العلوم کے بانی ومؤسس تھے، زہد وتقویٰ اور فہم وفراست میں ایک بے مثال عالم دین تھے، ادھر عرصہ سے ان کی علالت کا سلسلہ جاری رہا، مگر تقدیر الٰہی سے چارۂ کار نہیں کہ اچانک بتاریخ ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء ساڑھے تین بجے لکھنؤ ایف، آئی اسپتال میں انتقال ہوگیا، وہ اپنے

اعزہ واقارب، دوستوں اور متعلقین کو چھوڑ کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مولانا قاری اختر صاحب مرحوم میرے داماد مولوی ارشد عالم مظاہری کے بڑے بھائی ہیں، ان سے شناسائی مظاہر علوم کی آمد ورفت میں ہوئی تھی، اکثر جناب مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث کے کمرے میں ان سے ملاقات ہوا کرتی تھی، انہوں نے مظاہر علوم سے ۱۹۷۱ء میں فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ان کے بھائی مولوی ارشد عالم سے میری لڑکی کا رشتہ طے کر دیا گیا جس میں واسطہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جناب مولانا مفتی محمد حنیف صاحب تھے، اور نکاح کی تقریب مدرسہ مظاہر علوم میں ہی ۱۳۹۵ھ کے درس مسلسلات میں منعقد ہوئی، نکاح حضرت مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کے ایماء پر پڑھایا، حضرتؒ نے نکاح کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے درس کو موقوف فرما دیا تھا اور جو لوگ بارات میں گئے تھے حضرت نے بہت خیال واکرام فرمایا، اس کے بعد اس ناچیز کی بذل المجہود کے سلسلے میں قاہرہ روانگی ہوئی، اس طرح مولانا قاری اختر صاحب سے خصوصی تعلق تھا اور یہ تعلق بڑھتا چلا گیا۔

جس مدرسہ میں وہ مدرس تھے یعنی مدرسہ قاسم العلوم وہاں کسی زمانہ میں ان کے شیخ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں قیام کر چکے تھے اور حضرت مولاناؒ ہی نے ان کو یہاں مقرر کیا تھا اور حضرت مولاناؒ ہی کے توجہ دلانے پر اس ناچیز کی بھی توجہ اس طرف ہوگئی تھی اور الحمد للہ وہاں مسجد ومدرسہ اور اس کے تمام لوازمات وجود میں آتے چلے گئے، قرب وجوار میں مولانا قاری اختر عالم صاحب کے ذریعہ بہت

سے مدارس ومکاتب قائم ہوئے اور وہاں کے علماء ومدرسین سے خصوصی تعلق تھا، یہاں تک کہ ایک زمانے میں اس ناچیز کے مشورے سے یہ خیال ہوا کہ ریاض العلوم گورینی میں وہاں کی ضرورت کے تحت قاری صاحب کو منتقل کر دیا جائے، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مجھ پر بہت شفیق اور بہت زیادہ میرا خیال فرماتے تھے انہوں نے منظور بھی فرمالیا تھا لیکن نریاؤں کے لوگ ایک بڑا وفد بنا کر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور اس کے بعد میرے پاس آ کر اصرار کیا کہ ان کو نریاؤں میں ہی رہنے دیا جائے، وہ مدرسہ بھی آپ ہی کا ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ بھی وہاں بار بار تشریف لے جاتے تھے، دوایک بار اس ناچیز کو بھی ان کے ساتھ وہاں حاضری کا موقع ملا ہے، حضرت مولاناؒ سے بہت لوگ مانوس اور متعلق تھے، وہاں کا سفر بھی بڑا دل پذیر رہتا تھا۔

مولانا قاری اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا کے بھی عزیز تھے اور آپ سے بھی بیعت واجازت کا تعلق رکھتے تھے، حضرت مولاناؒ سے خصوصی قرب پیدا کر لیا تھا، حضرتؒ ان کے وعظ وبیان سے بہت خوش ہوتے تھے، اس ناچیز نے ۱۹۸۹ء میں جب اپنے جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو جناب قاری صاحب کو ناظم مقرر کیا، چند سال تک وہ اپنی ذمہ داری بہت اہتمام سے نبھاتے رہے، لیکن اپنی بیماریوں اور معذوریوں کی وجہ سے اخیر زمانے میں جامعہ سے تعلق برائے نام رہ گیا تھا، لیکن میری ہندوستان حاضری پر وہ ضرور چند دنوں کے لیے تشریف لاتے، ان کی آمد سے خوشی ہوتی اور ان کے مشورے سے فائدہ اٹھایا جاتا، مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں اہتمام سے اپنے طلبہ ومدرسین کو خدمت کے لیے بلاتے رہتے تھے، افسوس کہ

قضاوقدر کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا آخری وقت آ گیا اور ہم سب کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

قاری صاحب کی آخری علالت:

ان کی زندگی بہت سادہ تھی، علاج ومعالجہ کا کوئی خصوصی اہتمام نہیں تھا اور علالت کے ایام اِدھر اُدھر کے اطباء کے علاج پر گزار رہے تھے، صحت میں نشیب وفراز آتا رہتا تھا، لیکن مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ مقامی علاج کارگر نہیں ہے اور ان کی صحت گر چکی ہے تو میں نے بے حد اصرار کیا کہ آپ کسی بڑے اسپتال میں بنارس یا لکھنؤ جا کر علاج کر وائیں مگر وہ آمادہ نہیں ہو رہے تھے، ابھی مئی کے مہینے میں میرا ہندوستان کا سفر ہوا تو فون پر باتیں ہوتی رہیں، لیکن بار بار ارادے کے باوجود وہ ہمارے یہاں آنے سے معذور رہے، اس لیے میں نے خود ان کے یہاں جا کر عیادت کی، دیکھا کہ بے حد کمزور ہو چکے ہیں، میں نے اپنے داماد اور نواسوں سے اصرار کیا اور غصہ بھی ہوا کہ ان کو کسی اسپتال میں لے جائیں، لیکن معلوم ہوا کہ قاری صاحب خود تیار نہیں ہو رہے ہیں، اخیر میں وہ اس پر تیار ہوئے اور اپنے متعلقین کے مشوروں سے لکھنؤ کے اسپتال میں داخل کئے گئے، اسی دوران ان کے بھتیجے اور میرے نواسے عزیزی مولوی اسعد عالم سلمہ جو میرے پاس ہی رہتے ہیں، علاج وخدمت کے لیے وہاں گئے، انہوں نے بہت تندہی سے علاج کرایا، مگر مقدر سے چارۂ کار نہیں، ڈاکٹروں نے ان کے علاج کا بے حد اہتمام کیا اور پچاس فیصد شفا کی امید دلائی، قاری صاحب کو جب بھی ہوش آتا

توان کی زبان پر کلمۂ لاالٰہ الا اللّٰہ ہوتا اور بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی پست آواز سے، ڈاکٹر اپنی طرف سے تدبیر کر رہے تھے اور ہم لوگ امید لگائے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اللہ کا فیصلہ آگیا کہ وہ لاالٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوں، چنانچہ رخصت ہوگئے، جنازہ ان کے مدرسہ قاسم العلوم نریاؤں لایا گیا، بارش اور سیلاب کے باوجود نماز جنازہ میں ہزاروں کا مجمع تھا جو عنداللہ ان کی مقبولیت کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو انوار سے پُر فرمائے، عرش الٰہی کے نیچے ان کو جگہ عنایت فرمائے اور اپنے مقربین و صالحین میں ان کا شمار فرمائے، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم، آمین۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے قائم کردہ مدرسے کی حفاظت فرمائے اور ہمیشہ قائم ودائم رکھے اور ان کی اولاد اور بھائی بھتیجوں سب کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل کی توفیق دے، آمین۔

آہ ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی!

ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی مرحوم اس ناچیز کے مخلص دوستوں میں تھے، ان سے پہلی مرتبہ تعارف اس وقت ہوا جب وہ لندن سے ہومیو پیتھک کی ڈگری لے کر ہندوستان آئے، ان کے والد صاحب بہت مشہور ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تھے اور ان کا ندوۃ العلماء سے خصوصاً حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے خاص تعلق تھا، ڈاکٹر صاحب کی واپسی ۱۹۶۰ء میں ہوئی، اس کے بعد ندوۃ العلماء نے ان سے معاملہ طے کیا کہ ہفتے میں دو دن طلباء کو آکر دیکھ لیا کریں، یہ ناچیز اس وقت چھوٹی بورڈنگ کا نگراں بھی تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب کمرے ہی میں تشریف لاتے، اس طرح ان سے تعلق بڑھتا رہا اور ان کا حضرت مولانا علی میاں ندویؒ و حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے تعلق بڑھتا رہا اور وہ ان حضرات کے کاموں میں رفیق و مشارک و معتمد علیہ ہوگئے تھے، مجلس مشاورت جب قائم ہوئی تو اس کے ایک اہم رکن بن گئے، اس کی طرف سے اخبار ''ندائے ملت'' کا جب رسم اجراء ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے اس کی خدمت کو اپنے سر اوڑھ لیا تھا، اسی طریقے سے دینی تعلیمی کونسل جب قائم ہوئی تو اس کے بھی رکن رکین رہے اور دینی و ملی کاموں میں پیش پیش تھے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا علی میاںؒ کے اکثر اسفار میں ان کو رفاقت کا شرف حاصل تھا، ان کی زندگی میں

بہت تبدیلی آئی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدنیؒ وحضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ومرکز نظام الدین نئی دلی سے گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا بالآخر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت بھی ہوئے، اسی بنا پر اس ناچیز بھی بہت ہی محبت فرماتے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں مدرسۃ البنات ''نورالاسلام نسواں'' قائم کیا جو بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے، اپنے صاحبزادوں کی دینی واصلاحی تربیت فرمائی، ان کے صاحبزادے ڈاکٹر شعیب قریشی الحمدللہ ان کی پوری جانشینی طب ودینی کاموں میں کررہے ہیں، وہ ندوۃ العلماء کے رکن بھی ہیں، ان کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندہلویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا قاری امیر الحسن صاحبؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم ہوا اور اس میں ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی طرف سے اجازت وخلافت کی دولت سے سرفراز ہوئے، اللہ تعالی ان کے فیض کو قائم رکھے، آمین۔

ایک بندۂ خدا کا سانحۂ ارتحال

آج بتاریخ ۹/جون ۲۰۱۲ء کو ہمارے چچا محترم (الحاج) عبدالرشید صاحب ولد محمد حسن مرحوم ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اس دار فانی سے دار بقا کے لیے روانہ ہوگئے، إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون۔

مرحوم میرے والد محترم کے چھوٹے بھائی تھے، عمر تقریباً ۹۴ سال تھی، پوری زندگی سادگی اور اوراد ووظائف اور تلاوت قرآن پاک میں گزاری، میرے والد صاحبؒ میری پیدائش کے ایک ماہ کے بعد ۲۴/۱۲/۱۹۳۴ء میں ایک ماہ کالرا کے مرض میں مبتلا ہوکر انتقال فرماگئے تھے، والدہ محترمہ نے ۱۲/سال کی مدت بیوہ ہونے کی حالت میں گزاری، اعزہ واقارب کے اصرار پر ان کا میرے چچا سے نکاح ہوا، جن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

چچا مرحوم کا میری طالب علمی میں میری تعلیم وتربیت میں بڑا حصہ ہے، ابتدائی زندگی زمینداری کے باوجود بڑی عسرت اور تنگی میں گزری تھی، لیکن انہوں نے کوشش کی کہ مجھے کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو، حرام اور مشتبہ مال سے انہوں نے ہمیشہ گریز کیا، ہمارے خاندان میں ایک صاحب نے زمین کا ایک حصہ نکال کر وقف کردیا تھا اور مجھ سے اصرار کرتے رہے کہ میں وہ زمین خرید لوں، چچا صاحب نے کہا

کہ حرام مال نہ خریدیں۔

ان کی علالت کی خبریں سن رہا تھا، میری بڑی تمنا تھی کہ ان کے جنازہ میں شرکت کروں اور نماز جنازہ پڑھاؤں، اتفاق سے اچانک یہ حادثہ میری موجودگی میں پیش آ گیا، ۱۰ر جون کو نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی، سخت دھوپ اور موسم کی شدت کے باوجود جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ قرب وجوار سے بڑی تعداد میں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی۔

مجھ سے چھوٹے بھائی زبیر احمد جو ابوظبی میں ملازم ہیں، وقت پر آ گئے تھے، اوران سے چھوٹے بھائی جعفر جو پہلے ہی سے موجود تھے، سبھی جنازہ میں شریک ہو گئے۔

۷ر جولائی ۱۹۸۹ء بروز چہار شنبہ ۱۱ر بجے صبح کو جامعہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس ناچیز کی درخواست پر حضرت اقدس مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لانے والے تھے، مگر علالت کی وجہ سے سفر ملتوی کرنا پڑا، تاہم حضرت مولانا عمار احمد صاحب اور جناب کامل صاحب چائلی کو معذرت لکھ کر بھیجا کہ سنگ بنیاد میں شریک ہوں، چنانچہ اس ناچیز نے چچا جان سے اس جامعہ کی بنیاد رکھوائی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اوران کے فیوض وبرکات کو عام فرمائے، ناظرین ودوستوں سے ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

میری اہلیہ محترمہ کا سانحۂ ارتحال

انسان کی زندگی میں نشیب وفراز آتے ہی رہتے ہیں، وہ خوشی وغم دونوں حالات سے دوچار ہوتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ انسان کو بہت زیادہ صبر وتحمل، توکل علی اللہ اور رضا بالقدر کی ضرورت رہتی ہے، ان واقعات میں سے کسی کی نیک وصالح، اطاعت گزار، مطیع وفرماں بردار، ذاکرہ وشاکرہ اہلیہ کا اچانک سانحۂ ارتحال ہے، وہ اہلیہ جو اپنے شوہر کی خدمت اور اولاد کی تربیت کے پورے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتی رہی ہو، اور زندگی کا بڑا حصہ اسی حال میں گزار چکی ہو، اس کے سانحۂ ارتحال سے شوہر پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، وہی انسیت و بے تکلفی کا ذریعہ رہتی ہے، اور اولاد پر بھی غیر معمولی اثر ہوتا ہے، جس کی تعلیم وتربیت پر زندگی کا بڑا حصہ اس نے صرف کیا ہو، جب کہ وہ کثیر الاولاد ہو اور سارے خاندان کو جوڑے ہوئے ہو۔

اسی طرح کا حادثہ میری اہلیہ مرحومہ کا بھی ہے، وہ میرے ماموں شیخ عبدالکریم کی صاحبزادی تھیں، جو اعظم گڑھ کے مشہور گاؤں چاند پٹی کے رہنے والے تھے، ان کا سانحۂ ارتحال ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار صبح نماز فجر کے وقت لکھنؤ کے سہارا اسپتال میں پیش آیا، علاج ومعالجے کی ساری

تدبیریں ہم نے اور ہمارے لڑکوں نے کی تھیں لیکن ان سب پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ غالب آیا، وہ مسلسل ۲۴ رگھنٹے تک استغفار وکلمہ شہادت پڑھتی رہیں اور کلمہ پڑھتے ہوئے اس دارفانی سے عالم آخرت کی طرف کوچ کیا، وہ بالکل اس شعر کے مصداق تھیں ؎

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

انتقال سے پہلے ان کی بعض نصائح بھی تھیں، وہ یہ کہ اپنے رشتہ دار کے مقابلے میں اپنے کو متواضع بنالینا چاہئے، اس کو اپنے سے بڑا سمجھے تاکہ محبت قائم رہے، خاص طور سے آخری گفتگو میں یہ فرمایا کہ آپ کا بڑھاپا ہے اس حال میں اپنی سب اولاد کو اپنی چادر میں سمیٹے رہئے گا۔

زندگی کے آخری لمحات کے ساتھ چھوٹے لڑکے ڈاکٹر صفی الدین، عزیز نصیر الدین، نواسے عزیز مولوی اسعد عالم ندوی، عزیز محمد علی اور لڑکی اور بہو وغیرہ موجود تھیں، وہ سب ساتھ ساتھ گاڑی کر کے ساڑھے چار بجے شام کو مظفر پور پہونچے۔

اس ناگہانی خبر کو سن کر قرب وجوار کا ایک جم غفیر اکٹھا ہوگیا، ضلع کے لوگوں کی آمد کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، نماز جنازہ کا وقت عشاء کے بعد مقرر کیا گیا تھا، ہمارے لڑکے ڈاکٹر ولی الدین ندوی، حافظ ذکی الدین، فہیم الدین جو ابوظبی ودبئ میں رہتے ہیں وہ اپنی والدہ کو آخری بار دیکھنے اور جنازہ میں شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے، غیبی طور پر ان کے سفر کا بروقت انتظام ہوگیا اور وہ لوگ بھی قدرے تاخیر سے آگئے، اور ان کو اپنی والدہ کی زیارت اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

جنازہ کی نماز جامعہ اسلامیہ کے صحن میں ادا کی گئی، مرحومہ کی خوش نصیبی اور

ہماری خوش قسمتی رہی کہ نماز پڑھانے کے لئے رائے بریلی سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ اور محترم جناب مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی مع اپنے رفقاء کے بے حد تکلیف اٹھا کر تشریف لائے، ان کی آمد بھی وقت پر ہوگئی، نماز جنازہ سے قبل حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہٗ نے تسلی کے چند مؤثر کلمات بھی ارشاد فرمائے، اس کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ میں جم غفیر نے شرکت کی جن میں بہت سے اہل ذکر علماء ومشائخ بھی تھے، مدارس کے ذمہ دار اور طلبہ بھی تھے، ان سب کے علاوہ حکومت کے بعض ذمہ دار وزراء و اہل تعلق بھی شریک ہوئے، غیر مسلموں کی خاصی تعداد بھی تعزیت کے لیے آئی۔

۱۱ر بجے شب میں تدفین ودعا سے فراغت ہوئی، دوسرے دن صبح کو دروازے پر گاؤں وقرب وجوار کی خاصی تعداد تعزیت کے لیے آئی تھی ان سے ملاقات کے بعد جامعہ اسلامیہ آمد ہوئی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے ہمارے لڑکوں ونواسوں اور پوتوں کو قیمتی نصائح فرمائیں، اس کے بعد حضرت مولانا کی لکھنؤ واپسی ہوئی۔

بہت سے بزرگوں اور اہم شخصیات نے جو یہاں سے بہت دور تھے انہوں نے ٹیلی فون کے ذریعہ تعزیت کی اور ایصال ثواب ودعائے مغفرت کی اطلاع دی، بعض لوگوں نے بیت اللہ کا طواف ایصال ثواب کے لیے کیا، خصوصی طور سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنیؒ نے بہت ہی اہتمام فرمایا اور اپنے متعلقین کو فون کر کے ہر جگہ اطلاع کرائی اور ایصال ثواب کی

تاکید کی، چنانچہ مدینہ منورہ سے حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نے، چپاٹا سے محترم مولانا عبدالرحیم متالا صاحب نے تعزیت کی اور اپنے مدرسے میں ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا اور لندن سے ان کے بھائی مولانا یوسف متالا نے، محترم جناب حکیم کلیم اللہ صاحب جانشین حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ نے تعزیت وایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، محترم مولانا اسماعیل بدات صاحب نے تعزیت کرتے ہوئے بتایا کہ دس ختم قرآن کریم ایصال ثواب کی نیت سے کر رہے ہیں اور مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ، محترم مولانا سعیدالرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، محترم مولانا خالد رشید فرنگی محلی، مولانا نسیم الدین ندوی استاذ جامعہ وحافظ عبدالباطن صاحب استاذ جامعہ نے مکہ مکرمہ سے فون کیا، گجرات سے مفتی احمد خانپوری نے، مکہ مکرمہ سے پیر ذوالفقار نقشبندی صاحب نے تعزیت فرمائی اور بعد میں ہماری قیام گاہ ابوظبی العین بھی تشریف لائے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کو جمع کر کے صبر وتعزیت کی تلقین فرمائی، الہ آباد سے محترم مولانا محمد قمرالزماں صاحب نے اپنے لڑکے، داماد اور لڑکی کو تعزیت کے لیے بھیجا۔

موجودہ حکومت کے بعض وزراء اور سابق حکومت کے وزراء کے تعزیت نامے آئے، ہندوستان کے نائب صدر جناب محمد حامد انصاری صاحب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹر کفیل احمد صاحب وڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پروفیسر شفیق احمد خان ندوی نے زبانی اور تحریری تعزیت کی، اسی طرح جناب مولانا محمود اسعد مدنی، دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اور ان کے ہمراہ مفتی منظور احمد قاضی شہر کانپور جامعہ تشریف لائے، اس سے پہلے

مولانا عبداللہ معروفی صاحب تشریف لائے تھے، وفات کی خبر ملتے ہی محترم مولانا مفتی سعید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے تعزیت کی اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، مولانا عبدالرحیم صاحب ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی نے مکہ مکرمہ سے فون کر کے تعزیت کی، ان کے علاوہ بہت سے علماء جس میں خاص طور سے محترم مولانا عبداللہ کاپودروی اور مولانا غلام محمد وستانوی شیخ الجامعہ اشاعت العلوم اکل کوا شامل ہیں، محترم مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب نے گجرات، ری یونین، لندن اور افریقہ کے علماء و مدارس کو اطلاع دی، ری یونین فرانس سے محترم سعید انگار صاحب نے، بنگلور سے جناب مفتی اشرف علی صاحب اور مولانا سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی نے تعزیت کی، ہندوستان کے اکثر مدارس و ذمہ داران جو یہاں موجود تھے انہوں نے فون کر کے تعزیت کی اور قرب و جوار کے مدارس کے لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی، الہ آباد سے حضرت مولانا عمار احمد صاحب اور ان کے ہمراہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کے صاحبزادے محترم ارشاد احمد صاحب جنازہ میں شریک ہوئے، ابوظبی سے معالی احمد خلیفہ سویدی سابق وزیر خارجہ و صدر کے خصوصی نمائندہ اور سموالشیخ سلطان بن زاید آل نہیان کے سکریٹری اور حاکم شارقہ کے عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی اور شیخ عبداللہ سلطان ظاہری و دیگر حضرات نے فون سے تعزیت کی اور گہرے رنج و غم کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے ؎

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اُس گھر کی نگہبانی کرے

عالم ربّانی مولانا عبدالرحیم متالا
کا
سانحۂ ارتحال

۹؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو ۱۲؍بجے دن میں مفتی محمد یونس گجراتی کا مدینہ منورہ سے فون آیا کہ میں بہت حسرت اور رنج وغم کے ساتھ آپ کو یہ اندوہ ناک خبر سنا رہا ہوں کہ آپ کے دوست حضرت مولانا عبدالرحیم متالا صاحب کا آج ساڑھے آٹھ بجے صبح چپاٹا ''زامبیا'' میں انتقال ہوگیا، ان کے ساتھی اور آپ کے خصوصی دوست مولانا محمد اسماعیل بدات زاروقطار رو رہے ہیں، یہ ناگہانی خبر اس ناچیز کے دل ودماغ پر بجلی بن کر گری، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مولانا مرحوم سے میرے تعلقات تقریباً ۴۵ سال سے تھے، ہمارے شیخ و استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی اپنی علمی وروحانی اور حدیثی خدمات میں سلف صالحین کی یادگار تھی، رائے پور اور تھانہ بھون کے خالی ہونے اور حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد طالبین اور اہل تعلق نے آپ کی ذات گرامی کی طرف پروانہ وار رُخ کیا، آپ کی خانقاہ اپنے دور میں حضرت نظام الدین

اولیاء کی خانقاہ کی یاد تازہ کر رہی تھی، اس ناچیز کا تعلق حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے ۱۹۵۲ء سے اخیر حیات تک رہا، اس کی تفصیل ''داستاں میری اول'' میں بیان کر دی گئی ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشدین میں محترم مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم اوران کے چھوٹے بھائی عزیز گرامی مولانا محمد یوسف متالا کا خاص مقام تھا، اس ناچیز کی سال میں متعدد بار حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی، مولانا مرحوم اوران کے رفقاء مولانا غلام محمد پٹیل مرحوم اور مولانا محمد اسماعیل بدات اور مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی، ان سب سے ان لوگوں کی ابتدائی آمد کے زمانہ ہی سے تعارف و تعلق ہو گیا تھا، ۱۹۶۷ء میں فلاح دارین ترکیسر گجرات میں میری آمد کے بعد اس تعلق میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، یہ تعلق محبت و یگانگت کا تھا، مولانا عبدالرحیم مرحوم جب سہارنپور سے گجرات اپنے وطن ورمیٹھی اور نانی نرولی آتے تھے تو ان کے گاؤں میں میری متعدد بار حاضری ہوتی تھی، اور وہ بھی ترکیسر میری ملاقات کے لیے کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر اور کبھی دوسری سواری سے بار بار تشریف لاتے، اور بڑی پُر نور اور پُر لطف مجلسیں رہتیں، ان میں بعض علماء اور اہل تعلق بھی شریک ہوتے، خصوصیت سے ہمارے فاضل دوست مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب جب شرکت کرتے تو مجلس کی رونق دوبالا ہو جاتی۔

مولانا اکثر قرب وجوار میں اور اپنے اعزہ واقارب کے یہاں بھی پروگرام بنا کر ہمیں لے جاتے اور وعظ و تقریر کا بھی نظام مرتب کرتے تھے، میری ہر تقریر پر یہ فرماتے کہ آج آپ نے ایک نیا نکتہ بیان کیا، یہ کہاں سے لائے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔

مولانا مرحوم نے ایک رسالہ ''حقیقت شکر'' کے عنوان پر قیام گجرات کے زمانہ میں تالیف کیا تھا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناچیز سے تاکیداً فرمایا: ''اس پر اہتمام سے نظر ثانی کرلو اور مقدمہ لکھ کر اپنی نگرانی میں شائع کراؤ''، چنانچہ یہ رسالہ ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا، میں نے اس کا ایک نسخہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی خدمت میں بھیج دیا تھا، اس پر مولانا نے صدق جدید میں کلمۂ تحسین تحریر فرمایا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم نے بہت جرأت مندانہ اقدام کیا کہ مولانا دریابادی کا معیار تو بہت اونچا ہے، اس رسالہ کے مقدمہ میں ناچیز نے مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم کے تعارف میں لکھا تھا:

''عزیز موصوف نے جامعہ حسینیہ راندیر میں نہایت محنت اور ذوق وشوق سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، فراغت کے پانچ سال سے استاذی ومرشدی حضرت اقدس برکۃ العصر شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم کی خدمت میں قیام کا شرف حاصل رہا، اسی طرح تین سال حضرت اقدس کے درس بخاری میں شرکت کی سعادت حاصل رہی، ان کی سعادت مندی کی وجہ سے حضرت کی ان پر خصوصی شفقت کی نظر بھی ہے، اس لیے اس کتاب میں جابجا حضرت اقدس کے ملفوظات بھی نقل کیے گئے ہیں یا ان سے استفادہ کیا گیا ہے''۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے جب بذل المجہود کو ندوۃ العلماء لکھنؤ سے چھ جلدوں کی طباعت کے بعد بقیہ جلدوں کی طباعت اور اوجز المسالک کی طباعت کا قاہرہ میں فیصلہ فرمایا تو اس ناچیز کو محترم مولانا عبدالحفیظ مکی کے اصرار پر اس کی تصحیح و نگرانی کے لیے مقرر فرمایا، میری معاونت ومساعدت کے لیے مولانا مرحوم کا انتخاب فرمایا، چنانچہ ہم لوگوں کا سفر مکہ مکرمہ سے عمرہ کرتے ہوئے ۲۰ر شعبان ۱۳۹۲ھ مطابق

۲۸ ستمبر ۱۹۷۲ء کو قاہرہ کا ہوا، مولانا قاہرہ مع اپنی اہلیہ کے تشریف لائے تھے کہ کھانے وغیرہ میں سہولت رہے گی، وہاں کے ایک سالہ قیام میں بذل المجہود کی بقیہ جلدیں مکمل ہوئیں اور اوجز کی صرف دو جلدیں ہو سکی تھیں، طباعت کی دشواریوں کی بنا پر بقیہ جلدیں بیروت منتقل کر دی گئیں اور وہاں مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اپنی نگرانی میں طباعت مکمل کرائی۔

سہارنپور میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رمضان المبارک کی مجلس میں ہم دونوں کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک گرامی نامہ میں اس ناچیز کو لکھتے ہیں کہ تم دونوں کے لیے دعاؤں کا تو جس قدر زور مولانا عبیداللہ صاحب نے باندھ رکھا ہے کہ مجھے بھی بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ سننے والوں کی گرانی تک نہ پہنچ گیا ہو، مولانا عبیداللہ صاحب کو اللہ جزائے خیر دے کہ وہ نظام الدین کے اصول کے موافق ختم خواجگان کے بعد اتنی لمبی چوڑی دعائیں کراتے ہیں جس سے یقین ہو گیا کہ اللہ کی مدد ضرور تمہارے ساتھ ہو گی۔

قاہرہ سے اس ناچیز کی واپسی ایک سال کے بعد مکہ مکرمہ ہوئی، بذل المجہود کی آخری جلد ہمارے ساتھ تھی، آمد پر حضرت شیخ نے بہت ہی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا لیکن مولانا مرحوم اور ان کی اہلیہ اور مولانا عبدالحفیظ کی آمد میں قدرے تاخیر ہوئی، اس لیے کہ وہاں پر مولانا مرحوم کے صاحبزادے عبدالحلیم کی ولادت ہوئی تھی، واپسی پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیحد خوشی کا اظہار فرمایا اور شیرینی تقسیم کرائی اور خصوصی دعوت کا اہتمام فرمایا۔

مولانا مرحوم جب ذکر کے لیے بیٹھتے تھے تو ایک خاص فضا پیدا کر دیتے تھے،

آواز میں بڑادرداورکشش تھی، حضرت شیخ نے دونوں بھائیوں کواجازت وخلافت سے نوازا، اپنے ایک گرامی نامہ میں جومولانا احمد گوندھروی کے نام تھا،تحریرفرمایا کہ تمہاری تحری پر دولاڈلے عبدالرحیم اورمحمد یوسف میری طرف متوجہ ہوئے اور نہ معلوم کہاں تک پہنچ گئے۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم مرحوم کی سہارنپور آمد کی اطلاع کے بعد حضرت والاؒ اپنے مکان کے اندر زنان خانہ میں تشریف لے گئے، گھر والوں سے فرمایا آج کچھ اچھا پکالینا، پوچھا گیا کہ کس کی آمد کی اطلاع ہے، حضرتؒ نے فرمایا ارے تینوں عاشقوں کا معشوق آرہا ہے، پوچھا گیا کہ وہ تین عاشق کون؟ اور معشوق کون؟ تو حضرتؒ نے مولانا عبدالرحیم صاحب کا نام لینے کے بعد عاشقوں کے بارے میں فرمایا: بابا، بیٹا اور نصیر، مراد حضرت شیخ خود اور صاحبزادہ گرامی مولانا محمد طلحہ صاحب اور مولانا نصیرالدین صاحب ناظم کتب خانہ، یہ میں نے اس لیے نقل کردیا کہ مولانا مرحوم اوران کے بھائی مولانا محمد یوسف متالا کا حضرتؒ سے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکے، چنانچہ مولانا محمد یوسف متالا برطانیہ بولٹن تشریف لے گئے، اور وہاں پر ایک بڑے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جو اہتمام تھا اس سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خود باوجود معذوری کے بولٹن تشریف لے گئے اور چند دن قیام فرمایا، اب وہاں جناب مولانا یوسف متالا کا علمی وروحانی فیض عام ہورہا ہے، ان کے شاگردوں اور مریدوں کا ایک بہت بڑا حلقہ ہے، اسی طرح مولانا عبدالرحیم مرحوم زامبیا والوں کی طلب پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے وہاں تشریف لے گئے، زامبیا سے باہر قصبہ چپاٹا ۹/اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز جمعہ معہد رشید کی بنیاد رکھی گئی،

اور وہاں بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی معذوری کے باوجود تشریف لے گئے، اس معہد کا فیض افریقہ کے بڑے حصہ میں پہنچ رہا ہے، مختلف افریقی ملکوں کے لڑکے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، مولانا مرحوم ہر سال صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور دیگر علماء کو دعوت دے کر وعظ وتقریر کے لیے بلاتے رہتے تھے، جس سے پورا علاقہ فیض یاب ہوتا تھا، اسی طرح مولانا مرحوم کا قیام کناڈا میں بھی رہتا تھا، وہاں بھی ان سے بہت سے لوگ فیض یاب ہوتے رہتے تھے، ماشاء اللہ یہ معہد روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس ناچیز کو بھی کئی مرتبہ انہوں نے چپاٹا آنے کی دعوت دی، لیکن مقدر سے یہ سفر نہ ہوسکا، البتہ حرمین شریفین میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

۲۸/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ہماری اہلیہ محترمہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا، مولانا مرحوم کو جب علم ہوا تو انہوں نے فون کے ذریعہ بڑی لمبی تعزیت کی اور یہ فرمایا کہ ہماری خانقاہ میں آپ کی اہلیہ کے ایصال ثواب اور ختم قرآن کا اہتمام کیا گیا، اور آپ کے لیے بھی خصوصی دعائیں کی جارہی ہیں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا کام کررہے ہیں، تقریباً اس مہینہ میں فون پر پانچ مرتبہ گفتگو ہوئی اور آخری گفتگو ۱۵/منٹ تک رہی، اور بہت ہی محبت آمیز اور درد آشنا جس کی لذت اب تک محسوس ہورہی ہے، مگر کیا معلوم کہ یہ جانکاہ حادثہ پیش آنے والا ہے۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جان جہاں سے یوں جدا ہوں گے
گو سنتے یوں چلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی

اس مختصر تحریر میں اسی پر اکتفاء کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے

اس سلسلہ کو باقی رکھے اور ترقیات سے نوازے، ان کا مدرسہ معہد رشید ترقیات کی راہ پر گامزن رہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی تکمیل فرمائے، ان کی کتاب ''سراج القاری لحل صحیح البخاری'' جس کی طباعت واشاعت کا ان کو بیحد اہتمام تھا اس کی بھی تکمیل فرمائے، ان شاء اللہ عبدالحلیم اور ان کے بھائیوں سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، یہ سب عزیز گرامی عالم ربانی محترم مولانا محمد یوسف صاحب متالا حفظہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں سب کام انجام دیتے رہیں گے، حضرت مولانا کی زندگی کے آخری لمحات میں بہت سے اہل ذکر نے مبشرات ورؤیا دیکھے جن میں خاص طور سے ان کی بہن ہیں کہ مولانا کے لیے بہت سی بشارتیں دی گئیں، اس کی تفصیل محترم مولانا محمد یوسف صاحب کے مقالہ میں آئے گی، اس ناچیز نے شخصی طور پر ختم قرآن کیا اور ایصال ثواب کیا اور کررہا ہوں، اور ہماری جامعہ اسلامیہ مظفرپور اعظم گڑھ میں خصوصی اہتمام کیا گیا، اخیر میں مولانا مرحوم کے چھوٹے بھائی اور صاحبزادگان اور اعزہ و اقارب کی خدمت میں تعزیت پیش کررہا ہوں، اور اس شعر پر اپنی بات کا اختتام کررہا ہوں ؎

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آہ! مولانا سید عبداللہ محمد الحسنی ندوی مرحوم

مولانا مرحوم کا حادثۂ فاجعہ اور اس پر اپنے تأثر کا اظہار اپنے تعزیت نامے میں جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی خدمت میں ارسال کیا تھا ذکر کر چکا ہوں، اب ان پر خصوصی نمبر پیش کیا جارہا ہے، اس میں متعدد مقالات ان کی حیات وخدمات پر آرہے ہیں، میری مختصر تحریر بھی نقوش وتأثرات کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنی متوفی ۱۹۷۹ء میرے رفیق درس رہے ہیں، وہ شاہ حلیم عطاء صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درس صحیحین میں شریک ہوتے تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ ان کے والد محترم حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب سے خصوصی تعلق کی بنا پر اہتمام فرماتے تھے، ہمارے درس میں کل بشمول مولانا مرحوم کے چھ طالب علم تھے، لیکن مولانا کا تعلق زیادہ تر اس ناچیز سے تھا، ایک دوسرے ہمارے ساتھی مولانا مطیع الرحمٰن ندوی مقیم جدہ تھے، ان کا تعلق ان کے ماموں مولانا سید واضح رشید ندوی سے زیادہ تھا جو ہم سے ایک سال آگے تخصص ادب میں تھے، ہمارا اور محمد میاں مرحوم کا تعلق آئندہ چل کر بڑھتا رہا، میرے ندوے کے زمانے میں تقریباً پانچوے گھنٹے میں ترمذی کی تدریس سے فارغ ہو کر ان کی آفس میں ملاقات کے لیے جو انس ودل بستگی کی علامت ہوتی شرکت کرتا، عام طور پر مولانا

سعید الرحمٰن ندوی مہتمم ندوۃ العلماء درس سے فارغ ہوکر آجاتے، باری باری سے چائے نوشی ہوتی، ہوٹل پر یا مہتمم صاحب کے مکان پر جہاں بہت لذیذ ونفیس چائے بنتی تھی، پھر جب انہیں عربی میں ایک بولٹن نکالنے کا خیال پیدا ہوا تو اس کی ممبری میں میرا نام بھی رکھا تھا اگرچہ میری تدریسی ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت بہت کم ملتا تھا لیکن کبھی کبھی چھٹیوں میں گوئن روڈ ان کے مکان پر حاضری دیتا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرتا، وہاں پر مرحوم ضیافت ومہمان نوازی فرماتے، بہت نفیس چائے پلانے کا انتظام کرتے، ایک مرتبہ حضرت گنج کے عمدہ ہوٹل میں ہم سب لوگ چائے نوشی کے لیے گئے، داعی ہمارے ایک ساتھی تھے، بل چودہ روپے کا آیا لیکن ادائیگی سے پہلے وہ اٹھ کر چل دیئے، کسی نے ادائیگی نہیں کی، مرحوم نے بل ادا کیا، ان کے حالات میں اپنے مقالے میں لکھ چکا ہوں، ندوۃ العلماء سے جانے کے بعد میرا ان کا تعلق اسی طرح باقی تھا، صحبتے با اولیاء کی طباعت کے بعد انہوں نے تعمیر حیات میں ایک تحریر لکھی ''مولانا تقی الدین صاحب ندوی پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات ہیں، ان میں سے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی توجہ وشفقت ہے'' مجھے یاد ہے کہ ان کی یہ تحریر پڑھ کر مجھ پر گریہ طاری ہوگیا، اسی طرح مولانا عبداللہ صاحب کی ولادت پر ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی تھی، ان کی بڑی خواہش تھی کہ میرا یہ بچہ تعلیمی مراحل طے کر کے محدث اور داعی بنے، مولانا مرحوم میں یہ دونوں صفت پیدا ہوگئی تھی، ندوہ میں حدیث شریف کا درس دینے لگے تھے، وہ جلسوں میں ایک اچھے واعظ ومقرر کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے آئے، ذکر وفکر وانابت الی اللہ کی دولت سے اللہ

تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا تھا، اس لیے حضرت مولانا علی میاں نے ان کو اجازت و خلافت کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ان کی تبلیغی و دعوتی حکمت عملی سے بڑی تعداد میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے، اس میدان میں ان کو انفرادی حیثیت حاصل تھی، ان کی پُرکشش شخصیت لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے استغناء و توکل کی صفت سے بھی نوازا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے دو ایسے علماء کو طلب کیا جو شارقہ کی ٹی وی سے اردو میں خطاب کر سکیں، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سلمان ندوی و مولانا عبداللہ مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لیے ایک رقم پیش کی گئی جس کو دونوں نے لینے سے انکار کر دیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا، جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے شیخ کے قریبی عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی جو مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں ان کو فون کیا کہ میں حاجت مند ہوں، مجھ کو وہ رقم بھجوایئے، چنانچہ وہ رقم میرے پاس آئی اور ان دونوں کو زبردستی حوالہ کیا اور کہا کہ ابھی آپ دونوں ''حضرت'' نہیں ہوئے ہیں، ندوے کے ہر آمد و رفت میں ہمیشہ ایک دو مرتبہ ملاقات کے لیے آتے اور اپنی تبلیغی کوششوں کا ذکر فرماتے، ان کو جامعہ اسلامیہ آنے کی بار بار دعوت دی، بعض مرتبہ طلبہ میں بیان بھی کرایا جو بڑا مؤثر تھا، اپنی آخری علالت سے چند روز پہلے بھی ندوے میں مجھ سے ملاقات کے لیے آئے اور اپنی علالت کا ذکر کیا، لیکن کہیں سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ آخری وقت آنے والا ہے، ان کی علالت کی خبر سن کر اس ناچیز نے بھی اللہ سے فریاد کی اور بہت

سے علماء واہل ذکر نے دعائیں کی لیکن قضاء وقدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا وقت موعود ۳۱ رجنوری ۲۰۱۳ء کو آ گیا۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(ماخوذ از: الشارق، مئی، جون ۲۰۱۳ء)

آٹھواں باب

چند اہم تعزیتی خطوط

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے انتقالِ پُر ملال پر پیغامِ تعزیت

محترم المقام جناب مولانا ارشد مدنی صاحب
ومحترم مولانا محمود مدنی صاحب واخوانہ، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ۶ رفروری شام کو اچانک حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سنی گئی، اگرچہ حضرت والا عرصہ سے علیل چل رہے تھے، مگر اس ناگہانی خبر سے دل ودماغ پر غیر معمولی اثر ہوا، حضرت والا کا وصال نہ صرف ایک فرد، ایک جماعت اور ایک ادارہ کا خسارہ ہے بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے ایک حادثہ ہے، خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو دورِ حاضر میں حضرت والا کی سخت احتیاج تھی، اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی انتظام فرمائے گا، خاص طور پر دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کا بہت بڑا خسارہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ حضرات کے ذریعہ سے اس کی تلافی فرمائے، اور جو عظیم الشان ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر آگئی ہیں ان کو ادا کرنے کی قوت وہمت عطا فرمائے اور اس حادثۂ عظیمہ

پر صبر جمیل اور قوت تحمل نصیب فرمائے ، صبر وتحمل اور توکل علی اللہ کی دولت آپ کی خاندانی خصوصیات میں سے ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خود مصائب وحوادث کے سامنے خواہ وہ شخصی ہوں یا قومی، ایک پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

حضرت کی ذات گرامی پورے مقالہ کی محتاج ہے، اور اس ناچیز پر بھی ان کی خصوصی شفقتیں رہی ہیں، یہ یاد کر کر کے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے، میرے پاس الفاظ نہیں کہ کن الفاظ میں تعزیت کے کلمات پیش کروں، بہر حال یہاں پر ابوظبی ،شارقہ، دبئ میں تمام احباب سے ایصال ثواب کی تاکید کر دی ہے، اور خود بھی اہتمام کر رہا ہوں، اور اپنے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں بھی اس کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور اپنے مدرسہ کے مہتمم اور ایک مدرس کو اپنے اس خط کے ساتھ آپ حضرات کی خدمت میں تعزیت کے لئے بھیج رہا ہوں، انشاء اللہ اپنی ہندوستان آمد کے موقع پر آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر تعزیت پیش کروں گا، جملہ اعزہ وحاضرین کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام

مخلص : شریک غم تقی الدین ندوی مظاہری

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے سانحہ ارتحال پر پیغام تعزیت

محترم المقام جناب حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی صاحب دامت برکاتہم
نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی فون کے ذریعہ اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اوراس وقت کے علمائے دیوبند کے سرپرست اس دار فانی سے دار جاودانی کے لیے رخصت ہوگئے ،إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا کا وصال نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا سانحہ ہے، بزرگوں کے وجود سے بہت سے خیر کے دروازے کھلے رہتے ہیں، گرچہ مولانا مرحوم اپنی طبعی عمر کو پہونچ چکے تھے اوراس دار فانی سے ایک دن سبھی کو رخصت ہونا ہے،لیکن مولانا کی ذات گرامی اکابر دیوبند کی خصوصیات وروایات کی حامل تھی اور دینی غیرت وحمیت کا ایک مثالی نمونہ تھی ان کی باتوں اور کلام سے اخلاص وللہیت کا مشاہدہ ہوتا تھا،انہوں نے اپنے دوراہتمام میں دارالعلوم دیوبند کے شیرازہ کو جمع

کرنے کی کوشش کی ، وہ پوری جماعت کو اپنے اسلاف کے نمونہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے، الحمدللہ ان کو اس میدان میں بیحد کامیابی حاصل ہوئی ،فکری لحاظ سے پوری جماعت کو جوڑ رکھا تھا، اور دارالعلوم ان کے عہد میں ترقیات کے منازل طے کرتا رہا، بہت سی جدید عمارتوں کی تعمیر ہوئی اور نظام تعلیم وتربیت کی روایات کو ان کی خصوصیات کے ساتھ باقی رکھا، اورانہوں نے دارالعلوم دیوبند کے علماء، مدرسین ومنتظمین میں سے ہر ایک کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ لگا کر ان کو وہ مقام عطا فرمایا جو ان کے درجہ اور مقام کے لیے مناسب تھا۔

اس ناچیز کو حضرت مولانا سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا، خصوصی اور آخری ملاقات دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں ہوئی تھی، حضرت مولانا نے نہایت شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا ، اور بہ اصرار دارالعلوم دیوبند حاضری کی دعوت دی، لیکن جب بھی دارالعلوم دیوبند کا سفر ہوا تو مقدر سے حضرت مولانا کی عدم موجودگی کی وجہ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، لیکن بعض خطوط اس ناچیز نے طلبہ کے داخلہ کے سلسلے میں بطور سفارش کے تحریر کیے تو حضرت مولانا نے اس پر خاص توجہ فرمائی، اس وقت یہ ناچیز ہندوستان سے باہر متحدہ عرب امارات مدینۃ العین سے یہ خط تحریر کررہا ہے ،سارے احباب کو ایصال ثواب کی تاکید کردی ہے اور خود بھی کررہا ہوں۔

خاص طور پر ہندوستان میں جامعہ اسلامیہ، مظفر پور اعظم گڑھ (جس کا یہ ناچیز سرپرست ہے) کے مہتمم کے ذریعہ علماء وطلبہ کو یہ پیغام پہونچا دیا ہے کہ ایصال ثواب کا اہتمام کیا جائے۔

یہ ناچیز دارالعلوم کے منتظمین اور اراکین شوریٰ اور حضرت مولاناؒ کے اعزہ و

اقارب، حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی ومولانا قاری عثمان صاحب اور محترم مولانا محمود صاحب کی خدمت میں سلام مسنون کے ساتھ تعزیت پیش کرتا ہے ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
گلدستۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

شریک غم

تقی الدین ندوی مظاہری

مولانا عبداللہ عباس ندوی کے سانحۂ انتقال پر

نامۂ تعزیت

بنام حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی دامت برکاتہم

(ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ابھی ابھی حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب جن کو رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے کے سانحۂ وصال کی خبر معلوم ہوئی، اس ناچیز نے فون کر کے ان کے صاحبزادگان کی خدمت میں تعزیت پیش کی، جناب والا پر اور پوری جماعت ندوۃ العلماء پر حضرت مولانا عبداللہ عباس رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ وفات کا جو اثر ہوگا اس کا ہم سب کو اندازہ ہے، وہ حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ سے جس طرح وابستہ رہے اور ان کو حضرت مولاناؒ اور ان کے متعلقین کی حرمین شریفین میں خدمت کی جس طرح سعادت نصیب ہوئی اور حضرتؒ بھی جس طرح ان سے مسرور اور راضی اس دنیا سے تشریف لے گئے، یہ سب مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، ماضی کے خیالات اور حالات دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، ان سب کے لئے تو ایک لمبے مقالے کی ضرورت ہے، اس وقت تو صرف تعزیت پیش کرنا مقصود ہے کہ وہ حضرت مولاناؒ کے

جس طرح خصوصی مستشار اور جناب والا کے دست راست تھے اس کی تلافی ممکن نہیں ان کے مشورے سے دارالعلوم کے اندر اور باہر خاص طور سے سعودی عرب میں فائدہ اٹھایا جاتا رہا، اب بظاہر ان کا بدل نظر نہیں آرہا ہے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور جناب والا کے پورے گھرانے کی محبت سے ہمیشہ سرشار رہے، دارالعلوم کی نیک نامی اور شہرت کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، بہرحال اس حادثہ کا جناب والا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اراکین ومتوسلین پر جو اثر ہوگا اس کا پورا پورا اندازہ ہے، اس ناچیز کو ان سے شرف تلمذ بھی حاصل رہا ہے، اس لئے طبیعت پر بے حد اثر ہے، وہ متعدد مرتبہ ہماری دعوت پر جامعہ اسلامیہ اعظم گڑھ تشریف لائے اور کئی کئی روز قیام کیا اور ان سے طلبہ اور مدرسین نے فائدہ اٹھایا۔

بہرحال زندگی کا ایک وقت مقرر ہے، آگے پیچھے ہم سب کو جانا ہے، آج ان کی کل ہماری باری ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرحوم کے لئے یہ بڑی سعادت عطا فرمائی تھی کہ ان کا قیام مکۃ المکرّمہ میں رہا، اور حرم شریف میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، اور وہاں کی سرزمین میں تدفین عمل میں آئی، کتنے لوگوں نے وہاں دعائیں کی ہوں گی اور ساری دنیا میں لوگ دعائیں کر رہے ہوں گے، یہ سب ان کے لئے بشارتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے اعزہ واقارب اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کی علمی ودینی خدمات کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

محترم مولانا واضح صاحب اور مہتمم صاحب کو سلام مسنون اور ان کی خدمت میں تعزیت ہے

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

طالب دعا: تقی الدین ندوی

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے سانحۂ ارتحال پر
تعزیت نامہ

مولانا سید احمد خضر شاہ......حفظہ الباری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اچانک فون کے ذریعہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری کے سانحۂ ارتحال کا علم ہوا، اس ناگہانی خبر سے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر ہے، ان کی ذات گرامی نہ صرف ایک خاندان اور ایک ادارہ کا سرمایہ تھی بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی گراں قدر سرمایہ تھی اور اس ناچیز کے ساتھ ان کے دیرینہ تعلقات تھے، وہ بہت شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، کسی طرح سے دل و دماغ اس حادثے کو آسانی سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہورہا ہے کہ وہ اس عالم فانی سے عالم جاوداں کی طرف ہزاروں شاگردوں، علماء ومحبین کو چھوڑ کر رخت سفر اختیار فرما چکے ہیں، إنا لله و إنا إليه راجعون۔

وہ اپنے والد امام محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل اور ان کے خصائص وصفات سے متصف تھے اور ان کی زندہ یادگار تھے، علامہ کشمیریؒ کا فیض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پورے عالم میں رواں دواں ہے، آپ کے والد محترم جب ان کی تحقیقات وعلوم کو بیان فرماتے تو ایک خاص کیفیت پیدا ہوجاتی تھی، بہر حال ان کی ذات گرامی پر تأثرات بیان کرنے کے لیے پورے مقالے کی ضرورت ہے۔

میری آخری ملاقات دارالعلوم دیوبند میں دو سال پیشتر ہوئی تھی، انہوں نے بے حد محبت کا معاملہ فرمایا، معہد الانور کی زیارت کرائی اور وہاں کی مسجد میں طلبہ و اساتذہ کے درمیان تقریر بھی کرائی۔

انتقال سے پیشتر وہ شارقہ تشریف لائے، ٹیلیفون سے رابطہ رہا، اچانک علالت کی وجہ سے واپسی ہوگئی، علالت کی خبریں سنتے رہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اتنی جلد یہ حادثہ پیش آجائے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے فیوض و برکات کو ہمیشہ جاری رکھے اور ان کی مغفرت فرمائے، ان قبر کو انوار و برکات سے منور فرمائے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

یہاں پر جامعہ اسلامیہ میں اس حادثہ پر تعزیتی جلسہ کیا گیا اور ایصال ثواب کرایا جا رہا ہے، یہ ناچیز آپ کی خدمت میں، اور پورے خاندان سے سلام مسنون کے بعد تعزیت پیش کرتا ہے، اس وقت دماغ ساتھ نہیں دے رہا ہے کہ تفصیلی خط لکھوں، آخر میں میری دعا ہے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مکرر آپ کے پورے خاندان، دارالعلوم کے علماء و فضلاء بالخصوص حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ کو سلام مسنون!

فقط والسلام

دعا گو: مخلص تقی الدین ندوی

۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ۔ ۲۸؍اپریل ۲۰۰۸ء

مولانا اعجاز احمد اعظمی کے سانحۂ ارتحال پر تعزیت نامہ

اچانک بتاریخ ۲۲/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹/ستمبر ۲۰۱۳ء کی فجر کی نماز کے بعد فون سے جناب محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع ہوئی، موصوف سے اس ناچیز کا تعلق بہت قدیم تھا، ان کے گراں قدر مضامین و مقالات کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا وہ ایک مدت تک مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور میں بھی استاذ رہے اس کے بعد وہ شیخو پور کے مدرسہ شیخ الاسلام میں سرپرست اور استاذ کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان کا قلم بہت ہی سنجیدہ اور منجھا ہوا تھا، جس پر ان کی کتابیں اور مقالات شاہد ہیں، ایسے فاضل گرامی عالم کا اس دنیا سے ارتحال ایک بڑا حادثہ ہے، ان کے دعوتی کاموں سے اعظم گڑھ شہر اور قرب و جوار کے لوگ مستفید ہو رہے تھے وہ عرصہ سے علیل چل رہے تھے، دوا علاج کی ساری تدبیریں اختیار کی گئیں، مگر مشیت الٰہی کے سامنے کوئی چارۂ کار نہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی پوری پوری مغفرت فرمائے اور جنت کے اعلیٰ مقام میں جگہ نصیب فرمائے، آمین، ان کے صاحبزادگان مولانا محمد عارف صاحب اور ان کے بھائیوں اور اعزہ و اقارب سب کو

صبر جمیل عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو توفیق عطا فرمائے کہ ان کے کاموں اور ان کے مشن کو جاری رکھیں، یہ مرحلۂ موت سب کو پیش آنا ہے، **کل من علیھا فان**، دینی، علمی اور دعوتی خدمت کرتے ہوئے اس دنیا سے جانا بڑی سعادت مندی کی بات ہے، یہ ناچیز ان کے اعزہ کے غم میں شریک ہے ان کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں ایصال ثواب کیا گیا اور اس ناچیز نے بھی اس کا اہتمام کیا۔

فقط والسلام

شریک غم

تقی الدین ندوی مظاہری

العین ۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ